ترجمان القرآن
مجلس تحریک قرآن کا ماہوار رسالہ
مرتبہ
5/13
سید ابوالاعلیٰ مودودی
A

چند نایاب کتابیں اور انکی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تفسیر القرآن مکمل آٹھ جلدوں میں | آجتک اس سے بہتر تفسیر شائع نہیں ہوئی سینکڑوں محبان وطن و معتمد علما نے اس کی تحسین حاصل کر چکی ہے یہ تفسیر نہایت معتبر اور مستند ہے اور اسکی روایات صحیح اور سلف صالحین کے عقیدہ کے موافق ہیں۔ یہ تفسیر اسلام کے عقاید۔ عبادات، و معاملات کے مسائل اور علم تصوف کا بحر ذخار ہے۔ عاشقان کلام الٰہی کے لئے نایاب تحفہ ہے اصلی قیمت (۲۱) رعایتی (۱۵)

تاریخ اسلام مصنفہ رائٹ آنریبل سید امیر علی مرحوم | اس حیثیت کی کوئی کتاب آجتک نہیں چھپی گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا تھا اصلی قیمت (عہ) رعایتی (عہ)

معتبر تاریخ ابن خلدون کا اردو ترجمہ | تین جلدوں میں جسے بصرف زر کثیر کارخانۂ وطن نے تیار کرایا ہے آجتک کسی شخص کو عبارت کی دقت کی وجہ سے اردو میں ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کل اہم اسلامی علوم و فنون و واقعات شہادت امام حسین پر مدلل بحث کیگئی ہے اصلی قیمت مکمل سعہ رعایتی سعہ

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء | مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب کا اردو ترجمہ خلفائے راشدین کی مستند ترین تاریخ اصلی قیمت (سعہ) رعایتی قیمت (صہ)

سیرۃ الرسول اول و دوم حصص | اس میں نسب نامہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قبیلہ قریش کا نسب قبائل و قوم عرب کی مختصر تاریخ قیمت ہر دو حصہ اصلی عہ رعایتی عہ۔

انجیل برنباس | اس مقدس انجیل کا ترجمہ ہے جس کو عالمان دین عیسوی نے عہد تاریک میں بالکل نابود کر دیا تھا کیونکہ اس میں حضرت رسول مقبول کے ظہور کی صحیح خبر موجود ہے (اصلی قیمت عہ رعایتی قیمت عہ۔

ترجمہ تفسیر کبیر فاتح العلوم | تفسیر سورۃ الحمد مولفہ امام فخر الدین رازی۔ اسے ابتک اردو کا جامہ پہنانے کی کسی صاحب کو ہمت نہ پڑتی تھی کارخانۂ وطن نے اس بھاری کمی کو پورا کر دیا اصلی قیمت (سے) رعایتی عہ

کلید خزائن قرآنی | اس کی مدد سے کسی آیت کا ایک لفظ یا کلمہ یاد ہو تو بلا تامل پوری آیت کا ترجمہ معہ نشان سورت و تعداد آیت ملجاتا ہے۔ مزید براں اس کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں لفظ کتنی مرتبہ اور کس کس سورت میں آیا ہے۔ اصلی قیمت عہ روپیہ رعایتی صہ۔

محصول بذمہ خریدار۔ ملنے کا پتہ منیجر کارخانہ وطن۔ لاہور

فہرست مضامین

اشارات

بڑے بڑے شہروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں کارخانے بجلی کی قوت سے چل رہے ہیں۔ ریلیں اور ٹرام گاڑیاں رواں دواں ہیں، شام کے وقت دفعۃً ہزاروں قمقمے روشن ہوجاتے ہیں، گرمی کے زمانہ میں گھر گھر پنکھے چلتے ہیں، مگر ان واقعات سے نہ تو ہمارے اندر حیرت واستعجاب کی کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ ان چیزوں کے روشن یا متحرک ہونے کی علت میں کسی قسم کا اختلاف ہمارے درمیان واقع ہوتا ہے۔ یہ کیوں ؟ اس لئے کہ ان قمقموں کا تعلق جن تاروں سے ہے ان کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان تاروں کا تعلق جس بجلی گھر سے ہے اس کا حال ہم کو معلوم ہے۔ اس بجلی گھر میں جو لوگ کام کرتے ہیں ان کے وجود کا ہم کو علم ہے۔ ان کام کرنے والوں پر جو انجینیر نگرانی کر رہا ہے۔ اس کو بھی ہم جانتے ہیں ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ انجینیر بجلی بنانے کے فن سے واقف ہے، اس کے پاس بہت سی کلیں ہیں، اور ان کلوں کو حرکت دیکر وہ اس قوت کو پیدا کر رہا ہے جس کے جلوے ہم کو قمقموں کی روشنی پنکھوں کی گردش ریلوں اور ٹرام گاڑیوں کی سیر چکیوں اور کارخانوں کی حرکت میں نظر آتے ہیں پس بجلی کے آثار کو دیکھ کر اس کے اسباب کے متعلق ہمارے درمیان اختلاف رائے واقع نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان اسباب کا پورا سلسلہ ہمارے محسوسات میں داخل ہے، اور ہم اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

فرض کیجئے کہ یہی قمقمے روشن ہوتے۔ اسی طرح پنکھے گردش کرتے، یونہی ریلیں اور ٹرام گاڑیاں چلتیں، چکیاں اور مشینیں حرکت کرتیں، مگر وہ تار جن سے بجلی ان میں پہنچتی ہے ہماری نظروں سے پوشیدہ

ہوتے، بجلی گھر بھی ہمارے محسوسات کے دائرے سے خارج ہوتا، بجلی گھر میں کام کرنے والوں کا بھی ہم کو کچھ علم نہ ہوتا، اور یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ اس کارخانے کا کوئی انجینیر ہے جو اپنے علم اور اپنی قدرت سے اس کو چلا رہا ہے۔ کیا اس وقت بھی بجلی کے ان آثار کو دیکھکر ہمارے دل ایسے ہی مطمئن ہوتے؟ کیا اس وقت بھی ہم اسی طرح ان مظاہر کی علتوں میں اختلاف نہ کرتے؟ ظاہر ہے کہ آپ اس کا جواب نفی میں دیں گے کیوں؟ اس لئے کہ جب آثار کے اسباب پوشیدہ ہوں، مظاہر کی علتیں غیر معلوم ہوں، تو دلوں میں حیرت کے ساتھ بے اطمینانی کا پیدا ہونا، دماغوں کا اس راز سربستہ کی جستجو میں لگ جانا، اور اس راز کے متعلق قیاسات و آراء کا مختلف ہونا ایک فطری بات ہے۔

اب ذرا اسی مفروضہ پر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھائیے۔ مان لیجئے کہ یہ جو کچھ فرض کیا گیا ہے درحقیقت عالم واقعہ میں موجود ہے۔ ہزاروں لاکھوں قمقمے روشن ہیں، لاکھوں پنکھے چل رہے ہیں، گاڑیاں دوڑ رہی ہیں، کارخانے حرکت کر رہے ہیں۔ اور ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان میں کونسی قوت کام کر رہی ہے اور وہ کہاں سے آتی ہے؟ لوگ ان مظاہر و آثار کو دیکھ کر حیران و ششدر ہیں۔ ہر شخص ان کے اسباب کی جستجو میں عقل کے گھوڑے دوڑا رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں آپ سے آپ روشن یا متحرک ہیں۔ ان کے اپنے وجود سے خارج کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انھیں روشنی یا حرکت بخشنے والی ہو۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ چیزیں جن مادوں سے بنی ہوی ہیں انہی کی ترکیب نے ان کے اندر روشنی اور حرکت کی کیفیتیں پیدا کر دی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس عالم مادّہ سے ماوراء چند دیوتا ہیں جن میں سے کوئی قمقمے روشن کرتا ہے، کوئی ٹرام اور ریلیں چلاتا ہے، کوئی پنکھوں کو گردش دیتا ہے، اور کوئی کارخانوں اور چکیوں کا محرک ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو سوچتے سوچتے تھک گئے ہیں، اور آخر میں عاجز ہوکر کہنے لگے ہیں کہ ہماری عقل اس طلسم کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

ہم صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس سے زیادہ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور جو کچھ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔

یہ سب گروہ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ مگر اپنے خیال کی تائید اور دوسرے خیالات کی تردید کے لئے ان کے پاس قیاس اور ظن و تخمین کے سوا کوئی ذریعۂ علم نہیں ہے۔

اس دوران میں کہ یہ اختلافات برپا ہیں، ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو! میرے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ اس ذریعے سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ ان سب قمقموں، پنکھوں، گاڑیوں، کارخانوں اور چکیوں کا تعلق چند مخفی تاروں سے ہے جن کو تم محسوس نہیں کرتے۔ ان تاروں میں ایک بہت بڑے بجلی گھر سے قوت آتی ہے جس کا ظہور روشنی اور حرکت کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس بجلی گھر میں بڑی بڑی عظیم الشان کلیں ہیں جنھیں بے شمار اشخاص چلا رہے ہیں۔ اور ان سب کے اوپر ایک بڑا زبردست انجنیر ہے جس کے علم اور قدرت نے اس پورے نظام کو قائم کیا ہے! اور جس کی ہدایت و نگرانی میں یہ سب کام ہو رہے ہیں۔

یہ شخص پوری قوت سے اپنے اس دعوے کو پیش کرتا ہے۔ لوگ اس کو جھٹلاتے ہیں، سب گروہ مل کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسے دیوانہ قرار دیتے ہیں، اس کو مارتے ہیں، تکلیفیں دیتے ہیں، گھر سے نکال دیتے ہیں، مگر وہ ان سب روحانی اور جسمانی مصیبتوں کے باوجود اپنے دعوے پر قائم رہتا ہے، کسی خوف یا لالچ سے اپنے قول میں ذرہ برابر ترمیم نہیں کرتا، کسی مصیبت سے اس کے دعوے میں کمزوری نہیں آتی، اور اس کی ہر ہر بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اپنے قول کی صداقت پر کامل یقین ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا شخص آتا ہے اور وہ بھی بجنسہ یہی قول اسی دعوے کے ساتھ پیش کرتا ہے

پھر تیسرا، چوتھا، پانچواں آتا ہے۔ اور وہی بات کہتا ہے جو اس کے پیش رووں نے کہی تھی۔ اس کے بعد ان آنے والوں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں سے متجاوز ہو جاتی ہے، اور یہ سب اسی ایک قول کو اسی ایک دعوی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ زمان و مکان اور حالات کے اختلافات کے باوجود ان کے قول میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ سب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو عام لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ سب کو دیوانہ قرار دیا جاتا ہے، ہر طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ہر طریقہ سے ان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے قول سے باز آجائیں، مگر یہ سب اپنی بات پر قائم رہتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی قوت ان کو اپنے مقام سے ایک انچ نہیں ہٹا سکتی۔ اس عزم و ثبات کے ساتھ ان لوگوں کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی جھوٹا، چور، خائن، بدکار، ظالم اور حرام خور نہیں ہے۔ ان کے دشمنوں اور مخالفوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ ان سب کے اخلاق پاکیزہ ہیں، سیرتیں انتہا درجہ کی نیک ہیں، اور حسن خلق میں یہ اپنے دوسرے ابنائے نوع سے ممتاز ہیں پھر ان کے اندر جنون کا بھی کوئی اثر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور دنیوی معاملات کی اصلاح کے لئے ایسی ایسی تعلیمات پیش کرتے۔ اور ایسے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کے مثل بنانا تو درکنار بڑے بڑے علماء و عقلاء کو ان کی باریکیاں سمجھنے میں پوری پوری عمریں صرف کر دینی پڑتی ہیں۔

ایک طرف وہ مختلف الخیال مکذبین ہیں، اور دوسری طرف یہ متحد الخیال مدعی دونوں کا معاملہ عقل سلیم کی عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ جج کی حیثیت سے عقل کا فرض ہے کہ پہلے اپنی پوزیشن کو خوب سمجھ لے پھر فریقین کی پوزیشن کو سمجھے، اور دونوں کا موازنہ کرنے کے بعد فیصلہ کرے کہ کس کی بات قابل ترجیح ہے۔

جج کی پوزیشن یہ ہے کہ خود اس کے پاس امر واقعی کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ وہ حقیقت کا علم نہیں رکھتا۔ اس کے سامنے صرف فریقین کے بیانات، ان کے دلائل، ان کے ذاتی حالات اور خارجی آثار و قرائن ہیں۔ انہی پر تحقیق کی نظر ڈال کر اسے فیصلہ کرنا ہے کہ کس کا برحق ہونا غالب ہے۔ مگر اغلبیت سے بڑھ کر بھی وہ کوئی حکم نہیں لگا سکتا، کیونکہ مسل پر جو کچھ مواد ہے اس کی بنا پر یہ کہنا اس کے لئے مشکل ہے کہ امر واقعی کیا ہے۔ وہ فریقین میں سے ایک کو ترجیح دے سکتا ہے لیکن قطعیت اور یقین کے ساتھ کسی کی تصدیق یا تکذیب نہیں کر سکتا۔

مکذبین کی پوزیشن یہ ہے:-

۱۔ حقیقت کے متعلق ان کے نظریے مختلف ہیں۔ اور کسی ایک نکتہ میں بھی ان کے درمیان اتفاق نہیں ہے، حتی کہ ایک ہی گروہ کے افراد میں بسا اوقات اختلاف پایا گیا ہے۔

۲۔ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جو دوسروں کے پاس نہ ہو۔ ان میں سے کوئی گروہ اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں ہے کہ ہمارے قیاسات دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہیں۔ مگر اپنے قیاسات کا قیاسات ہونا سب کو تسلیم ہے۔

۳۔ اپنے قیاسات پر ان کا اعتقاد، ایمان و یقین اور غیر متزلزل وثوق کی حد تک نہیں پہنچا ہے۔ ان میں تبدیل رائے کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ ان میں کا ایک شخص کل تک جس نظریہ کو پورے زور کے ساتھ پیش کر رہا تھا، آج خود اسی نے اپنے پچھلے نظریہ کی تردید کر دی اور ایک دوسرا نظریہ پیش کر دیا۔ عمر، عقل، علم اور تجربے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اکثر ان کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔

۴۔ مدعیوں کی تکذیب کے لئے ان کے پاس بجز اس کے اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے

اپنی صداقت کا کوئی یقینی ثبوت نہیں پیش کیا۔ انہوں نے وہ مخفی تار ہم کو نہیں دکھائے جن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ قمقموں اور پنکھوں وغیرہ کا تعلق انہی سے ہے۔ نہ انہوں نے بجلی کا وجود تجربہ یا مشاہدہ سے ثابت کیا، نہ بجلی گھر کی ہمیں سیر کرائی، نہ اس کی کلوں اور مشینوں کا معاینہ کرایا۔ نہ اس کے کارندوں میں سے کسی سے ہماری ملاقات کرائی نہ کبھی انجنیر سے ہم کو ملایا۔ پھر ہم کیسے مان لیں کہ یہ سب کچھ حقائق ہیں؟

مدعیوں کی پوزیشن یہ ہے :-

۱۔ وہ سب آپس میں متفق القول ہیں۔ دعوے کے جتنے بنیادی نکات ہیں ان سب میں ان کے درمیان کامل اتفاق ہے۔

۲۔ ان سب کا متفقہ دعویٰ یہ ہے کہ ہمارے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو عام لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

۳۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم اپنے قیاس یا گمان کی بنا پر ایسا کہتے ہیں، بلکہ سب نے بالاتفاق کہا ہے کہ انجنیر سے ہمارے خاص تعلقات ہیں .... اس کے کارندے ہمارے پاس آتے ہیں، اس نے اپنے کارخانے کی سیر بھی ہم کو کرائی ہے، اور ہم جو کچھ کہتے ہیں علم و یقین کی بنا پر کہتے ہیں، ظن و تخمین کی بنا پر نہیں کہتے۔

۴۔ ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے اپنے بیان میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل کیا ہو۔ ایک ہی بات ہے جو ان میں کا ہر شخص دعوے کے آغاز سے زندگی کے آخری سانس تک کہتا رہا ہے۔

۵۔ ان کی سیرتیں انتہا درجہ کی پاکیزہ ہیں۔ جھوٹ، فریب، مکاری، دغابازی کا کہیں شائبہ تک نہیں ہے اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جو لوگ زندگی کے تمام معاملات میں راست رو اور صادق القول

غلط وہ خاص اسی معاملہ میں بالاتفاق کیوں جھوٹ بولیں۔

۶۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ دعویٰ پیش کرنے سے ان کے پیش نظر کوئی ذاتی فائدہ تھا۔ برعکس اس کے یہ ثابت ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر نے اس دعوے کی خاطر انتہا درجے کے مصائب برداشت کئے ہیں جسمانی تکلیفیں سہیں، قید کئے گئے، مارے اور پیٹے گئے، جلاوطن کئے گئے، بعض قتل کر دیئے گئے، حتیٰ کہ بعض کو آرے سے چیر ڈالا گیا، اور چند کے سوا کسی کو بھی خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی میسر نہ ہوئی۔ لہٰذا کسی ذاتی غرض کا الزام ان پر نہیں لگایا جا سکتا، بلکہ ان کا ایسے حالات میں اپنے دعوے پر قائم رہنا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو اپنی صداقت پر انتہا درجہ کا یقین تھا، ایسا یقین کہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی ان میں سے کوئی اپنے دعوے سے باز نہ آیا۔

۷۔ ان کے متعلق مجنون یا فاتر العقل ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں وہ سب کے سب غایت درجہ دانشمند اور سلیم العقل پائے گئے ہیں۔ ان کے مخالفین نے بھی اکثر ان کی دانشمندی کا لوہا مانا ہے۔ پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ان سب کو اسی خاص معاملہ میں جنون لاحق ہو گیا ہو اور معاملہ بھی کیسا؟ جو ان کے لئے زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہو جس کے لئے انہوں نے دنیا بھر کا مقابلہ کیا ہو، جس کی خاطر وہ سالہا سال دنیا سے لڑتے رہے ہوں، اور جو ان کی ساری عقلانی تعلیمات کا (جن کے عاقلانہ ہونے کا بہت سے مکذبین کو بھی اعتراف ہے) اصل الاصول ہو۔

۸۔ انہوں نے خود بھی یہ نہیں کہا کہ ہم انجنیر یا اس کے کارندوں سے تمہاری ملاقات کرا سکتے ہیں، یا اس کا مخفی کارخانہ تمہیں دکھا سکتے ہیں۔ یا تجربہ اور مشاہدہ سے اپنے دعوے کو ثابت کر سکتے ہیں، وہ خود ان تمام امور کو "غیب" سے تعبیر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم ہم پر اعتبار کرو، اور جو کچھ ہم بتلاتے ہیں اسے مان لو۔

فریقین کی پوزیشن اور ان کے بیانات پر غور کرنے کے بعد عقل کی عدالت اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ چند خارجی مظاہر و آثار کو دیکھ کر ان کے باطنی اسباب و علل کی جستجو دونوں فریق نے کی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ بادی النظر میں سب کے نظریات اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ اولاً ان میں سے کسی میں استحالۂ عقلی نہیں ہے یعنی قوانین عقلی کے لحاظ سے کسی نظریہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا صحیح ہونا غیر ممکن ہے، اور ثانیاً ان میں سے کسی کی صحت تجربے یا مشاہدے سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ نہ فریق اول میں سے کوئی گروہ اپنے نظریات کا کوئی ایسا سائینٹفک ثبوت دے سکتا ہے جو ہر شخص کو یقین کرنے پر مجبور کر دے، اور نہ فریق ثانی اس پر قادر یا اس کا مدعی ہے لیکن مزید غور و تحقیق کے بعد چند امور ایسے نظر آتے ہیں جن کی بنا پر تمام نظریات میں سے فریق ثانی کا نظریہ قابل ترجیح قرار پاتا ہے۔

اولاً کسی نظریہ کی تائید اتنے کثیر التعداد، عاقل، پاک سیرت، صادق القول آدمیوں نے متفق ہو کر اتنی قوت اور اتنے یقین و ایمان کے ساتھ نہیں کی ہے۔

ثانیاً، ایسے پاکیزہ کیرکٹر اور اتنے کثیر التعداد لوگوں کا مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں اس دعوے پر متفق ہو جانا کہ ان سب کے پاس ایک غیر معمولی ذریعہ علم ہے، اور ان سب نے اس ذریعہ سے خارجی مظاہر کے باطنی اسباب کو معلوم کیا ہے، ہم کو اس دعوی کی تصدیق پر مائل کر دیتا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ اپنی معلومات کے متعلق ان کے بیانات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو معلومات انہوں نے بیان کی ہیں ان میں کوئی استحالۂ عقلی نہیں ہے، اور نہ یہ بات قوانین عقلی کی بنا پر محال قرار دی جاتی ہے کہ بعض انسانوں میں کچھ ایسی غیر معمولی قوتیں ہوں جو عام طور پر دوسرے انسانوں میں نہ پائی جاتی ہوں۔

ثالثاً خارجی مظاہر کی حالت پر غور کرنے سے بھی اغلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ فریق ثانی کا نظریہ صحیح ہو۔ اس لئے کہ قمقمے، پنکھے، گاڑیاں، کارخانے وغیرہ نہ تو آپ سے آپ روشن اور متحرک

کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان کا روشن اور متحرک ہونا ان کے اپنے اختیار میں ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے نہ ان کی روشنی وحرکت ان کے مادۂ جسمی کی ترکیب کا نتیجہ ہے، کیونکہ جب وہ متحرک اور روشن نہیں ہوتے اس وقت بھی یہی ترکیب جسمی موجود رہتی ہے، اور نہ ان کا الگ الگ قوتوں کے زیر اثر ہونا صحیح ہے، کیونکہ بسا اوقات جب قمقموں میں روشنی نہیں ہوتی تو پنکھے بھی بند ہوتے ہیں۔ تمام کارخانے بھی موقوف ہوجاتی ہیں اور کارخانے بھی نہیں چلتے۔ لہذا خارجی مظاہر کی توجیہ میں فریق اول کی طرف سے جتنے نظریات پیش کئے گئے ہیں وہ سب بعید از عقل وقیاس ہیں۔ زیادہ صحیح یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان تمام مظاہر میں کوئی ایک قوت کارفرما ہو اور اس کا سررشتہ کسی ایسے حکیم کے ہاتھ میں ہو جو ایک مقرر نظام کے تحت اس قوت کو مختلف مظاہر میں صرف کر رہا ہو۔

باقی رہا منکرین کا یہ قول کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اور جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے اس کی تصدیق یا تکذیب ہم نہیں کرسکتے، تو حاکم عقل اس کو بھی درست نہیں سمجھتا۔ کیونکہ کسی واقعہ کا واقعہ ہونا اس کا محتاج نہیں ہے کہ وہ سننے والوں کی سمجھ میں بھی آجائے۔ اس کے وقوع کو تسلیم کرنے کے لئے معتبر اور متواتر شہادت کافی ہے۔ اگر ہم سے چند معتبر آدمی آکر یہ کہیں کہ ہم نے زمین مغرب میں آدمیوں کو لوہے کی گاڑیوں پر بیٹھ کر ہوا پر اڑتے دیکھا ہے، اور ہم اپنے کانوں سے لندن میں بیٹھ کر امریکہ کا گانا سن آئے ہیں، تو ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ یہ لوگ جھوٹے اور مسخرے تو نہیں ہیں؟ ایسا بیان کرنے میں ان کی کوئی ذاتی غرض تو نہیں ہے؟ ان کے دماغ میں کوئی فتور تو نہیں ہے؟ اگر ثابت ہوگیا کہ وہ نہ جھوٹے ہیں، نہ مسخرے، نہ دیوانے، نہ ان کا کوئی ذاتی مفاد اس روایت کی اشاعت سے وابستہ ہے، اور اگر ہم نے دیکھا کہ اس کو بلا اختلاف بہت سے سچے اور عقلمند لوگ پوری سنجیدگی کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، تو ہم یقیناً اس کو تسلیم کرلیں گے۔ خواہ لوہے کی گاڑیوں کا ہوا پر اڑنا اور کسی مادی واسطہ کے بغیر ایک جگہ کا گانا کئی ہزار میل کے فاصلہ پر

سنائی دنیا کسی طرح ہماری سمجھ میں نہ آتا ہو۔

یہ اس معاملہ میں عقل کا فیصلہ ہے۔ مگر تصدیق و یقین کی کیفیت جس کا نام "ایمان" ہے اس سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لئے وجدان کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے دل کے ٹھک جانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اندر سے ایک آواز آئے۔ جو تکذیب شک اور تذبذب کی تمام کیفیتوں کا خاتمہ کر دے، اور صاف کہدے کہ لوگوں کی ساری قیاس آرائیاں باطل ہیں۔ سچ وہی ہے جو سچے لوگوں نے قیاس سے نہیں علم و بصیرت کی رو سے بیان کیا ہے۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۸)

(ایمان)

ایمان کی حقیقت شخصی کردار میں اس کی بنیادی اہمیت، اور اجتماعی تہذیب میں اس کی اساسی حیثیت آپکو معلوم ہو چکی ہے، آپ دیکھئے کہ اسلام نے کن چیزوں پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے؟ اس کے ایمانیات عقلی تنقید کے معیار پر کس حد تک پورے اترتے ہیں؟ اس کے نظام میں ایمان کی حیثیت کیا ہے؟ اور انسان کے شخصی کردار، اور اجتماعی سیرت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

اسلام کے ایمانیات قرآن مجید میں اسلام کے ایمانیات اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ ان میں کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے مگر جن لوگوں نے قرآن کے اسلوب بیان کو نہیں سمجھا ہے، یا اس کے مضامین کا احاطہ نہیں کیا ہے، ان کو چند در چند غلط فہمیاں ہو گئی ہیں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ کہیں وہ تمام ایمانیات کو یکجا بیان کرتا ہے، اور کہیں موقع و محل کے لحاظ سے بعض اجزا یا صرف ایک جز بیان کر کے اسی پر زور دیتا ہے۔ اس سے لوگ یہ سمجھے کہ اسلام کے ایمانیات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے یعنی ان میں سے کسی ایک یا بعض پر ایمان لو ناکافی ہے اور بعض کے انکار کرنے کے باوجود انسان فلاح پا سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کا ناطق فیصلہ یہ ہے کہ جتنے امور اس نے ایمانیات کے طور پر پیش کئے ہیں ان سب کو ماننا ضروری ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سب ملکر ایک ناقابل تجزیہ و تحلیل کل بناتے ہیں، جس کو من حیث المجموع تسلیم کرنا چاہئے۔ اگر ان میں سے ایک کا بھی انکار کیا گیا تو وہ باقی سب کے اقرار کو باطل کر دے گا۔

قرآن میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ
(۴۱ : ۳۰)

اس آیت میں صرف خدا پر ایمان لانے کا ذکر ہے اور اسی پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

دوسری جگہ خدا کے ساتھ یوم آخر کا بھی ذکر ہے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۲: ۸) یہی مضمون آل عمران (۱۲) مائدہ (۱۰) اور رعد (۳) میں بھی ہے۔

تیسری جگہ خدا اور رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۴: ۱۸) یہی مضمون حدید (۲) میں بھی ہے۔

ایک اور جگہ ایمان دار اس شخص کو کہا گیا ہے۔ جو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۲۴: ۹) محمد (۴) جن (۲) اور اعلیٰ (۱) میں اسی مضمون کا اعادہ ہے۔

ایک جگہ خدا، محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن تین چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (۶۴: ۱)

ایک جگہ خدا کتب الٰہی، قرآن اور یوم آخر، چار چیزوں کا ذکر ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ...... وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۴: ۲۲)۔

ایک اور جگہ خدا، ملائکہ انبیاء اور قرآن کے انکار کو کفر و فسق قرار دیا گیا ہے مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (۲: ۱۲)۔

ایک جگہ اللہ، ملائکہ، کتب الٰہی، انبیاء اور قرآن پر ایمان لانے والوں کو مومن کہا گیا ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (۲: ۴۰)۔

دوسری جگہ ایمان کے پانچ اجزا بیان کئے گئے ہیں۔ ایمان باللہ و یوم آخر۔ و ملائکہ و کتب الٰہی و انبیاء۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ......
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۲۲)۔

سورہ النساء میں مذکورۂ بالا پانچ کے ساتھ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر بھی ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کا انکار کرنے والے کو کافر اور گمراہ قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو رکوع ۲۰)

ایک جگہ صرف یوم آخر کے اقرار پر زور دیا گیا ہے اور اس کے انکار کو نامرادی کا سبب بتلایا ہے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ (۶: ۴) اسی مضمون کا اعادہ اعراف (۱۷) یونس (۱) فرقان (۲) نمل (۱) صافات (۱) میں ہے۔

دوسری جگہ یوم آخر کے ساتھ کتب الٰہی کے انکار کو بھی عذاب الیم کا موجب قرار دیا گیا ہے
اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ (۷۸: ۱)۔

تیسری جگہ یوم آخر اور کتب الٰہی کے ساتھ قرآن کو بھی ایمانیات میں شامل کیا گیا ہے۔
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۱)

چوتھے مقام پر کہا گیا ہے کہ یوم آخر، کتب الٰہی اور انبیا کے انکار سے تمام اعمال پر پانی پھر جاتا ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہے اور اس کے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ (۱۸: ۱۲)۔

کتب الٰہی پر ایمان لانے کا اوپر بار بار ذکر آیا ہے، اور ان میں سے تورات، انجیل، زبور، اور صحف ابراہیم کے نام تصریح کے ساتھ لئے گئے ہیں۔ مگر قرآن میں بیسیوں مقامات پر بھی صاف کہدیا گیا ہے کہ ان کتابوں کا ماننا ہرگز کافی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ قرآن کا ماننا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تمام کتابوں کو مانتا ہو اور قرآن کو نہ مانتا ہو، تو وہ اسی طرح کافر ہے جس طرح تمام کتابوں کا انکار

کرنے والا ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (۱۱-۱۲-۱۴-۱۶) نساء (۷) مائدہ (۲-۱۰) رعد (۳) عنکبوت (۵) زمر (۱)
بھی نہیں بلکہ خدا کی بھیجی ہوئی ہر کتاب کو پورا کا پورا ماننا لازم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی بعض باتوں کو مانے
اور بعض کو نہ مانے تو وہ بھی کافر ہے۔ (۲:۱۰)

اسی طرح انبیا کے متعلق تصریح ہے کہ ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے جن کے نام لئے گئے ہیں
ان پر تفصیلاً اور جن کے نام نہیں ہیں ان پر اجمالاً۔ لیکن اگر کوئی شخص تمام انبیا پر ایمان رکھتا ہو اور حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔ قرآن میں ایک جگہ نہیں بیسیوں مقامات پر اس
کی تصریح کی گئی ہے۔ اور تمام انبیا کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کو ایمان کی لازمی شرط
قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (۱۴) نساء (۲۳) مائدہ (۳-۱۱) انعام (۱۹) اعراف (۱۹-۲۰) انفال
(۳) مومنون (۴) شوریٰ (۵) محمد (۱) طلاق (۲) ان میں سے اکثر آیات ایسی ہیں جن میں حضرت موسیٰ
اور حضرت عیسیٰ کی امتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جب
تم قرآن اور محمد صلعم پر ایمان نہ لاؤ تم کو ہدایت نہیں مل سکتی۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ایمانیات پانچ ہیں (۱) خدا (۲) ملائکہ (۳) کتب آلہی
جن میں قرآن بھی شامل ہے (۴) انبیا جنہیں رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں (۵) یوم آخر یعنی
قیامت۔ یہ اجمال ہے آگے چل کر بتایا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی عقیدہ کیا ہے؟ ان
میں باہم کیا تعلق ہے جس کی وجہ سے ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا، اور ایک کے انکار سے سب کا انکار لازم
آتا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کو ایمانیات میں داخل کرنے کا فائدہ کیا ہے؟

عقلی تنقید یہ پانچوں ایمانیات، امور غیب کے قبیل سے ہیں، اور عالم آب و گل سے ماورا،
اس لئے ہماری تقسیم کے مطابق یہ مذہبی و روحانی ایمانیات ہیں لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے
ان پر اپنے روحانی نظام ہی کی نہیں بلکہ اخلاقی سیاسی اور تمدنی نظام کی بنیاد بھی رکھی ہے۔ اس نے ان

اور ان دونوں کو باہم ملا کر ایک ایسا نظام وضع کیا ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے تمام شعبے حرکت کرتے ہیں، اور اس نظام کو اپنے قیام و بقا اور اپنے تصرفات کے لئے جتنی طاقت کی ضرورت ہے وہ سب انہی پانچوں ایمانیات سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے لئے قوت کا ایک لامتناہی سرچشمہ ہیں جس کی رسد کبھی بند نہیں ہوتی۔ اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ جن ایمانیات سے اتنا بڑا کام لیا گیا ہے۔ وہ عقلی حیثیت سے کیا پایہ رکھتے ہیں؟ اور ان میں کسی ایسے ہمہ گیر اور ترقی پذیر نظام کے لئے اساس اور منبع قوت بننے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے؟

اس سوال کی تحقیق میں قدم آگے بڑھانے سے پہلے ہم کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھنی چاہتا ہے جو صحیح معنوں میں انسانی تہذیب ہو۔ یعنی اس کا تعلق کسی خاص ملک، یا نسل کے لوگوں سے نہ ہو، نہ کوئی مخصوص رنگ رکھنے والی یا مخصوص زبان بولنے والی قوم اس کے ساتھ اختصاص رکھتی ہو۔ بلکہ تمام نوع انسانی کی فلاح اس کی مقصود ہو۔ اور اس کے زیر اثر ایک ایسا نظام اجتماعی قائم ہو سکے جس میں ہر اس چیز کو پرورش کیا جائے جو انسان کے لئے بحیثیت انسان ہونے کے خیر و صلاح ہے اور ہر اس چیز کو مٹایا جائے جو اس کے لئے شر اور فساد ہے، ایسی ایک خالص انسانی تہذیب کی بنیاد ان ایمانیات پر نہیں رکھی جا سکتی جو عالم آب و گل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لئے کہ مادیات اور محسوسات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو وہ ایسے ہیں جن کے ساتھ تمام انسانوں کا تعلق یکساں ہے، مثلاً سورج، چاند، زمین، ہوا، روشنی وغیرہ۔ یا ایسے ہیں جن کے ساتھ تمام انسانوں کا تعلق یکساں نہیں ہے، مثلاً وطن، نسل، رنگ، زبان وغیرہ۔ پہلی قسم کی چیزوں میں تو ایمانیات بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، کیونکہ ان کے نفس وجود پر ایمان لانا تو محض بے معنی ہے، اور ان پر اس حیثیت سے ایمان لانا کہ وہ انسان کی صلاح میں کوئی اختیاری تاثیر رکھتے ہیں۔ از روئے علم و عقل غلط ہے۔ علاوہ بریں ان پر کسی حیثیت سے بھی ایمان لانے کا کوئی نفع انسان کی روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی میں مترتب نہیں ہوتا۔ رہیں دوسری قسم کی چیزیں، تو یہ ظاہر ہے کہ وہ ایک مشترک انسانی تہذیب کے لئے اساس نہیں بن سکتیں، کیونکہ وہ بنائے تفریق و

تقسیم ہیں، نہ کہ بنائے جمع و تالیف۔ لہٰذا یہ قطعاً ناگزیر ہے کہ اس قسم کی تہذیب کی بنیاد ایسے ایمانیات پر رکھی جائے جو مادیات و حسیات سے ماوراء ہوں۔

لیکن ان کا محض مادیات و حسیات سے ماوراء ہونا ہی کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ ضرورت ہے کہ ان میں چند اور خصوصیات بھی پائی جائیں۔

۱۔ وہ خرافات اور اوہام نہ ہوں بلکہ ایسے امور ہوں جن کی تصدیق پر عقل سلیم مائل ہو سکتی ہو۔

۲۔ وہ دور از کار باتیں نہ ہوں بلکہ ہماری زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہو۔

۳۔ ان میں ایسی معنوی قوت ہو جس سے تہذیب کا نظام، انسان کے قوائے فکر و عمل پر تسلط قائم کرنے میں پوری طرح مدد حاصل کر سکے۔

اس لحاظ سے جب ہم اسلام کے ایمانیات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تینوں آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں۔

اولاً اسلام نے خدا، ملائکہ، وحی، رسالت اور یوم آخر کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں کوئی استحالۂ عقلی نہیں ہے، اس کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا صحیح ہونا غیر ممکن ہو، نہ کوئی ایسی بات ہے جس کو ماننے سے عقل سلیم انکار کرتی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عقل ان کا احاطہ نہیں کر سکتی ان کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی، ان کی حقیقتوں کو کماحقہٗ نہیں سمجھ سکتی، لیکن ہمارے اہل علم و حکمت نے اب تک جتنے غیر مرئیات و مفارقات کی تصدیق کی ہے ان سب کا یہی حال ہے۔ توانائی (انرجی) حیات، جذب و کشش، نشو و ارتقاء اور ایسے ہی دوسرے امور کی تصدیق ہم نے اس بناء پر نہیں کی ہے کہ ہم انکی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ چکے ہیں، بلکہ اس بناء پر کی ہے کہ ہم نے جن مختلف قسم کے مخصوص آثار کا مشاہدہ کیا ہے ان کی توجیہ و تعلیل کے لئے ہمارے نزدیک ان امور کا موجود ہونا ضروری ہے اور ظواہر اشیاء کے باطنی نظام کے متعلق جو نظریات ہم نے قائم کئے ہیں وہ ان امور کے موجود ہونے کا اقتضاء کرتے ہیں۔ پس اسلام جن موجودات

ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ان کی تصدیق کے لئے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری عقل ان کی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ لے اور ان کا احاطہ کرلے بلکہ اس کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کائنات اور انسان کے متعلق جو نظریہ اسلام نے قائم کیا ہے۔ وہ خلاف عقل نہیں ہے، اس کا صحیح ہونا اغلب ہے اور وہ ان پانچوں امور کے وجود کا مقتضی ہے جو اسلام نے ایمانیات کی طور پر پیش کئے ہیں۔

اسلام کا نظریہ ہے کہ (۱) کائنات کا نظم ایک قادر مطلق ہستی کا قائم کیا ہوا ہے اور وہی اس کو چلا رہی ہے۔ (۲) اس قادر مطلق ہستی کے ماتحت بے شمار دوسری ہستیاں ہیں جو اس کے احکام کے مطابق اس وسیع کائنات کی تدبیر کر رہی ہیں۔

(۳) انسان کے وجود میں اس کے خالق نے خیر اور شر دونوں کے میلانات رکھے ہیں۔ دانائی اور نادانی، علم اور جہل دونوں کا اس کے اندر اجتماع ہے غلط اور صحیح دونوں طرح کے راستوں پر وہ چل سکتا ہے ان متضاد قوتوں اور متخالف میلانات میں سے جس کا غلبہ ہوتا ہے اسی کی پیروی انسان کرنے لگتا ہے۔ اس تنازع خیر و شر میں خیر کی قوتوں کو مدد پہونچانے اور انسان کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے اس کا خالق خود بنی نوع انسان ہی میں سے ایک بہتر آدمی کو انتخاب کرتا ہے اور اس کو علم صحیح عطا کرکے لوگوں کی ہدایت پر مامور کر دیتا ہے۔ انسان کوئی غیر ذمہ دار اور غیر مسئول ہستی نہیں ہے۔ وہ اپنے تمام اختیاری اعمال کے لئے اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ ایک دن اس کو ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ اور اپنے اعمال کے اچھے برے نتائج دیکھنے ہوں گے۔

یہ نظریہ خدا، ملائکہ، وحی، رسالت اور یوم آخر پانچوں امور کے وجود کا مقتضی ہے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عقلاً محال ہو۔ نہ اس کی کسی چیز کو واہیات و خرافات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے ہم اس پر جس قدر زیادہ غور کرتے ہیں اسی قدر اس کی تصدیق کی جانب ہمارا میلان بڑھتا جاتا ہے۔ خدا کی حقیقت خواہ ہماری سمجھ میں نہ آئے، مگر اس کا وجود تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ ایک

یسی ضرورت ہے جس کے بغیر کائنات کا معما کسی طرح حل نہیں ہوتا۔ ملائکہ کے وجود کی کیفیت ہم متعین نہیں کر سکتے مگر ان کے نفس وجود میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ تمام اہل علم و حکمت نے ان کی ہستی کو کسی نہ کسی طور پر تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ وہ ان کو اس نام سے یاد نہیں کرتے جس سے قرآن انہیں موسوم کرتا ہے۔ قیامت کا آنا اور ایک نہ ایک دن دنیا کے نظام کا درہم برہم ہو جانا عقلی قیاسات کی رو سے اغلب بلکہ قریب بیقین ہے البتہ انسان کا اپنے خدا کے آگے جواب دہ ہونا، اور اپنے اعمال کے لئے متوجب جزا و سزا ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر عقل سلیم اس حد تک تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ انسان کی موت اور موت کے بعد کی حالت کے مطابق جتنے نظریے قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ....

بہتر نتیجہ خیز اور اقرب الی القیاس نظریہ وہی ہے جو اسلام نے قائم کیا ہے۔ رہا وحی اور رسالت کا مسئلہ تو یہ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی سائنٹفک ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا مگر جن کتابوں کو وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور جن لوگوں کو خدا کا رسول کہا گیا ہے، ان کے معانی اور ان کی سیرتوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نوع انسانی کے افکار و اعمال پر ان کے برابر گہرے، وسیع، پائدار اور مفید اثرات کسی کتاب اور کسی رہنما نے نہیں ڈالے۔ یہ بات اس امر کا یقین کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان میں کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی جو نہ انسانی تصنیفات کو نصیب ہے۔ اور نہ معمولی انسانی لیڈروں کو۔

اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ایمانیات عقل کے خلاف نہیں ہیں عقل کے پاس ان کی تکذیب کے لئے کسی قسم کا مواد نہیں ہے۔ ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ علمی اور عقلی ارتقاء کے کسی مرتبہ پر پہنچ کر انسان ان کو رد کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ بلکہ اس کے برعکس عقل ان کی اغلبیت کا حکم لگاتی ہے۔ رہا ایمان اور تصدیق کا معاملہ، تو اس کا تعلق عقل سے نہیں ہے، وجدان و ضمیر سے ہے۔ ہم جتنے مجردات (در غیبیات کو مانتے ہیں، ان سب کی تصدیق دراصل ہمارے وجدان پر مبنی ہوتی ہے، اگر کسی امر غیب کو ہم نہ ماننا چاہیں، یا ہمارا دل اس پر نہ ٹھکتا ہو، تو کسی عقلی دلیل سے

ہم کو اس کی تصدیق پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر ایتھر کے وجود پر جتنے دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو یقینی طور پر اس کو ثابت کر دیتا ہو، اور اس کی صحت میں شک کی گنجائش نہ چھوڑتا ہو انہیں دلائل کو دیکھ کر بعض اہل حکمت اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور انہیں کو بعض دوسرے حکما ناکافی سمجھ کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پس تصدیق و ایمان کا انحصار در اصل ضمیر کے اطمینان اور وجدان کی گواہی پر ہے البتہ عقل کا اس میں اتنا دخل ضرور ہے کہ جن کی تصدیق عقل کے خلاف ہوتی ہے ان کے بارے میں وجدان اور عقل کے درمیان کشمکش برپا ہوتی ہے اور ایمان ضعیف ہوجاتا ہے۔ اور جن کی تصدیق قیاس عقل کے خلاف نہیں ہوتی، یا جن کی تصدیق میں عقل بھی ایک حد تک مددگار ہوتی ہے، ان کے بارے میں ضمیر کا اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور اس سے ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے

ثانیاً غیبیات میں سے بیشتر امور ایسے ہیں جن کی حیثیت محض علمی ہے یعنی ان سے ہماری عملی زندگی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً جواہر فردہ (Atoms) برقی پارے (Electrons) ایتھر (Ether) ہیولیٰ، صورت مطلقہ، مادہ، فطرت و قانون فطرت، قانون علت و معلول اور ایسے ہی بیسیوں علمی مسلمات یا مفروضات کہ ان کے ماننے یا نہ ماننے کا ہماری زندگی کے معاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اسلام نے جن امور غیب پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے وہ ایسے نہیں ہیں ان کی حیثیت محض علمی ہی نہیں ہے، بلکہ ہماری اخلاقی اور عملی زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہے ان کی تصدیق کو اصل الاصول قرار دینے کی وجہ یہی ہے کہ وہ محض علمی صداقتیں ہی نہیں ہیں، بلکہ ان کا صحیح علم اور ان پر کامل ایمان ہمارے نفسانی اوصاف و خصائل ہمارے شخصی اعمال اور اجتماعی معاملات پر شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

ثالثاً اسلام کے نظام تہذیب کو مختلف عقلی اور علمی مراتب رکھنے والی وسیع انسانی آبادیوں کی زندگی کے مختلف اور جزئی سے جزئی شعبوں تک میں اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی گرفت مضبوط

رکھنے کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ صرف انہی ایمانیات سے حاصل ہو سکتی ہے جن کی تصدیق کا اسلام نے مطالبہ کیا ہے۔ یہ یقین کہ ایک سمیع و بصیر، قاہر و غالب اور رؤف و رحیم خدا ہمارے اوپر نگران ہے۔ اس کے بیشمار لشکر ہر جگہ ہر آن موجود ہیں۔ پیغمبر اسی کا بھیجا ہوا ہے۔ جو احکام اس نے ہم کو دئے ہیں اس نے خود نہیں گھڑے ہیں۔ بلکہ سب کے سب خدا کی طرف سے ہیں، اور اپنی اطاعت یا سرکشی کا اچھا یا برا نتیجہ ہم کو ضرور دیکھنا پڑے گا۔ اپنے اندر وہ زبردست اور ہمہ گیر طاقت رکھتا ہے جو اس کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ مادی طاقتیں صرف جسم کو جکڑ سکتی ہیں۔ تربیت اور تعلیم کے اخلاقی اثرات انسانی سوسائٹی کے صرف اعلیٰ طبقوں تک پہنچ سکتے ہیں، قانون صرف وہاں کام کر سکتا ہے جہاں اس کے کارندوں کی پہنچ ہو، مگر یہ وہ قوت ہے جو دل اور روح پر قبضہ کرتی ہے، عوام اور خواص، جاہل اور عالم، دانشمند اور بے دانش، سبھی کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ جنگل کی تنہائیوں اور رات کی تاریکیوں تک میں اپنا کام کرتی ہے، جہاں گناہ سے روکنے والا، اس پر ملامت کرنے والا حتی کہ اس کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ وہاں خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، پیغمبر کی دی ہوئی تعلیم کے برحق ہونے کا یقین، قیامت کی باز پرس کا یقین، وہ کام کرتا ہے جو نہ کوئی پولیس کا سپاہی کر سکتا ہے، نہ عدالت کا حاکم، نہ پروفیسر کی تعلیم۔ پھر جس طرح اس یقین نے معمورۂ ارضی پر پھیلے ہوئے بیشمار مختلف و متضاد انسانی عناصر کو جمع کیا، ان کو ملا کر ایک قوم بنایا، ان کے تخیلات، اعمال اور اطوار میں غایت درجہ کی یکجہتی پیدا کی، ان کے اندر اختلاف ظروف و احوال کے باوجود ایک تہذیب پھیلائی، اور ان میں ایک اعلیٰ مقصد کے لئے فداکاری کی والہانہ روح پھونکی اس کی مثال کہیں ڈھونڈے نہیں مل سکتی (باقی)

یورپ کی تباہی کے اسباب

از

جناب ذوقی شاہ صاحب

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا
فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ
فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا
لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى
الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ
يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ
مَثَلُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ
سَآءَ مَثَلًا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا
يَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ
فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ

"اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو کہ ہم نے اس کو
اپنی نشانیاں دیں پھر وہ ان سے نکل گیا، پھر شیطان اس کے
پیچھے لگ گیا، سو وہ گمراہوں میں سے ہوگیا اور اگر ہم چاہتے تو
اس کو ان نشانیوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے مگر وہ تو زمین ہی
کا ہوگیا (یعنی دنیا کی جانب ٹوٹ پڑا) اور اپنی خواہش نفسانی کی
پیروی کرنے لگا تو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر
بوجھ لادے تب بھی زبان لٹکا دے (اور ہانپنے لگے) اور
چھوڑ دے جب بھی زبان لٹکا دے (اور ہانپنے لگے) یہی حالت
اس قوم کی بھی ہے جس نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، سو تم اس قصہ کو
انھیں سناؤ تاکہ وہ کچھ غور و فکر کریں۔ اس قوم کی حالت
بُری ہے جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتی ہے اور اپنی اس حرکت
سے وہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جس کو اللہ
ہدایت کرے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ

فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا
مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ
لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا
يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝
× × × × وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
وَأُمْلِيْ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ أَوَ
لَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ
جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ أَوَ
لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
وَّأَنْ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ
أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ ۝
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝
(الاعراف - رکوع ۲۲-۲۳)

کہ وہ خسارہ میں رہا۔ اور البتہ تحقیق ہم نے دوزخ
کے لئے۔ بہت سے جن اور انسان پیدا کئے
کئے۔ جن کے دل ہیں
گر ان سے وہ سمجھتے نہیں، اور جن کی آنکھیں ہیں گر وہ
ان سے دیکھتے نہیں، اور جن کے کان ہیں گر وہ ان
سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی
زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ غافل ہیں × × × × × ×
اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں ہم تدریج
ان کو اس طرح لئے جاتے ہیں کہ انھیں خبر بھی نہیں
ہونے پاتی اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں (اگر) میری
تدبیر نہایت مضبوط ہے۔ کیا وہ لوگ غور نہیں کرتے
کہ (پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی اچھی تعلیم دی
اور ایسی اچھی تعلیم دینے والے) صاحب میں ناممکن
ہے کہ ذرا سا بھی جنون ہو۔ بلکہ وہ تو صاف صاف
(بری باتوں کے نتائج بد سے) ڈرانے والے ہیں۔ کیا
وہ لوگ اس بادشاہت پر بھی نظر نہیں ڈالتے (اور
غور نہیں کرتے) جو آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی
ہے اور جو ہر اس چیز پر حکمران ہے جو اللہ تعالیٰ نے
پیدا کی، اور کیا اس بات کا امکان بھی ان کے ذہن میں نہیں آتا کہ ان کی اجل ہی قریب آگئی ہو۔

پھر اس کے ماورلے یہ لوگ اب کس بات پر ایمان لاویں گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ ایسوں کو بوجہ ان کی سرکشی کے وہ گمراہی میں بھٹکتا اور سرگردان چھوڑ دیتا ہے"

تمدن جدید کی اس ہوش اڑا دینے والی روشنی میں، تہذیب و شائستگی کے طول طویل دعووں کی اس بلند آہنگی میں، سائنس اور حکمت کے اس نظر فریب دور میں امن و امان کا چیخ چیخ کر کلمہ پڑھنے والی اس بیسویں صدی میں یورپ کی سنہ ۱۹۱۴ء والی خونخوار اور خوفناک جنگ کیسے وقوع میں آگئی جو اپنی خونخواری میں اپنی نظیر آپ ہی ہے اور جس کے تباہ کن اثرات سے ساری دنیا چیخ اٹھی؟ سمندر میں آگ لگائی گئی، خشکی پر موت برسائی گئی، خدا کی پیدا کردہ پاک صاف حیات بخش حیات پر ور ہوا زہر سے بجھائی گئی۔ آب دوز کشتیوں نے مچھلیوں تک کو چین نہ لینے دیا، توپوں اور ہوائی جہازوں نے چرند پرند اور کیڑوں کوڑوں تک کو آرام نہ کرنے دیا۔ کمزور عورتیں اور معصوم بچے تباہ ہوگئے۔ بے گناہ انسان کثیر تعداد میں فنا کی وادی میں ڈھکیل دیے گئے، اندھوں لولوں لنگڑوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ بلکہ کا روپیہ بجائے امور منفعت عامہ میں صرف ہونے کے کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کی مقدار میں گولی بارود میں پھونک دیا گیا، زہریلی گیس میں اڑا دیا گیا۔ اللہ کی زمین کو ویران کیا گیا۔ دنیا کو مفلس و نادار و مصیبت زدہ بنا دیا گیا۔ یہ سب کچھ آخر کیوں ہوا اور تہذیب و شائستگی کے نام پر جدید اور انوکھے معنی کا یہ لباس کس اٹل ضرورت کی بنا پر پہنایا گیا؟ پھر میدان جنگ کی ہیبت ناک خونریزیوں کے ختم ہوتے ہی دنیا میں چاروں طرف اقتصادی اور تجارتی جنگ کی گرم بازاری کیوں شروع ہوگئی اور دنیا کو چین لینے اور چین سے بیٹھنے کا موقع کیوں اب تک نہ مل سکا؟ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جو قابل استفسار رہے یہ ہے کہ مغربی دنیا نے اس جنگ سے اب تک کماحقہ کوئی مفید سبق کیوں نہ حاصل کیا اور چپکے چپکے ایک دوسری جنگ کی تیاریاں کیوں عمل میں آرہی ہیں جو پہلی جنگ سے بھی بہت زیادہ خونخوار اور بھیانک ثابت ہونے کی دھمکی دے رہی ہے؟

یہ سچ ہے کہ لڑائیاں اس دنیا میں پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ لوٹ مار اور کشت وخون کی نوبت
پہلے بھی بارہا آچکی ہے، زمین کے محدود حصوں کے عارضی حکمران پہلے بھی آپس میں سر ٹکرا چکے ہیں۔
مگر اے یورپ کے باشندو! اور اے یورپ کے باشندے ہونے پر فخر کرنے والو! وہ زمانہ تو نسا ترقی یافتہ
نہ تھا ترقی یافتہ کہ تم اپنے زمانہ کو قرار دیتے ہو وہ لوگ تو تمہارے نزدیک وحشی یا نیم وحشی تھے۔ ان کا تمدن
تو تمہاری نگاہ میں بہت گرا ہوا تھا۔ تم اپنے نزدیک اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ، اعلیٰ درجہ کا ترقی یافتہ، اعلیٰ درجہ کا
حریت پسند، آزادی کا عاشق، امن و امان کا دلدادہ، منصف مزاج، انصاف پرور، مساوات کا حامی، جمہوریت
پر شیدا، اور خون ناحق کا دشمن سمجھتے ہو۔ تم کیوں جنگ کے وحشیانہ گڑھے میں کود پڑے؟ تم نے کیوں اپنے سائنس کے
بل بوتے پر اپنے سائنٹفک آلات کی مدد سے (جن کو تم نے بقول خود خلق کی نفع رسانی کے لئے ایجاد کیا تھا) انسانی
خون کی وہ ندیاں بہائیں جنہیں دیکھ کر تاریخ گذشتہ کے خونیں اوراق زرد پڑ گئے؟ تمہیں تو اپنی علمی ترقی پر
وہ ناز ہے کہ تم اپنے لئے مذہب کی ضرورت ہی کو تسلیم نہیں کرتے خدا کی رہنمائی ہی کو ضروری قرار نہیں
دیتے۔ خدا کے وجود تک کے منکر ہو۔ یا کم از کم ذات باری کی ہستی کے متعلق شک و شبہ میں گرفتار ہو تمہارے
نزدیک مذہب ایک ڈھکوسلہ ہے، خبط ہے، توہم پرستی ہے۔ صرف نیم وحشی اقوام کو ڈرا دھمکا کر سیدھا
رکھنے کا ایک بہانہ ہے۔ تم اپنی ہستی کو اس درجہ برتر سمجھتے ہو کہ مذہب کی ضرورت سے تم نے اپنے کو مستغنی قرار
دے رکھا ہے۔ مذہب اور صحیح معنوں میں روحانیت سے تم کو نفرت ہے، اور باوجود ان عقل پروری جیسی
بے تعلقی کے تم اپنے کو عقلمند سمجھتے ہو۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ عقل ایک روحانی چیز ہے جسمانیت اور
مادیت سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ ایک مٹی کی مورت بناؤ۔ اینٹ چونے پتھر کا ایک بت تیار کر و یا فولاد
کا ایک مجسمہ بنا کر کھڑا کر دو اور کل پرزے لگا کر اسے متحرک کر دو۔ برقی قوت اور مشینوں کے ذریعے
ہاتھ پیروں سے کام لینا شروع کر دو۔ گراموفونی پرزے اس کے پیٹ میں لگا کر اسے بولتے ہوئے آدمی
کے مشابہ بھی کیوں نہ کسی حد تک بنا دو۔ یہ سب کچھ تم کر گذرو گے۔ مگر اس میں عقل انسانی کسی طرح نہ پیدا

تمہارا سائنس اور تمہاری ترقیاں اور تمہارا تمدن تو آجکل اچھے خاصے انسانوں کو بے عقل گراوقات کی پابند
ور ڈسپلین کی پابند مشینیں بنا رہا ہے تم بھلا ایک مشین کو عاقل بالغ انسان کیا بنا سکو گے۔

عقل کے حکم سے تو ابتک تمہیں سابقہ ہی نہیں پڑا۔ یہ سچ ہے کہ ان بے حس گر با حرکت مشینوں کے بنانے میں
تمہیں کسی قدر عقل ضرور خرچ کرنی پڑتی ہے اور نہ صرف وہ تھوڑی سی عقل جو تم دکھتے ہو بلکہ تمہارا اس دنیا میں
زندہ ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تم میں بھی روح ہے اور تم علاوہ اس جسم خاکی کے روح بھی رکھتے ہو،
مگر اس روح کی طرف سے تمہاری بے التفاتی اور اس کے متعلق تمہارا جہل اور اسکی اصل غذا سے تمہارا اسے
محروم رکھنا تمہاری عقل کی موجودہ خرابیوں کا باعث ہے گو تم تسلیم نہ کرو مگر عملاً تمکو بھی روح سے ایک تعلق ہے
اگرچہ وہ تعلق نہایت ضعیف و محدود ہے۔ تم کو روح سے بس اتنا ہی واسطہ ہے کہ وہ تمہارے جسم کو زندہ
رکھتی ہے۔ روح کی طرف سے تمہاری بے اعتنائی کے یہی معنی ہیں کہ روح میں عالم ارواح سے متعلق جو
کمالات پیدا کرنے کی صلاحیت ہے ان سے تم بالکل اجنبی ہو۔ مگر جہاں روح کے وہ افعال ہیں جو عالم
بالا سے متعلق ہیں وہاں اس کا ایک فعل یہ بھی ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک تمہارے جسم عنصری کو اس دنیا میں
زندہ رکھتی ہے بس روح کے اسی ایک فعل سے تمہیں عملی تعلق ہے خواہ تم اس تعلق کو خیال میں نہ لاؤ اور
اس کا اعتراف نہ کرو، اور اس معنی میں باوجود نہ جاننے اور نہ ماننے کے روح سے تمہارا ایک محدود تعلق ہے
جس قدر روح سے تمہارا تعلق محدود ہے اسی قدر تمہاری عقل کا فعل بھی محدود ہے۔ اور جس قدر تم
اپنی عقل کے فعل کو محدود کرتے جاتے ہو اسی قدر تمہاری عقل سکڑتی جاتی ہے۔ سائنس اور آرٹس میں
جو ترقیاں تم کر رہے ہو وہ عقل کی محدودیت ہی کا نتیجہ ہیں، اور فوق المادہ اور مابعد الطبیعی امور میں جو
تمہاری نگاہ کام نہیں دیتی وہ بھی تمہاری عقل کی محدودیت کا نتیجہ ہے پچھلی بات کا سمجھ لینا آسان ہے
مگر ممکن ہے کہ پہلی بات کے سمجھنے میں یعنی یہ سمجھنے میں کچھ اشکال پیش آئیں کہ عقل کی محدودیت کا نتیجہ
سائنس اور آرٹس کی ترقی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بات ذرا مزید تفصیل کی محتاج ہے۔

عالم ارواح کے مقابلہ میں عالم اجسام یا عالم مادۂ کثیف نہایت تنگ و تاریک اور نہایت درجہ محدود ہے۔ تم نے اپنے میدان عمل کو مادیت کی چہار دیواری میں محدود کر رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ محدود احاطہ میں محدود قوت خوب کام دیتی ہے۔ ایک معمولی چراغ لو اور رات کے وقت اسے ایک وسیع اور کھلے ہوئے میدان میں رکھدو۔ اس کی روشنی اس میدان میں بالکل کام نہ دیگی۔ وہ چراغ شب تاریک میں اس میدان میں صرف ایک جگنو کی طرح چمکیگا جو باوجود خود روشن ہونے کے میدان کو روشن نہ کر سکے گا۔ مگر اس چراغ کو لاکر کسی چھوٹی سے بند کوٹھڑی میں رکھدو۔ ساری کوٹھری روشن ہوجائے گی۔ میدانوں میں ہزاروں جگنوں شب تاریک میں چمکتے پھرتے ہیں۔ مگر تاریکیٔ شب کو دور نہیں کرسکتے لیکن ایک جگنوں بیٔے کے گھونسلے کو روشن کر دیتا ہے۔

اے ترقی جدید کے متوالو! تمہاری عقل کے جگنوں عالم ارواح کی فضائے بسیط میں کام نہیں دیتے مگر مادیت کے بیٔے کے گھونسلے کو روشن کر دیتے ہیں۔ ہمارے لیمپ کی روشنی اعلیٰ تر مناظر کی سیر میں مصروف ہے۔ وہ بیٔے کے گھونسلے کو بھی باہر سے دکھلا رہی ہے اور اس کے طول و عرض کو بھی بتلا رہی ہے۔ مگر گھونسلے کے اندر جانا نہیں چاہتی۔ اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ ارباب روحانیات نے اگر ہوائی جہاز ایجاد نہیں کئے اور جدید آلاتِ ہلاکت کے ذریعہ خلق اللہ پر موت کی دھواں دھار بارش نہیں کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل و فہم و ادراک میں وہ حضرات تم سے بہت زیادہ بڑے ہوئے نہیں ہیں۔ اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ تمہاری محدود دکمزور اور ناقص عقل تم لوگوں کی صحیح رہنمائی کر رہی ہے۔

تمہارا فہم ناقص جس ترقی پر ناز کر رہا ہے اور تمہارے کوتاہ اندیش مشرقی مقلد جس ترقی کی نقل اوتارنا اپنا معراج سمجھتے ہیں، اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ ترقی بنی نوع انسان کے لئے مصیبت عظیم ثابت ہو رہی ہے۔

تمہارے تمدن نے مشکلات زندگی کو بڑھا دیا۔ کشمکش ہستی کو سخت کر دیا۔ تنازع للبقاء کو بہت زیادہ

یعنی تمہارے ممالک میں ایک طرف انتہا درجہ کا تمول انتہا درجہ کی خودغرضی کے ساتھ، اور انتہا درجہ کی وحشیانہ قوت انتہا درجہ کی رعونت و خود پرستی کے ساتھ اپنے غلبہ کے نشہ میں سرشار ہے، تو اس کے ساتھ ہی ملحق اسی کے سایہ میں دوسری طرف انتہا درجہ کا افلاس انتہا درجہ کی مصیبت بے بسی اور کس مپرسی کی اعضا شکنی میں مبتلا ہو کر پہلے حسرت و تمنا کے ساتھ دولت کا منہ تکتا ہے، پھر مایوس ہوتا ہے، پھر مجبور ہو کر نہایت خونخوار بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تمہارے دولتمند چین سے بیٹھنے پاتے ہیں، نہ تمہارے مفلس اور مزدوری پیشہ لوگ صبر و قناعت کی دولت سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ معیار زندگی تم نے بلا وجہ اور بلا ضرورت اس قدر بڑھا دیا ہے، ضرورت زندگی میں اس درجہ لایعنی اضافہ کر دیا ہے، فضول خرچیوں کو اپنی کوتاہ نظری سے لوازمات زندگی میں شامل کر لیا ہے کہ اب امراء کے لئے اپنی وجاہت کا برقرار رکھنا اور غرباء کے لئے اپنی ہستی کا قائم رکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ مصنوعات میں زیادتی ہے مگر تجارت میں انحطاط۔ بازاروں میں مال کی کثرت ہے مگر خریداروں کی قلت۔ تم اپنے اُن ہی پرانے غلط اصولوں پر قائم رہ کر نئی نئی تجویزیں سوچتے ہو، نئے نئے اعلانات شائع کرتے ہو، اپنی رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے نئے نئے وعدے کرتے ہو، سکہ کی قیمتوں میں اپنی مصلحتوں کی بنا پر کتر بیونت کرتے رہتے ہو، چند وقتی عارضی اور سطحی نتائج پر اپنے دل کو طفل تسلی دے لیتے ہو، مگر واقعات کی دنیا میں کوئی تسلی بخش اور اطمینان پیدا کرنے والی تبدیلی نہیں واقع ہوتی۔

ہمسایہ ممالک کے باہمی مناقشات رشک حسد اور کینہ کی آنچ میں گرم ہو کر عداوت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور تمہارے آپس کے جا و بیجا مقابلوں اور جائز و ناجائز مسابقت باہمی نے تمہیں اور ساری دنیا کو اور بھی زیادہ بے چین کر رکھا ہے۔ تم میں سے ہر قوم اپنی ہمسایہ قوموں بلکہ دنیا کی تمام دیگر اقوام کو اپنے مقابلہ میں ذلیل سمجھتی ہے جس کی وجہ سے اس دنیا میں عام اخوت انسانیت کا پیدا ہونا ناممکن ہو گیا ہے۔ باوجود تقریروں اور تحریروں کے میدان میں حریت اور آزادی کا نہ

ہوئی کہ اونچا جھنڈا بلند کرنے کے تمہیں کالے گورے میں امتیاز کے مرض ہی سے ابھی تک نجات حاصل نہیں
کی ہم قوم اور غیر قوم، ہوم (Home) اور فارن (Foreign) اپنے اور پرائے کی
تفریق تمہیں متفرق ومنتشر کئے ہوئے ہے جس طرح اپنے علم اور سائنس کی قوت سے تمنے گذشتہ جنگ یورپ کی
خونخواری اور بہیمیت میں جنگ ہائے گذشتہ سے بڑھادیا اسی طرح اسی علم اور سائنس کی بڑھتی ہوی قوت
کی بدولت تمہارے ممالک میں جرائم کی نوعیت وروز افزونی کی بھی قرون ماقبل میں نظیر نہیں ملتی۔
سائنٹفک آلات سے چوریاں ہوتی ہیں۔ سائنٹفک ایجادات سے قفل شکنیاں عمل میں آتی ہیں۔ ادویہ جدیدہ سے
مسروق بیہوش کئے جاتے ہیں۔ موٹر پر سوار ہوکر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ دولتمندوں کے معصوم بچے چوری ہوجاتے
ہیں اور مار ڈالے جاتے ہیں اور مجرموں کے گرفتار کرنے میں پولس ناکام رہتی ہے انصاف کو تمنے اتنا گراں
کردیا ہے کہ غربا اسے خریدنے سے عاجز ہیں۔

تمہارے اس حیاسوز اور اخلاق شکن تمدن میں عورتوں کے مسئلہ نے اس درجہ نزاکت اختیار کرلی
ہے کہ تم خود بھی چکر میں آرہے ہو ان کی بے باکیاں اور سینہ زوریاں تمہاری زندگی کو تلخ کررہی ہیں تمہاری
خانہ داری کو برباد کررہی ہیں، تمہاری اولاد کی پرورش اور تربیت میں مشکلات پیدا کررہی ہیں اور تمہاری
سوسائٹی کے شیرازہ کو درہم وبرہم کررہی ہیں۔ نیم برہنگی فیشن میں داخل ہوتی جاتی ہے جسے تم بیک ٹو نیچر
(Back to nature) یعنی "مراجعت بہ فطرت" سے تعبیر کرتے ہو۔ باوجود اس بڑھتی ہوئی
برہنگی اور اس قلیل لباس کے درزی کا بل اور پف پوڈر، لپ اسٹک ( ) اور
اس نوع کی دیگر چیزوں کے اخراجات شوہروں کے دیوالے نکال رہے ہیں۔ نکاح سے بیزاری و طلاق
کی گرم بازاری مزید برآں توالد وتناسل کی راہ میں روڑے اٹکانے کی جدید کوششیں ثابت کرتی ہیں کہ
کی نگاہ میں بنی نوع انسان کی وہ وقعت نہیں جو وقعت کہ مشینوں کو حاصل ہے جن کے نزدیک مشینیں انسان
کا کام دینے کے لئے کافی ہیں ان کے نزدیک دردزہ کی تکالیف میں کسی کا مبتلا ہونا شقت الاعمال ہے

نسوانی کی پیچیدگیوں نے افسوس ہے کہ جدید یورپ کے معیار شرافت کو بدل ڈالا۔

تم نے ایک عرصہ تک اپنے کو اور دوسروں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ تمہارا طرز حکومت مائل بجمہوریت ہے۔ حالانکہ فرمانروائی کا لطف حقیقتاً تم ہی کی کسی نہ کسی اعتبار سے جماعتِ غالبہ ہی کے حصے میں آتا تھا اس کا جو لازمی نتیجہ ہونا تھا وہ ہوا یہاں تک کہ تم کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ جمہوریت ناکام رہی تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈکٹیٹرشپ کے نام سے اب بجز شخصی حکومت جمہوریت کی جگہ لے رہی ہے بیچارہ ہندوستان مفلس ہندوستان، عقل سلیم سے معرا ہندوستان، یورپ کا پسخوردہ کھانے والا موجودہ ہندوستان اب جبکہ دنیا نے جمہوریت کے خلاف فیصلہ سنا دیا، جمہوریت کی طلب و تمنا میں ٹھنڈی آہیں کھینچ رہا ہے۔

سنٹ ٹیمپل لنڈن کے ڈاکٹر ایف۔ ٹی نارووڈ (Dr. F. T- Norwood) جو دنیا کی سیاحت میں مصروف ہیں آج کل ہندوستان آئے ہوئے ہیں۔ حال میں انہوں نے ریاست ٹراونکور کے صدر مقام ترادیندرم میں ایک تقریر کی ہے جس کے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں یہ تقریر ۹ نومبر ۱۹۳۲ء کے ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہو چکی ہے۔

"دنیا میں آجکل جو تباہی رونما ہے وہ ان تمام تباہیوں سے مختلف ہے جو اس سے قبل دنیا میں پیش آچکی ہیں ساری دنیا آج کل جس تباہی میں مبتلا ہے اس کا باعث نہ تو افلاس ہے نہ کمزوری بلکہ اس کا باعث انتہائی تمول اور انتہائی قوت ہے۔ زمانۂ ماقبل کے لوگوں پر سیلاب اور قحط کی بدولت تباہیاں نازل ہوئیں مگر ان تباہیوں میں ان لوگوں پر وہ شدید مصیبتیں نہیں ٹوٹیں جو آج لوگوں پر ٹوٹ رہی ہیں۔ پہلے انسان کو سائنس پر کبھی اتنی کامل دسترس حاصل نہ ہوئی تھی جتنی کہ اب اسے حاصل ہے نہ کبھی اس سے قبل مصنوعات کی تیاری اور غذا ہی کی قوت میں انسان کو وہ کمال حاصل ہوا تھا جو کہ آجکل اسے حاصل ہے۔ مگر باوجود

ان تمام باتوں کے دنیا جس شدید مصیبت میں آج مبتلا ہے ایسی پہلے کبھی مبتلا نہ ہوئی تھی اس کا سبب یہ ہے کہ اشیاء کی پیداوار بہت زیادہ اور ان کا نکاس بہت کم ہے۔
"لوگوں نے روپے کو بہت زیادہ عزیز رکھنا شروع کر دیا ہے جس کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے کہ غرباء و مساکین کے روٹی کپڑے تک کا انتظام نہیں کیا جاتا۔ افریقہ میں کیپ ٹاؤن سے لیکر ممباسہ تک خشک سالی کی وجہ سے دیسی آبادیاں شدید اور دردناک افلاس میں مبتلا ہیں۔ مگر اسی ملک میں کمبرلی کی ہیرے کی کانیں تول میں آجکل اس قدر بڑھ رہی ہیں۔ کہ پہلے کبھی ایسی حالت نصیب نہیں ہوئی۔ جو کیفیت کہ ہیرے کی افریقہ میں ہے وہی کیفیت چائے کی دوسرے ملک میں اور فواکہات کی تیسرے ملک میں ہے درانحالیکہ غرباء سب جگہ یکساں طور پر افلاس اور شدائد میں مبتلا ہیں۔
"جبتک کہ انسان قوانین فطرت کی مخالفت کرتا رہے گا موجودہ مصیبتوں کا خاتمہ نہ ہوگا۔ یورپ کی جنگ عظیم مصائب دنیا کے متعلق جہل انسانی کا ایک نہایت مہیب مظاہرہ تھی۔ اس جنگ کو ختم ہوئے پندرہ سال گذر چکے ہیں مگر آج بھی ہر شخص اس کا مشاہدہ کر رہا ہے کہ اب بھی ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا وحشیانہ برتاؤ کر رہا ہے کہ اس کے مقابلہ میں جنگل کے رہنے والے وحشیوں کے قوانین اخلاق زیادہ مستحق عزت و احترام معلوم ہوتے ہیں۔ بعض اقوام کا باہمی برتاؤ آجکل بالکل وحشیانہ ہے۔ روس نے ایک جدید اقتصادی تنظیم کی بنیاد ڈالکر تمام دنیا کی جڑوں کو ہلا ڈالا۔ جرمنی کو بالکل نہتا بنا کر اس کی فوجی قوت کو نیست و نابود کر دیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے گذشتہ چودہ سال سے یورپ کی متفقہ پالیسی یہی چلی آرہی ہے کہ جرمنی کو اور بھی زیادہ پامال کیا جائے۔ اور اب یہ ہو رہا ہے کہ اس کے جواب میں اس ملک میں بھی ایک زبردست خونخوار قومی لہر دوڑ رہی ہے

جاپان بھی اپنے ملک کے گھٹے ہوئے ہونے کے، نیز بوجہ اس کے کہ جنگ عظیم نے تمام دنیا کو تھکا ڈالا ہے اور مضمحل کر رکھا ہے بہت بڑا نفع حاصل کیا، اس نے دنیائے جدید پر براہ راست حملہ کر دیا اور اقوام عالم کی متفقہ ناراضی کا جواب اپنی فوجی قوت کے مظاہرے سے دیا ۔۔ ۔۔

"موجودہ مصائب کے دفعیہ کے لئے دو باتیں نہایت ضروری ہیں:

"ایک یہ کہ بجائے اس کے کہ صنعت و حرفت کو دولت کا خادم بنایا جائے، دولت کو صنعت و حرفت کا خادم بننا چاہئے۔

"دوسرے یہ کہ انسان کو انسان کے ساتھ عدل و رحمدلی و شفقت و محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے اور اپنے خدا کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ دبکر اور جھککر چلنا چاہئے۔"

اقتباسات مندرجہ بالا نمونہ ہیں ان خیالات کا جو تم ہی میں کے چند لوگ، تمہارے ہی ملک کے رہنے والے، تمہاری ہی تعلیم و تربیت میں نشو نما پائے ہوئے، تمہاری اندرونی حالت سے پوری طرح باخبر، صحیح واقعات سے متاثر اور ان کے نتائج بد سے خائف ہوکر ظاہر کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ تم خود بھی اپنی کمزوریوں اور خرابیوں سے واقف ہوتے جاتے ہو۔ تمہیں بھی اب نظر آنے لگا ہے کہ تمہارا تمدن تمہیں کس جانب لیجا رہا ہے۔ اپنی ناکامیوں کا تم بارہا تجربہ کر چکے ہو۔ لیگ آف دی نیشنز کی مجبوریوں اور بے بسیوں کا اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے ہو۔ ڈس آرمامینٹ کانفرنس کو ناشاد و نامراد ہچکیاں لیتا اور دم توڑتا دیکھ رہے ہو۔ اور آنے والی مصیبتوں کے دفع کرنے کی تم اپنے میں کوئی قابل اعتماد قوت نہیں پاتے۔ باوجود ان تمام باتوں کے تم ابتک اس زبردست ہستی کی جانب مائل نہیں ہوتے جو حقیقتاً تم پر حکومت کر رہی ہے، جو تمہارے منصوبوں کو الٹ دیا کرتی ہے، جو تمہارے تخمینوں کو غلط ثابت کر دیتی ہے، اور جو تمہاری فرعونیت کے سر پر ہتوڑے دن پر ہتوڑے برساتی چلی جاتی ہے۔

باوجود اس عقل و دانش کے جسکا تمہیں بڑا گھمنڈ ہے، تم کائنات پر نظر ڈالتے ہو مگر خالق کائنات

کی جانب تمہاری نظر نہیں جاتی، قانون قدرت کو مانتے ہو مگر قانون ساز کو نہیں مانتے، اپنے چاروں طرف افعال کا مشاہدہ کرتے ہو مگر فاعل کو نہیں دیکھتے، مجاز میں ڈوبے ہوئے ہو حقیقت پر نظر نہیں جاتی، سایہ کے پیچھے دوڑ رہے ہو، اصل کی جانب رخ نہیں کرتے۔ آیات مندرجۂ بالا میں اللہ کی نشانیوں کی تکذیب، اور اخلاد الی الارض اور واتبع ہواہ سے اسی جانب اشارہ ہے۔

تمہاری یہ کوتاہ نظری تمہاری تمام کمزوریوں، تمام خرابیوں، تمام ناکامیوں، اور آیندہ آنے والی تمام تباہیوں کا باعث ہے۔ تمہاری تمام خرابیوں کی جڑ نفسانیت ہے۔ نفسانیت سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے۔ خود غرضی سے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ جھگڑوں سے آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور یہ پھوٹ آگے چل کر ایسی ایسی صورتیں اختیار کر لیتی ہے جیسی کہ ۱۹۱۴ء کی خونخوار اور تمدن سوز جنگ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا ۔ (النساء - ۲۰)
"پس تم خواہش نفس کا اتباع نہ کرنا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کر بیٹھو۔"

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص ۲)
"خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرنا۔ وہ تمکو خدا کے رستے سے (جو کہ صحیح اور اصلی راستہ ہے) بھٹکا دیگی۔"

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ (الجاثیہ - ۳)
"کیا تم نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے اور باسبب اس کے باوجود اس کے علم رکھنے کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کی سماعت اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی بینائی پر پردہ ڈال دیا ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے (اس فعل کے) بعد کون اسے راہ راست پر لائے پس کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔"

اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجایش نہیں کہ جو لوگ نفس کے غلام ہیں جنھوں نے خواہش نفس کو اپنا

معبود بنا لیا، جو اپنے دل کا چاہا پورا کرنے کی کوشش میں رات دن منہمک رہتے ہیں تو اس میں انہیں کامیابی مطلق نصیب نہ ہوا راہ راست سے بہت دور ہیں اور جبتک وہ اپنی اس روش کو نہ بدلیں راہ راست پر آ بھی نہیں سکتے اُن کی علمی ترقیاں اون کی سائنٹفک ایجادات اُن کی بحری و بری فوجی قوتیں اُن کی حکمت عملی اور سیاسی تدبیریں، اُن کی لیگ اور کانفرنسیں غرضکہ اُنکی کوئی چیز ضلالت و گمراہی کی تباہی سے انہیں محفوظ نہیں رکھ سکتی اللہ کے کئے ہوئے کو کوئی رد نہیں کر سکتا جب اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں گمراہ کر دیا تو پھر کونسی چیز اُن کی ہدایت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہدایت و ضلالت مثل زندگی اور موت کے حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی نے زہر میں مار ڈالنے کی قوت رکھدی جس نے ہیڈ ریڈنیک ایسڈ کھا لیا اُسے یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا کسی میں طاقت نہیں کہ اُسے بچا سکے۔ اسیطرح جس نے اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اب کس میں یہ طاقت ہے کہ اسے راہ راست پر لا سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ تمام گذشتہ قومیں نفس پرستی ہی کی بدولت تباہ ہوئیں۔ اسی نفس پرستی کی بدولت یورپ بھی بہت تیزی اور بہت سرعت کیساتھ تباہی کے گڑھے میں جا رہا ہے۔ جبتک وہ نفس پرستی سے توبہ نہ کرے اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝　　"اور تیرے پروردگار کا کلام صدق و عدل کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔" (الانعام-۱۴۰)

یورپ والو کیا تم یہ کہتے ہو کہ ہم تو حب الوطنی اور قوم پرستی میں شہرۂ آفاق ہیں۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں ملک اور قوم کے لئے کرتے ہیں۔ ملک کے لئے خون بہاتے ہیں۔ قوم کے لئے سر کٹاتے ہیں۔ ہماری یہ قربانیاں نفسانیت اور خود غرضی پر کیوں کر محمول ہو سکتی ہیں؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہاری ملک و قوم پرستی تمہاری نفسانیت کا اظہار اور ایک وسیع پیمانہ پر خود غرضی ہے اور اس کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ تعلیم یافتہ اور وزرا سمجھدار دنیا داروں سے اسی نوع کی خود غرضی کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی

سمجھدار شخص جہاز پر سفر کر رہا ہے اور وہ جہاز کسی خطرہ میں آگیا ہے تو سمجھدار مسافر اپنی ذاتی سلامتی اس میں دیکھیگا کہ پورے جہاز کو تباہی سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہو جائے۔ جہاز اور جہاز والوں کو ہلاکت سے بچانے میں وہ شخص صرف اپنی سلامتی ڈھونڈ رہا ہے۔ اگر اس جہاز کے بچانے میں مسافروں سے لدے ہوئے دس دوسرے جہاز ڈوبتے ہیں تو ڈوبیں۔ اسے تو صرف اپنے جہاز کی سلامتی مقصود ہے۔ اس کی یہ خواہش خود غرضی سے مبرا کیونکر ہو سکتی ہے؟ یہ دوسری بات ہے کہ یہ خود غرضی کسی قدر عقلمندی پر مبنی ہے اور ان جاہلوں کی سی خود غرضی نہیں جو کسی خطرہ کو دیکھکر بجائے اس کے کہ سب مل کر اس خطرہ کے دفعیہ کی کوشش میں مصروف ہو جائیں نفسی نفسی پکارنے لگتے ہیں اور اپنے ذاتی اور شخصی نفع کی لالچ میں محض جہالت سے آپس ہی میں ایک دوسرے کے درپئے آزار ہو جاتے ہیں۔ بہر نوع، عقلمندی پر مبنی ہو یا حماقت پر، اخلاقی اعتبار سے خود غرضی ہمیشہ خود غرضی ہی رہیگی اور ایک ہی نام سے پکاری جائے گی۔ بلکہ اغلب ہے کہ تعلیمیافتہ اور چالاک لوگوں کی خود غرضی دوسروں کے حق میں زیادہ خطرناک اور مضرت رساں ثابت ہو۔

اہل المغرب کی خود غرضی تعلیمیافتہ اور سمجھدار دنیا داروں کی سی خود غرضی ہے وہاں کے چھوٹے چھوٹے ملک کے رہنے والے اپنے چھوٹے سے ملک کو تھوڑا سا فائدہ پہنچانے کی لالچ میں کسی بڑے ملک کو یا بڑے بڑے ممالک کو بڑے سے بڑا نقصان پہونچا دیں تو وہ لوگ قوم پرستی کے مذہب کے تحت میں اپنی اس حرکت کو بالکل جائز سمجھیں گے، ہر قوم اپنی سرسبزی کے لئے دوسری قوموں کو ویران کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتی ہے۔ ایسی صورت میں دنیا میں امن و آمان کے قیام کا تیقن کیونکر ممکن ہے؟

یورپ سچے خدا کے سامنے سر نہیں جھکاتا اگر قوم پرستی کے اس جھگڑا لو بت کے آگے سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔ وہاں کے بعض سمجھدار لوگ اس بت کو توڑنا تو نہیں چاہتے مگر ہر قوم کے مختلف بتوں کی کانفرنس منعقد کرکے ایک بین الاقوامی مفاہمت اور باہمی سمجھوتہ پیدا کر لینا چاہتے ہیں۔

جس سے یورپ کے امن میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ جاتا رہے۔ مگر ہر قوم پر خود غرضی کا بھوت اس بری طرح مسلط ہے کہ کوئی ممکن العمل سمجھوتہ قائم نہیں ہونے پاتا۔

یورپ کی دیکھا دیکھی بعض مشرقی ممالک میں بھی اس بت کی پرستش شروع ہو چلی ہے اور ان ممالک کے باشندوں نے بھی اپنے جدید استادوں کے فیضان صحبت اور فیضان تعلیم سے اپنے ملکی، سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی امور کو قوم پرستی کی ٹیڑھی عینک سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ ایران، افغانستان اور ہندوستان میں آجکل ملکی اور غیر ملکی کی جو بحثیں چھڑنی شروع ہوئی ہیں وہ اسی نجس، ناپاک، مفسدانہ، خود غرضانہ، تنگ خیالی پر مبنی، اور اسلامی تعلیمات و نیز اسلامی روایات کے خلاف جذبہ کا نتیجہ ہے۔

اوپر تفصیل سے سمجھایا جا چکا ہے کہ ان تمام خرابیوں کی جڑ نفسانیت ہے۔ نفسانیت کا واحد موثر علاج للٰہیت ہے۔ للٰہیت مذہب سے پیدا ہوتی ہے۔ مذاہب دو اقسام کے دنیا میں رائج ہیں (۱) مذہب حقہ۔ اور (۲) مذاہب باطلہ۔ مذہب حقہ ایک ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ مذاہب باطلہ متعدد ہیں۔ جو مذاہب کہ اپنے ابتدائی زمانہ میں سچے تھے مگر بعد میں مسخ ہو گئے وہ بھی بلحاظ اپنی موجودہ صورتوں کے مذاہب باطلہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ جو للٰہیت کہ مذاہب باطلہ کی تعلیم سے پیدا ہوتی ہے ناقص ثابت ہوتی ہے بلکہ وہ للٰہیت ہی نہیں ہوتی۔ وہ یا تو رہبانیت کی جانب لیجاتی ہے۔ یا مکروہات دنیا، مضرات جسمانی و روحانی، اور موانعات ترقی انسانی کے سیلاب کو روکنے کی کافی قوت نہیں رکھتی۔ جو للٰہیت کہ سچے مذہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے وہ دین اور دنیا دونوں کی فلاح کا باعث ہوتی ہے، روح اور جسم دونوں کو نفع پہونچاتی ہے، مبداء و معاد دونوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتی ہے۔ یہی اس کی صداقت کی پہچان ہے۔

روح و جسم میں تعلق باہمی اتنا قوی ہے کہ عالم ناسوت میں دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ تندرست روح اس دنیا میں تندرست جسم

سکتی ہے اور تندرست جسم ہمیشہ تندرست روح کا محتاج رہتا ہے۔ روح وجسم دونوں کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ اپنی ترقی کے لئے انسان ان دونوں اجزاء کی ترقی کا محتاج ہے اسی طرح دنیا اور آخرت میں بھی بہت قوی تعلق ہے ان دونوں میں سبب اور نتیجہ کی نسبت ہے اُس عالم کی زندگی نتیجہ ہے اس عالم کی زندگی کا۔ وہ مذہب ناقص ہے جو روح کو تو آراستہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جسم کی طرف سے غافل ہے۔ اُس عالم کی زندگی سنوارنے کا دعوی کرتا ہے مگر اس دنیا کی زندگی کو بالکل نظر انداز کئے ہوئے ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو سیاسیات سے الگ رکھو، تمدن و معاشرت کو مذہب سے جدا ہونے دو، امور دنیوی میں مذہب کو دخیل نہ ہونے دو، وہ مذہب حقہ کی حقیقت سے واقف نہیں۔ وہ لوگ مذاہب باطلہ کی کمزوریوں اور خرابیوں سے ڈسے ہوئے ہیں اور ان کا یہ قول مذاہب باطلہ ہی پر صادق آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مذاہب باطلہ نہ صرف دنیا کے لئے بلکہ عقبیٰ کے لئے بھی سخت خطرناک اور مہلک ہیں۔ ان مذاہب باطلہ سے لوگوں کی نفرت حقیقتاً مذہب حقہ کی جیت ہے۔

افسوس اس امر کا ہے مذاہب ناقصہ سے بھڑکے ہوئے اور زخم خوردہ لوگوں نے بلا دیکھے بھالے، بلا سوچے سمجھے، اور بلا معقول تحقیقات کے مذہب حقہ کو بھی مذاہب باطلہ پر قیاس کر لیا اور اپنی اس غلطی کی بدولت انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے زیر اثر لوگوں کو اس نعمت سے محروم رکھا۔

ہمارے نزدیک اور اللہ کے نزدیک اور جملہ محققین اہل بصیرت کے نزدیک مذہب حقہ ایک ہی ہے اور ع

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم

کہ اس سچے مذہب کو اسلام کے متبرک نام سے موسوم کیا گیا ہے اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَام

یورپ کے موجودہ اور آیندہ مصائب کا باعث اسلام سے انحراف ہے۔ یورپ اپنی سلامتی کیلئے

ہونے والی تباہی سے بچنے کے لئے اسلام ہی کا محتاج ہے۔ یہ سب ہی پر کیا موقوف ہے ساری دنیا اسی مذہب حق کی پیاسی ہے اور عجیب بات ہے کہ پیاسی ہونے کے باوجود اپنی پیاس سے بے خبر ہے تشنگی کی تکلیف محسوس کر رہی ہے مگر اسکا پتہ ابھی تک نہیں چلا کہ یہ تکلیف کس تشنگی کا نتیجہ ہے اور تشنگی کس چیز کی ہے اور وہ چیز کیونکر اور کہاں میسر آسکتی ہے۔ اعداد پرستی، حجاب ملک و قومیت اعادات و رسم و رواج کی بندشیں، جہالت، تعصب، ضد اہٹ دھرمی، اور نفسانیت کے اسی نوع کے دیگر کرشمے حجاب بنیں اور دیتے اور دنیا کو اپنی تشنگی بجھانے کا موقعہ نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں یورپ والوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے متعلق اپنی لاعلمی کو دور کریں، غلط فہمیوں کا ازالہ کریں، تعصب کو بالائے طاق رکھیں اور اس چشمہ الٰہی سے خود بھی سیراب ہوں اور محروم دنیا کو بھی سیراب ہو لے دیں۔

متعصبین مغرب نے اسلام کو بہت بدنام کیا ہے۔ اسلام کے متعلق بہت کچھ غلط فہمیاں پھیلائی ہیں۔ مگر اسلام کے رخ زیبا پر خاک ڈالنے سے خاک نہیں پڑتی۔ اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ ماند نہیں پڑتا۔ ان لوگوں کی ان حرکات سے اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ وہ لوگ خود ہی نقصان میں رہتے ہیں اور اپنے ملک کو نقصان میں رکھتے ہیں۔ یورپ بیچارہ ان ہی متعصبین کی غلط کاریوں کا شکار ہو رہا ہے۔ یورپ کی مصیبتوں اور تباہیوں کے ذمہ دار بڑی حد تک وہ متعصب پادری اور جاہل مصنفین بھی ہیں جو اسلام اور یورپ کے درمیان حجاب بنے ہوئے ہیں۔ ذرا انصاف سے دیکھو کہ اسلام کی چند باتوں پر نادانستہ طور پر اور بلا اعتراف یورپ نے عمل کیا اور بقدر اپنے عمل کے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے بیشتر اصولوں سے یورپ نے گریز کیا اور بقدر اس گریز کے وہ خمیازہ بھگت رہا ہے۔ اب اگر یورپ اپنے مستقبل کو درست کرنا چاہتا ہے اور جو آنے والی خرابیاں اسے خود کسی حد تک نظر آنی شروع ہو گئی ہیں۔ ان سے بچنے کا متمنی ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے بنائے ہوئے قوانین پر چل کر تو اس نے دیکھ لیا اب ذرا خدا کے بنائے ہوئے قوانین پر بھی چل کر دیکھے۔ ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا تو جو روز بد آنے والا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۔

اسلامی قومیت

(۲)

عصبیت کے خلاف اسلام کا جہاد اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کفر و شرک کی جہالت کے بعد اسلام کی دعوت حق کا اگر کوئی سب سے بڑا دشمن تھا تو وہ یہی نسل و وطن کا شیطان تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ حیات نبویہ میں ضلالت کفر کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کو مٹانے کے لئے جہاد کیا وہ یہی عصبیت جاہلیہ تھی۔ آپ احادیث و سیر کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضور سرور کائنات نے کس طرح خون اور خاک، رنگ اور زبان پستی اور بلندی کی تفریق کو مٹایا، انسان اور انسان کے درمیان غیر فطری امتیازات کی تمام سنگین دیواروں کو مسمار کیا، اور انسان ہونے کی حیثیت سے تمام بنی آدم کو یکساں قرار دیا۔ آنحضرت کی تعلیم یہ تھی کہ:-

لیس منا من مات علی العصبیۃ لیس منا من دعیٰ الی العصبیۃ لیس منا من قاتل علی العصبیۃ۔	جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے

آپ فرماتے تھے:-

لیس لاحدٍ فضلٌ علی احدٍ الا بدین وتقوی۔ الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب	پرہیزگاری اور دینداری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

نسل وطن، زبان، اور رنگ کی تفریق کو آپ نے یہ کہہ کر مٹا یا کہ:-

لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی کلکم ابناء آدم (بخاری ومسلم)	نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر تم سب آدم کی اولاد ہو۔
لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقوی (زاد المعاد)	کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، اور کسی گورے کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں ہے اگر فضیلت ہے تو وہ صرف پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔
اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ (بخاری کتاب الاحکام)۔	سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہارے اوپر کوئی حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش جیسا ہو۔

فتح مکہ کے بعد جب تلوار کے زور نے قریش کی اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکا دیا، تو حضور خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اس میں پورے زور کے ساتھ یہ اعلان فرمایا:۔

الا کل ماثرۃ او دم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین۔	خوب سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعوی آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے۔
یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیہ وتعظمھا الآباء	اے معشر قریش اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو دور کر دیا۔
ایھا الناس کلکم من آدم و آدم من تراب۔ لا فخر للانساب۔ لا فخر للعربی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔	اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے۔ جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہے۔

عبادت الٰہی کے بعد آپ اپنے خدا کے سامنے تین باتوں کی گواہی دیتے تھے پہلے اس بات کی

کہ "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" پھر اس بات کی کہ "محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے" پھر اس بات کی کہ "اللہ کے بندے سب بھائی بھائی ہیں" (ان العباد کلہم اخوۃ)۔

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندۂ حق مرد آزاد است و بس — ملک و آئینش خدا داد است و بس

اسلامی قومیت کی بنیاد اس طرح اللہ اور اس کے رسول نے جاہلیت کی اُن تمام محدود، مادی، حسی، وہمی بنیادوں کو جن پر دنیا میں مختلف قومیتوں کی عمارتیں قائم کی گئی تھیں ڈھا دیا۔ رنگ، نسل، وطن، زبان، معیشت، سیاست کی غیر عقلی تفریقوں کو جن کی بنا پر انسان نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے انسانیت کو تقسیم کر رکھا تھا، مٹا دیا۔ انسانیت کے مادے میں تمام انسانوں کو برابر اور ایک دوسرے کا ہم مرتبہ قرار دے دیا۔

اس تخریب کے ساتھ اس نے خالص عقلی بنیادوں پر ایک نئی قومیت تعمیر کی۔ اس قومیت کی بنا بھی امتیاز پر تھی، مگر مادی اور عرضی امتیاز نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز۔ اس نے انسان کے سامنے ایک فطری صداقت پیش کی جس کا نام "اسلام" ہے۔ اس نے خدا کی بندگی و اطاعت، نفس کی طہارت و پاکیزگی، عمل کی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف ساری نوع بشری کو دعوت دی۔ پھر کہہ دیا کہ جو اس دعوت کو قبول کرے وہ ایک قوم سے ہے، اور جو اس کو رد کر دے وہ دوسری قوم سے۔ ایک قوم ایمان اور اسلام کی ہے اور اس کے سب افراد بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ اور ایک قوم کفر اور گمراہی کی ہے، اور اس کے تمام متبعین اپنے اختلافات کے باوجود ایک ملت ہیں۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔

ان دونوں قوموں کے درمیان بنائے امتیاز نسل اور نسب نہیں، اعتقاد اور عمل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے اسلام اور کفر کی تفریق میں جدا جدا ہو جائیں، اور دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیت میں شریک ہوں۔ وطن کا اختلاف بھی ان دونوں قوموں کے درمیان

وجہ امتیاز نہیں ہے۔ یہاں امتیاز حق اور باطل کی بنیاد پر ہے جس کا کوئی وطن نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک شہر ایک محلہ ایک گھر کے دو آدمیوں کی قومیتیں اسلام و کفر کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائیں اور ایک چینی رشتہ اسلام میں مشترک ہونے کی وجہ سے ایک مراقشی کا قومی بھائی بن جائے۔

فطرتِ ما مستنیر از مصطفیٰ است   باز گو آخر مقام ما کجا است

رنگ کا اختلاف بھی یہاں قومی تفریق کا سبب نہیں ہے۔ یہاں اعتبار چہرے کے رنگ کا نہیں، اللہ کے رنگ کا ہے۔ اور وہی بہترین رنگ ہے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اعتبار سے ایک گورے اور ایک کالے کی ایک قوم ہو اور کفر کے اعتبار سے دو گوروں کی دو الگ قومیتیں ہوں۔

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو   مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

زبان کا امتیاز بھی اسلام اور کفر میں وجہ اختلاف نہیں ہے۔ یہاں منہ کی زبان نہیں دل کی زبان کا اعتبار ہے جو ساری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس کے اعتبار سے عربی اور افریقی کی ایک زبان ہو سکتی ہے، اور دو عربوں کی زبانیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی اسلام اور کفر کے اختلاف میں بے اصل ہے۔ یہاں جھگڑا دولتِ زر کا نہیں دولتِ ایمان کا ہے، انسانی سلطنت کا نہیں خدا کی بادشاہت کا ہے۔ جو لوگ حکومت الٰہی کے وفادار ہیں، اور جو خدا کے ہاتھ اپنی جانیں فروخت کر چکے ہیں وہ سب ایک قوم ہیں خواہ ہندوستان میں ہوں یا ترکستان میں۔ اور جو خدا کی حکومت سے باغی ہیں اور شیطان سے جان و مال کا سودا کر چکے ہیں وہ ایک دوسری قوم ہیں ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کس سلطنت کی رعایا ہیں اور کس معاشی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح اسلام نے قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ ایک خالص عقلی دائرہ ہے۔ ایک گھر کے دو آدمی اس دائرے سے جدا ہو سکتے ہیں اور مشرق و مغرب کے رہنے والے

دو آدمی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔

سر عشق از عالم ارحام نیست   او ز سام و حام و روم و شام نیست

کوکب بے شرق و غرب بے غروب   در مدارش نے شمال و نے جنوب

اس دائرہ کا محیط ایک کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسی کلمہ پر دوستی بھی ہے اور اسی پر دشمنی بھی۔ اسی کا اقرار جمع کرتا ہے اور اسی کا انکار جدا کر دیتا ہے۔ جن کو اس نے جدا کر دیا ہے ان کو نہ خون کا رشتہ جمع کر سکتا ہے، نہ خاک کا، نہ زبان کا، نہ رنگ کا، نہ روٹی کا، نہ حکومت کا۔ اور جن کو اس نے جمع کر دیا ہے انہیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ کسی دریا، کسی پہاڑ، کسی سمندر، کسی زبان، کسی نسل، کسی رنگ، اور کسی زر و زمین کے قضیہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسلام کے دائرے میں امتیازی خطوط کھینچ کر مسلمان اور مسلمان کے درمیان فرق کرے۔ ہر مسلمان خواہ چین کا باشندہ ہو یا مراقش کا، کالا ہو یا گورا، ہندی بولتا ہو یا عربی، سامی ہو یا آرین، ایک حکومت کی رعیت ہو یا دوسری حکومت کی، مسلمان قوم کا فرد ہے، اسلامی سوسائٹی کا رکن ہے، اسلامی اسٹیٹ کا شہری ہے، اسلامی فوج کا سپاہی ہے، اسلامی قانون کی حفاظت کا مستحق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں ہے جو عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست، معیشت، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں جنسیت یا زبان یا وطنیت کے لحاظ سے اس کو دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں کم تر یا بیش تر حقوق دیتی ہو۔

اسلام کا طریق جمع و تفریق

یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اسلام نے تمام انسانی اور مادی رشتوں کو قطع کر دیا ہے۔ ہرگز نہیں! اس نے مسلمانوں کو صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے، قطع رحم سے منع کیا ہے، ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔ خون کے رشتوں میں وراثت جاری کی ہے۔ خیرات و صدقات اور بذل و انفاق میں ذوی القربیٰ کو غیر ذوی القربیٰ پر ترجیح دی ہے۔ اپنے اہل و عیال، اپنے گھر بار، اور اپنے ملک کو دشمنوں سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ ظالم کے مقابلہ میں لڑنے کا حکم دیا ہے اور ایسی لڑائی میں

جان دینے والے کو شہید قرار دیا ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں بلا امتیاز مذہب ہر انسان کے ساتھ ہمدردی، حسن سلوک اور محبت سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے۔ اس کے کسی حکم کو یہ معنی نہیں پہنائے جا سکتے کہ وہ ملک و وطن کی خدمت و حفاظت سے روکتا ہے، یا غیر مسلم ہمسایہ کے ساتھ صلح و مسالمت کرنے سے باز رکھتا ہے[1]۔

یہ سب کچھ ان مادی رشتوں کی جائز اور فطری مراعات ہے۔ مگر جس چیز نے قومیت کے معاملہ میں اسلام اور غیر اسلام کے اصول میں فرق کر دیا ہے، وہ یہ ہے کہ دوسروں نے انہی رشتوں پر جداگانہ قومیتیں بنائی ہیں۔ اور اسلام نے ان کو بنائے قومیت قرار نہیں دیا۔ وہ ایمان کے تعلق کو ان سب تعلقات پر ترجیح دیتا ہے اور وقت پڑے تو ان میں سے ہر ایک کو اس پر قربان کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے:-

قَدْ كَانَ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ۔

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں یہ قابل تقلید نمونہ تھا کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہدیا کہ ہمارا تم سے اور تمہارے معبودوں سے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، کوئی تعلق

---

[1] یہاں اس امر کی توضیح ضروری ہے کہ غیر مسلم قوموں کے ساتھ مسلمان قوم کے تعلقات کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ انسان ہونے میں ہم اور وہ یکساں ہیں اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے اختلاف نے ہمیں ان سے جدا کر دیا ہے۔ پہلی حیثیت سے ہم ان کے ساتھ ہمدردی، فیاضی، رواداری اور شرافت کا ہر وہ سلوک کریں گے جو انسانیت کا مقتضیٰ ہے اور اگر وہ دشمن اسلام نہ ہوں تو ان سے دوستی، مصالحت، مسالمت بھی کریں گے اور مشترک مقاصد کیلئے تعاون میں دریغ نہ کریں گے لیکن کسی طرح کا مادی اور دنیوی اشتراک ہم کو اور ان کو اس طرح سے جمع نہیں کر سکتا کہ ہم اور وہ مل کر ایک قوم بن جائیں اور اسلامی قومیت کو چھوڑ کر کوئی مشترک ہندی یا چینی یا مصری قومیت قبول کریں، کیونکہ ہماری دوسری حیثیت اس قسم کے اجتماع میں مانع ہے اور اسلام و کفر کا مل کر ایک ملت بن جانا قطعاً غیر ممکن ہے۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (۶۰:۱)

نہیں ہے ہم نے تم کو چھوڑ دیا ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی ہو گئی تا وقتیکہ تم ایک خدا پر ایمان لاؤ

وہ کہتا ہے کہ :۔

لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۹:۳)

اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو محبوب رکھیں تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھے گا وہ ظالموں میں شمار ہو گا۔

اور :۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (۶۴:۲)

تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہارے (بحیثیت مسلمان ہونے کے) دشمن ہیں ان سے حذر کرو۔

وہ کہتا ہے کہ اگر تمہارے دین اور تمہارے وطن میں دشمنی ہو جائے تو دین کی خاطر وطن کو چھوڑ کر نکل جاؤ جو شخص دین کی محبت پر وطن کی محبت کو قربان کر کے ہجرت نہ کرے وہ منافق ہے۔ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۴:۱۲)

اس طرح ایک طرف تو اسلام اور کفر کے اختلاف سے خون کے قریب ترین رشتے کٹ جاتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی، بیٹے صرف اس لئے جدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اسلام کے مخالف ہیں۔ قوم کو اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ خدا سے دشمنی رکھتی ہے۔ وطن کو اس لئے خیرباد کہا جاتا ہے کہ وہاں اسلام اور کفر میں عداوت ہے۔ گویا اسلام دنیا کی ہر چیز پر مقدم ہے۔ ہر چیز اسلام پر قربان کی جا سکتی ہے۔ اور اسلام کسی چیز پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ اب دوسری طرف دیکھیے۔ یہی اسلام کا تعلق ہے جو

ایسے لوگوں کو ملا کر بھائی بھائی بنا دیتا ہے جن کے درمیان نہ خون کا رشتہ ہے، نہ وطن کا، نہ زبان کا نہ نسل کا۔ تمام مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا جاتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (۳ : ۱۱

تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رہو اور آپس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (اسلام) کی بدولت بھائی بھائی بن گئے۔ تم (آپس کی عصبیتوں کی وجہ سے) آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے سرے پر تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔

نومسلم غیرمسلموں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ :-

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (۹ : ۱۱)

اگر وہ کفر سے توبہ کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اور مسلمانوں کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ :-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۴۸ : ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلعم) اللہ کا بندہ اور رسول ہے، نیز وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ پھیریں، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں۔ جونہی انہوں نے یہ کیا ہم پر ان کے خون اور ان کے مال حرام ہو گئے الا یہ کہ حق اور انصاف کی خاطر

ان کو حلال کیا جائے۔ اس کے بعد ان کے وہی حقوق ہیں جو سب مسلمانوں کے ہیں اور ان پر وہی واجبات ہیں جو سب مسلمانوں پر ہیں"۔ (ابو داؤد۔ کتاب الجہاد)۔

پھر یہی نہیں کہ حقوق اور فرائض میں مسلمان برابر ہیں، اور ان میں کسی فرق و امتیاز کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد نبوی ہے کہ:۔

المسلم للمسلم کالبنیان یشد بعضہ بعضاً ۔ مسلمان کے ساتھ مسلمان کا تعلق ایسا ہے جیسے ایک دیوار کے اجزا جن کو ایک دوسرے سے پیوستہ کر دیا جاتا ہے۔

اور:۔

مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمیٰ۔ آپس کی محبت اور رحمت و مہربانی میں مسلمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس کے لئے بے خواب بے آرام ہو جاتا ہے۔

ملت اسلام کے اس جسم نامی کو رسول اللہ نے "جماعت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے متعلق آپ کا فرمان ہے۔

ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار۔ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو اس سے بچھڑا وہ آگ میں گیا۔

اور:۔

مَن فارق الجماعۃ شبراً خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ ۔ جو ایک بالشت بھر بھی جماعت سے جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کہ:۔

من اراد ان یفرق جماعتکم فاقتلوہ　　جو تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے اس کو قتل کردو۔

اور :-

من اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان (مسلم کتاب الامارۃ)　　جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتہ کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے، اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی ہو۔

اسلامی قومیت کی تعمیر کس طرح ہوئی؟ اس جماعت میں جس کی شیرازہ بندی اسلام کے تعلق کی بنا پر کی گئی تھی خون اور خاک، رنگ اور زبان کی کوئی تمیز نہ تھی۔ اس میں سلمان فارسیؓ تھے جن سے ان کا نسب پوچھا جاتا تو فرماتے کہ "سلمان بن اسلام"۔ حضرت علیؓ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سلمان منا اھل البیت۔ "سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں"۔ اس میں باذان بن ساسان اور ان کے بیٹے شہر بن باذان تھے جن کا نسب بہرام گور سے ملتا تھا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت باذان کو یمن کا اور ان کے صاحبزادے کو صنعا کا والی مقرر فرمایا تھا۔ اس جماعت میں بلالؓ حبشی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ بلال سیدنا مولی سیدنا۔ "بلال ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے"۔ اس جماعت میں صہیب رومی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ نماز میں امامت کے لئے کھڑا کیا۔ اس میں حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں خلافت کے لئے انہی کو نامزد کرتا۔ اس میں زید بن حارثہ ایک غلام تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے خود اپنی پھوپھی کی بیٹی ام المومنین حضرت زینب کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ تھے جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ انہی اسامہ کے متعلق

حضرت عمرؓ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ "اسامہ کا باپ تیرے باپ سے افضل تھا اور اسامہ خود تجھ سے افضل ہے"

مہاجرین کا اسوہ اس جماعت نے اسلام کے تبرے عصبیت کے ان تمام بتوں کو توڑا تھا جو نسل اور وطن رنگ اور زبان وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں۔ اور جن کی پرستش قدیم جاہلیت سے جدید جاہلیت کے زمانہ تک دنیا میں ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وطن مکہ کو چھوڑا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کو اور مہاجرین کو اپنے وطن سے وہ فطری محبت نہ تھی جو انسان کو ہوا کرتی ہے۔ مکہ کو چھوڑتے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ "اے مکہ! تو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے، مگر کیا کروں کہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے"۔ حضرت بلال جب مدینہ جا کر بیمار ہوئے تو مکہ کی ایک ایک چیز کو یاد کرتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے یہ حسرت بھرے اشعار آج تک مشہور ہیں۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ بفخ وحولی اذخر وجلیل

وھل اردن یوما میاہ مجنۃ وھل تبدون لی شامۃ وطفیل

مگر اس کے باوجود حب وطن[1] نے ان بزرگوں کو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے سے باز نہ رکھا۔

انصار کا طرز عمل دوسری طرف اہل مدینہ نے رسول اکرمؐ اور مہاجرین کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنے جان و مال خدمت اقدس میں پیش کر دیے۔ اسی بنا پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "مدینہ قرآن سے فتح ہوا" آپ نے انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تو یہ ایسے بھائی بھائی بنے کہ مدتوں انکو ایک دوسرے کی میراث ملتی رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس توارث

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان گھڑا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا حب الوطن من الایمان۔ حالانکہ ایسی کوئی صحیح حدیث آپ سے ماثور نہیں ہے۔

کو بند کیا۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔ انصار نے اپنے کھیت اور باغ آدھے آدھے تقسیم کر کے اپنے مہاجر بھائیوں کو دیدیے۔ اور جب بنی نضیر کی زمینیں فتح ہوئیں تو رسول اللہ سے عرض کیا کہ یہ زمینیں بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کو دیدیجئے۔ یہی ایثار تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع انصاری کے درمیان مواخاۃ کرائی گئی تو حضرت سعد اپنے دینی بھائی کو آدھا مال دینے اور اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیکر بیوہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ عہد رسالت کے بعد جب مہاجرین پیہم منصب خلافت پر سرفراز ہوئے تو کسی مدنی نے یہ نہ کہا کہ تم متوطن مسافروں کو ہمارے ملک پر حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ رسول اکرم اور حضرت عمر نے مدینے کے نواح میں مہاجرین کو جاگیریں دیں اور کسی انصاری نے اس پر زبان تک نہ ہلائی۔

رشتۂ دین پر مادی علائق کی قربانی پھر جنگ بدر اور جنگ احد میں مہاجرین مکہ دین کی خاطر خود اپنے عزیزوں سے لڑے حضرت ابو بکر نے اپنے بیٹے عبد الرحمن پر تلوار اٹھائی۔ حضرت حذیفہ نے اپنے باپ حذیفہ پر حملہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ خود رسول اکرمؐ کے چچا عباسؓ، چچازاد بھائی عقیلؓ داماد ابو العاص بدر میں گرفتار ہوئے اور عام قیدیوں کی طرح رکھے گئے حضرت عمر اس پر آمادہ تھے کہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص خود اپنے عزیز کو قتل کرے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم غیر قبیلہ اور غیر علاقہ والوں کو لے کر خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن پر حملہ آور ہوئے۔ غیروں کے ہاتھ سے اپنوں کی گردنوں پر تلوار چلوائی۔ عرب کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی کہ کوئی شخص خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن پر غیر قبیلہ والوں کو چڑھا لائے اور وہ بھی کسی انتقام یا زر و زمین کے قضیہ کی بنا پر نہیں بلکہ محض ایک کلمۂ حق کی خاطر۔ جب قریش کے اوباش مارے جانے لگے تو ابو سفیان نے آکر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ قریش کے نونہال کٹ رہے ہیں۔ آج کے بعد قریش کا

نام ونشان نہ رہے گا" رحمۃ اللعالمین نے یہ سن کر اہل مکہ کو امان دیدی۔ انصار سمجھے کہ رسول اللہ کا دل اپنی قوم کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا "حضور آخر آدمی ہی تو ہیں۔ اپنے خاندان والوں کا پاس کر ہی گئے"۔ رسول اللہ کو ان باتوں کی خبر پہنچی تو انصار کو جمع کیا اور فرمایا "مجھے خاندان والوں کی محبت نے ہرگز نہیں کھینچا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اللہ کے لئے تہارے پاس ہجرت کر کے جا چکا ہوں اب میرا جینا تمہارے ساتھ ہے اور مرنا تمہارے ساتھ"۔ جو کچھ حضور نے فرمایا تھا اسے لفظ بہ لفظ سچا کر دکھایا۔ باوجودیکہ مکہ معظمہ کے فتح ہو جانے کے بعد وہ علت باقی نہ رہی تھی جس کی بنا پر حضور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے، مگر آپ نے مکہ میں قیام نہ فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ رسول خدا نے مکہ پر کسی وطنی یا انتقامی جذبے کے تحت حملہ نہ کیا تھا، بلکہ محض اعلاء کلمۃ الحق مقصود تھا۔

اس کے بعد جب ہوازن اور ثقیف کے اموال فتح ہوئے تو پھر وہی غلط فہمی پیدا ہوئی۔ حضور نے غنیمت میں سے قریش کے نومسلموں کو زیادہ حصہ دیا۔ انصار کے بعض نوجوان سمجھے یہ قومی پاس داری کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے بگڑ کر کہا کہ "خدا رسول اللہ کو معاف کرے۔ وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو چھوڑتے ہیں۔ حالانکہ اب تک ہماری تلواروں سے ان کے خون ٹپک رہے ہیں"۔ اس پر رسول اکرم نے ان کو پھر جمع کیا اور فرمایا کہ "میں ان لوگوں کو اس لئے زیادہ دے رہا ہوں کہ یہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ محض ان کی تالیف قلب مقصود ہے۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ یہ مال لے جائیں اور تم رسول کو لیجاؤ؟"

غزوۂ بنی المصطلق میں ایک غفاری اور ایک عوفی میں جھگڑا ہوگیا۔ غفاری نے عوفی کو تھپڑ مارا۔ بنی عوف انصار کے حلیف تھے۔ عوفی نے انصار کو مدد کے لئے پکارا۔ بنی غفار مہاجرین کے حلیف تھے۔ غفاری نے مہاجرین کو آواز دی۔ قریب تھا کہ تلواریں کھینچ جائیں۔ رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے فریقین کو بلا کر فرمایا کہ "یہ کیا جاہلیت کی پکار تھی جو تمہاری زبانوں سے نکل رہی تھی

(ما لکم و لدعوۃ الجاھلیۃ) انہوں نے کہا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو مارا ہے۔ آپ نے
فرمایا کہ "تم اس جاہلیت کی پکار کو چھوڑ دو۔ یہ بڑی گھناؤنی چیز ہے۔" (دعوھا فانھا منتنۃ)۔
اس غزوہ میں مدینہ کا مشہور قوم پرست منافق عبداللہ بن اُبَی بھی شریک تھا اس نے
جو سنا کہ مہاجرین کے حلیف نے انصار کے حلیف کو مارا ہے تو کہا کہ "یہ ہمارے ملک میں آکر پھل
پھول گئے ہیں۔ اور اب ہمارے ہی سامنے سر اٹھاتے ہیں۔ ان کی مثل تو ایسی ہے کہ کتے کو کھلا
پلا کر موٹا کرتا کہ وہ تمہی کو پھاڑ کھائے۔ بخدا مدینہ واپس پہنچ کر جو ہم میں سے عزت والا ہوگا وہ
ذلت والے کو نکال باہر کرے گا" پھر اس نے انصار سے کہا کہ "یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے
ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی۔ اور اپنے اموال ان پر بانٹ دیے خدا کی قسم آج تم ان سے
ہاتھ کھینچ لو تو یہ ہوا کھاتے نظر آئیں گے۔" یہ باتیں رسول اللہ تک پہنچیں تو آپ نے عبداللہ بن ابی
کے بیٹے حضرت عبداللہ کو بلا کر فرمایا کہ تمہارا باپ یہ یہ کہتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے نہایت درجہ
محبت رکھتے تھے۔ اور ان کو فخر تھا کہ خزرج میں کوئی بیٹا اپنے باپ سے اتنی محبت نہیں کرتا مگر
یہ قصہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اگر حکم ہو تو میں اس کا سر کاٹ لاؤں۔" آپ نے
فرمایا نہیں۔ پھر سب جنگ سے واپس ہوئے تو مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ اپنے باپ کے آگے تلوار
سونت کر کھڑے ہوئے اور کہا کہ "تو مدینہ میں گھس نہیں سکتا جب تک کہ رسول اللہ اجازت نہ دیں۔
تو نے ہی کہا ہے کہ عزت والا ذلت والے کو مدینے سے نکال دے گا۔ تو اب تجھے معلوم
[illegible] رسول کے لیے ہے۔" اس پر ابن اُبی چیخ اٹھا کہ "لوگو سنو اے اہل [illegible]
[illegible] بیٹا [illegible] مجھے گھر میں گھسنے نہیں دیتا۔" لوگوں نے آکر حضرت عبداللہ کو سمجھایا۔ مگر انہوں
[illegible] کی [illegible] اجازت کے بغیر یہ مدینے کے اندر نہیں آ سکتا۔" آخر کار لوگ
[illegible] خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "جا کر عبداللہ سے

کہو کہ اپنے باپ کو گھر میں جانے دے"۔ جب عبد اللہ نے یہ فرمان مبارک سنا تو تلوار رکھدی اور کہا کہ "ان کا حکم ہے تو اب یہ جا سکتا ہے"[۱]

بنو قینقاع پر جب حملہ کیا گیا تو حضرت عبادہؓ بن الصامت کو ان کے معاملہ میں حکم بنایا گیا اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس پورے قبیلہ کو مدینے سے جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ لوگ حضرت عبادہ کے قبیلۂ خزرج کے حلیف تھے مگر انہوں نے اس تعلق کا ذرہ برابر خیال نہ کیا۔ اسی طرح بنو قریظہ کے معاملہ میں اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ کو حکم بنایا گیا۔ اور ان کا فیصلہ یہ تھا کہ بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو سبایا اور ان کے اموال کو غنیمت قرار دیا جائے۔ اس معاملہ میں حضرت سعد نے ان حلیفانہ تعلقات کا ذرا خیال نہ کیا جو اوس اور بنو قریظہ کے درمیان مدتوں سے قائم تھے۔ حالانکہ عرب میں حلف کی جو اہمیت تھی وہ سب کو معلوم ہے۔

جامعہ اسلامیہ کی اصلی روح ان شواہد سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قومیت کی تعمیر میں نسل و وطن اور زبان و رنگ کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس عمارت کو جس معمار نے بنایا ہے اس کا تخیل ساری دنیا سے نرالا تھا اس نے تمام عالم انسانی کے مواد خام پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں سے اس کو اچھا اور مضبوط مسالہ ملا اس کو چھانٹ لیا۔ ایمان و عمل صالح کے پختہ چونے سے ان متفرق اجزا کو پیوستہ کر دیا۔ اور ایک عالمگیر قومیت کا قصر تعمیر کیا جو سارے کرۂ ارضی پر چھایا ہوا ہے۔ اس عظیم الشان عمارت کا قیام و دوام منحصر ہے اس پر کہ اس کے تمام مختلف الاصل مختلف الشکل، مختلف المقام اجزا اپنی جدا جدا اصلیتوں کو بھول کر صرف ایک اصل کو یاد رکھیں، اپنے جدا جدا رنگ چھوڑ کر ایک رنگ میں رنگ جائیں۔ اپنے الگ مقاموں سے قطع نظر کر کے ایک مخرج صدق سے نکلیں اور ایک مدخل صدق میں داخل ہو جائیں۔ یہی وحدت ملی اس بنیان مرصوص کی جان

---

[۱] اس واقعہ کی پوری تفصیل ابن جریر کی تفسیر (جلد ۲۸ صفحہ ۶۶ تا ۷۰) میں ملاحظہ فرمائیے۔

اگر یہ وحدت ٹوٹ جائے۔ اگر اجزائے ملت میں اپنی اصلوں اور نسلوں کے جدا جدا ہونے، اپنے وطن اور مقام کے مختلف ہونے، اپنے رنگ و شکل کے متنوع ہونے، اپنی اغراض دنیوی کے متضاد ہونے کا احساس پیدا ہو جائے تو اس عمارت کی دیواریں پھٹ جائیں گی، اس کی بنیادیں ہل جائیں گی اور اس کے تمام اجزا پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ جس طرح ایک سلطنت میں کئی سلطنتیں نہیں بن سکتیں اسی طرح ایک قومیت میں کئی قومیتیں بھی نہیں بن سکتیں۔ اسلامی قومیت کے ساتھ نسلی، وطنی، لسانی، لونی قومیتوں کا جمع ہونا قطعاً محال ہے۔ ان دونوں قسم کی قومیتوں میں سے ایک ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اس لئے کہ :-

جو اس کا پیرہن ہے مذہب کا وہ کفن ہے

پس جو اسلامی قومیت میں رہنا چاہتا ہے اسے تمام قومیتوں کے احساس کو باطل، اور سارے خاک و خون کے رشتوں کو قطع کرنا پڑیگا۔ اور جو ان رشتوں کو باقی رکھنا چاہتا ہو اس کے متعلق ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ وہ اسلامی قومیت سے نکل گیا۔ اُس نے اسلامی عصبیت کو چھوڑ دیا، جاہلی عصبیت کا دامن تھام لیا۔ اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، جاہلیت کے پھندے کو اسلام کے رشتہ پر ترجیح دی۔ وہ اسلام سے چھوٹا اور اسلام اس سے۔

رسول اللہ کی آخری وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ جس چیز کا تھا وہ یہی تھا کہ کہیں مسلمانوں میں جاہلی عصبیتیں پیدا نہ ہو جائیں اور ان کی بدولت اسلام کا قصر ملت پارہ پارہ نہ ہو جائے۔ اسی لئے حضور بار بار فرمایا کرتے تھے کہ۔

لا ترجعون بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری کتاب الفتن)

کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم پھر کفر کی طرف پلٹ کر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

اپنی زندگی کے آخری حج، حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو عرفات کے خطبہ میں

عام مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا:۔

"سُن رکھو کہ امور جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم سب آدم کی اولاد سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں جاہلیت کے سب خون باطل کر دیے گئے۔ اب تمہارے خون اور تمہاری عزتیں اور تمہارے اموال ایک دوسرے کے لئے ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج کا دن تمہارے اس مہینہ، تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔"

پھر منیٰ میں تشریف لے گئے تو اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ اس تقریر کو دھرایا اور اس میں یہ اضافہ کیا:۔

"دیکھو! میرے بعد پھر گمراہی کی طرف پلٹ کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگنا عنقریب تم اپنے رب سے ملنے والے ہو۔ وہاں تمہارے اعمال کی تم سے بازپرس ہوگی۔

"سنو! اگر کوئی نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا۔

یہ ارشاد فرما کر پوچھا کہ "کیا میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا ؟" لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا "اے خدا تو گواہ رہیو" اور لوگوں سے کہا کہ "جو موجود ہے وہ اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں۔"

حج سے واپس ہو کر شہدائے احد کے مقابر پر تشریف لے گئے اور پھر مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا:۔

"مجھے اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کروگے۔ مگر ڈرتا اس سے ہوں کہ
کہیں تم دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور آپس میں لڑنے نہ لگو۔ اگر ایسا کروگے تو ہلاک
ہو جاؤگے جس طرح پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔"

اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ فتنہ جس کے ظاہر ہونے کا سید الکونین کو اندیشہ تھا حقیقت میں ویسا ہی مہلک ثابت ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ قرن اول سے آج تک اسلام اور مسلمانوں پر جو تباہی بھی نازل ہوئی ہے اسی کی بدولت ہوئی ہے۔ وصال نبوی کے چند ہی برس بعد ہاشمی اقتدار کے خلاف اموی عصبیت کا فتنہ تھا اور اس نے اسلام کے اصلی نظام سیاست کو ہمیشہ کے لئے درہم برہم کر دیا۔ پھر اس نے عربی عجمی اور ترکی عصبیت کی شکل میں ظہور کیا اور اسلام کی سیاسی وحدت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ پھر مختلف ممالک میں جو اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں ان سب کی تباہی میں سب سے زیادہ اسی فتنہ کا ہاتھ تھا۔ قریب ترین زمانہ میں دو سب سے بڑی اسلامی سلطنتیں ہندوستان اور ٹرکی کی تھیں۔ ان دونوں کو اسی فتنہ نے تباہ کیا۔ ہندوستان میں مغل اور ہندوستانی کی تفریق نے سلطنت مغلیہ کو دفن کیا۔ اور ٹرکی میں ترک، عرب، کرد کی تفریق تباہی کی موجب ہوئی۔

اسلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے۔ جہاں کوئی طاقتور سلطنت آپ کو نظر آئے گی۔ اس کی بنیادوں میں آپ کو بلا امتیاز جنسیت مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کا خون ملے گا۔ ان کے مدبر، ان کے سپہ سالار، ان کے اہل قلم، ان کے اہل سیف سب کے سب مختلف الاجناس پائے جائیں گے آپ عراقی کو افریقہ میں، شامی کو ایران میں، افغانی کو ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کی اسی جانبازی، دیانت، صداقت، امانت کے ساتھ خدمت کرتے ہوئے دیکھیں گے جس سے وہ خود اپنے وطن کی خدمت کرتا۔ اسلامی سلطنتیں کبھی اپنے مردان کار کی فراہمی میں کسی ایک ملک یا ایک نسل کے وسائل پر منحصر نہیں رہیں ہر طبقہ سے قابل دماغ اور کارپرداز ہاتھ ان کے لئے جمع ہوئے اور انہوں نے مردانہ وار اسلام کو

اپنا وطن اور گھر سمجھا۔ مگر جب نفسانیت، خود غرضی، عصبیت کا فتنہ اٹھا، اور مسلمانوں میں مرز و بوم، رنگ و نسل کے امتیازات نے راہ پائی تو وہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کرنے لگے، وہ بڑے بندیوں اور سازشوں کا دور دورہ ہوا جو قوتیں دشمنوں کے خلاف صرف ہوتی تھیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگیں، مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہوی اور بڑی بڑی اسلامی طاقتیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

مغرب کی اندھی تقلید آج مغربی قوموں سے سبق سیکھ کر ہر جگہ کے مسلمان نسلیت اور وطنیت کے راگ الاپ رہے ہیں۔ عرب عربیت پر ناز کر رہا ہے مصری کو اپنے فراعنہ یاد آ رہے ہیں۔ ترک اپنی ترکیت کے جوش میں چنگیز اور ہلاکو سے رشتہ جوڑ رہا ہے۔ ایرانی اپنی ایرانیت کے جوش میں کہتا ہے کہ یہ محض عرب امپیریلزم کا زور تھا کہ حسینؓ اور علیؓ (علیہما السلام) ہمارے ہیرو بن گئے۔ حالانکہ حقیقۃً ہمارے قومی ابطال تو رستم و اسفندیار تھے۔ ہندوستان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان کہتے ہیں۔ وہ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ جو آب زمزم سے قطع تعلق کر کے آب گنگا سے وابستگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو بھیم اور ارجن کو اپنا قومی ہیرو قرار دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ترک و ایران و عرب مست فرنگ　　　　ہر کسے را در گلو شست فرنگ

مشرق از سلطانی مغرب خراب　　　　اشتراک از دین و ملت برده تاب

مگر یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان نادانوں نے نہ اپنی تہذیب کو سمجھا ہے اور نہ مغربی تہذیب کے اصول اور حقائق ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ وہ محض سطح بین ہیں۔ اور سطح پر جو نقوش ان کو زیادہ نمایاں اور زیادہ خوش رنگ نظر آتے ہیں انہی پر لوٹ پوٹ ہونے لگتے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ جو چیز مغربی قومیت کے لئے آب حیات ہے، وہی چیز اسلامی قومیت کے لئے زہر ہے۔ مغربی قومیتوں کی بنیاد نسل و وطن اور زبان و رنگ کی وحدت پر قائم ہوی ہے۔ اس لئے ہر قوم مجبور ہے کہ ہر اس شخص سے اجتناب کرے جو اس کا ہم قوم، ہم نسل، ہم زبان نہ ہو، خواہ وہ اس کی سرحد سے ایک ہی میل کے فاصلہ پر کیوں نہ رہتا ہو

وہاں ایک قوم کا آدمی دوسری قوم کا سچا وفادار نہیں ہو سکتا۔ ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کا سچا خادم نہیں بن سکتا۔ کوئی قوم کسی قوم کے کسی فرد پر یہ اعتماد نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے مفاد کو اپنی قوم کے مفاد پر ترجیح دیگا۔ مگر اسلامی قومیت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں قومیت کی بنیاد نسل و وطن کے بجائے اعتقاد و عمل پر رکھی گئی ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان کسی جنسی امتیاز کے بغیر ایک دوسرے کے شریک حال اور معاون ہیں۔ ایک ہندی مسلمان مصر کا ویسا ہی وفادار شہری بن سکتا ہے جیسا کہ وہ خود ہندوستان کا ہے۔ ایک افغانی مسلمان شام کی حفاظت کے لئے اسی جانبازی کے ساتھ لڑ سکتا ہے جس کے ساتھ وہ خود افغانستان کے لئے لڑتا ہے۔ اس لئے ایک ملک کے مسلمان کو دوسرے ملک کے مسلمان سے اجتناب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس معاملہ میں اسلام کے اصول اور مغرب کے اصول ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ جو وہاں سبب قوت ہے وہ یہاں عین سبب ضعف ہے۔ اور جو یہاں مایۂ حیات ہے وہ وہاں بعینہ سم قاتل ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مذاکرۂ علمیہ

مسئلہ جبر و قدر

(۵)

خلاصہ مباحث گذشتہ پچھلی چار صحبتوں میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ابتک انسان نے اس مسئلہ کو سمجھنے کی جتنی کوششیں کی ہیں وہ سب ناکام ہوئی ہیں۔ اور ان تمام ناکامیوں کی وجہ صرف ایک ہے، یعنی ان ذرائع کا فقدان جن سے انسان اس وسیع کائنات کے نظام حکومت، اور اس عظیم الشان سلطنت آلہی کے دستور اساسی کو معلوم کرسکے۔ ہمارے سامنے ایک زبردست کارخانہ چل رہا ہے۔ ہم خود اس کارخانے کے کل پرزوں میں سے ایک حقیر پرزہ ہیں۔ اور اس کے دوسرے پرزوں کے ساتھ ہم بھی حرکت کر رہے ہیں۔ بس اتنا ہی ہم کو معلوم ہے۔ ہیں وہ قوتیں جو اس کارخانے کو چلا رہی ہیں، اور وہ قوانین جن کے ماتحت اس کے کام چل رہے ہیں، تو ان تک رسائی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ نہ ہمارے حواس وہاں تک پہنچ سکتے ہیں، اور نہ ہماری عقل اس کے اسرار کو پاسکتی ہے احساس و ادراک سے ماوراء حقیقتوں کو چھو سکے۔ ہم نے تو ابھی تک کائنات کے ان مظاہر کا بھی پوری طرح احاطہ نہیں کیا ہے۔ جو سرحد ادراک و احساس سے خارج نہیں ہیں۔ جو کچھ ہم اپنے حواس سے محسوس کر سکے ہیں۔ اور جو کچھ قیاس و استقرار کے ذریعہ سے کسی حد تک ہمارے علم میں آسکا ہے وہ مظاہر کائنات کے لا متناہی سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہے۔ گویا ہمارے علم اور وسائل علم کو ہمارے جہل اور اسباب جہل کے ساتھ وہی نسبت ہے جو متناہی کو لامتناہی کے ساتھ ایسی حالت میں یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم اس کارخانے کے باطنی نظام، اور اس میں اپنی صحیح پوزیشن کو سمجھ سکیں

ہمارا خود اپنے ذرائع علم سے اس کو سمجھنا تو درکنار، اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے ہمارے سامنے اس کو بیان کیا بھی جاتا، تب بھی ہم اپنی محدود عقل سے اس کے معانی کو نہ سمجھ سکتے۔

عود الی المقصود اب ہمیں اصل سوال کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ سوال یہ تھا کہ قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کی طرف جو اشارات کئے گئے ہیں ان میں بظاہر تناقض نظر آتا ہے۔ کہیں بندے کو خود اپنے افعال کا فاعل قرار دیا گیا ہے اور اسی بنا پر نیک و بد کی تمیز قائم کر کے جزا و سزا کی وعدہ وعید کی گئی ہے، کہیں بندے سے قدرتِ فعل کو سلب کر کے تمام افعال کی نسبت خدا کی طرف کر دی گئی ہے اور کہیں ایک ہی فعل خدا اور بندے دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کہیں بندے کو ہدایت قبول کرنے اور ضلالت سے نکلنے کی دعوت اس طرح دی گئی ہے کہ گویا اس میں ترک و اختیار کی طاقت ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے، خدا ہی گمراہ کرتا ہے اور خدا ہی سیدھے رستے پر ڈالتا ہے۔ کہیں بندہ کے لئے مشیت ثابت کی گئی ہے، اور کہیں کہہ دیا گیا ہے کہ بندے کی مشیت کوئی چیز نہیں، اصل مشیت خدا کی ہے۔ کہیں شرور و معاصی کو بندے کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کہیں ان کا باعث شیطان کو قرار دیا گیا ہے، اور کہیں بتایا گیا ہے کہ خیر اور شر سب خدا کی طرف سے ہیں۔ کہیں کہا گیا ہے کہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، اور کہیں نافرمان انسانوں کو الزام دیا گیا ہے کہ انہیں خدا نے جو کچھ حکم دیا تھا انہوں نے اس کے خلاف کیا۔ اگر یہ باتیں باہم متناقض ہیں، جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے، تو ایسی کتاب ... کو ہم کتاب الٰہی کیسے کہہ سکتے ہیں جس میں اتنی متناقض باتیں ہوں؟ اور اگر ان میں تناقض تسلیم نہیں کیا جاتا، تو بتایا جائے کہ ان کے درمیان توفیق و تطبیق کی کیا سبیل ہے؟

امور ماوراء الطبیعت کے بیان سے قرآن کا اصل مقصد اس سوال پر غور کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ قرآن کریم میں نہ صرف مسئلہ جبر و قدر بلکہ جملہ امور ماوراء الطبیعت کی طرف جو اشارات کئے گئے ہیں ان کا اصل مقصد ان امور کی حقیقت بتانا نہیں ہے اور نہ اسرار الٰہی پر سے پردہ اٹھانا ہے۔

اس لئے اول تو وہ بسیط حقیقتیں جو اس وسیع کائنات کے ورق ورق پر لکھی ہوئی ہیں اپنی تفصیلات کیساتھ نہ کسی ایسی کتاب میں سما سکتی ہیں جسے انسان پڑھ سکتا ہو اور نہ کوئی انسانی بولی ان کے بیان کی متحمل ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے لامتناہی دفتر چاہییں، ان کو پڑھنے کے لئے ازلی و ابدی زندگی درکار ہے۔ ان کو بیان کرنے کے لئے غیر ملفوظ عقلی کلام اور ان کو سننے کے لئے بے آواز عقلی سماع کی حاجت ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (۱۸: ۱۲)

اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے کلمات کو لکھنے کے لئے روشنائی بن جاتا، تو وہ ان کے ختم ہونے سے پہلے ہی خرچ ہو جاتا، اور اگر ہم ایک سمندر اور اس کی مدد کیلئے لے آتے تب بھی میرے رب کے کلمات تمام نہ ہوتے۔

دوسرے اگر ان کو بیان کیا بھی جاتا، تو جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، انسان اپنے ان محدود قوائے ذہنی سے، جو اسے عطا کئے گئے ہیں، ان کو سمجھ نہ سکتا۔ انسان کی عقل کا یہ حال ہے کہ اگر ارسطو اور فیثا غورس کے زمانہ میں کوئی شخص بیسویں صدی عیسوی کے ٹیلیفون، سینما، ریڈیو اور ہوائی جہاز کی تفصیلات بیان کرتا، تو سب سے پہلے وہ لوگ اس پر جنون کا حکم لگاتے جو آج تک سر آمد عقلا سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر آج بیسویں صدی میں ان چیزوں کی کوئی تشریح کی جائے جو اب سے ہزار برس بعد دنیا میں ظاہر ہونے والی ہیں، تو ہمارے بڑے سے بڑے فلسفی اور حکیم بھی اس کو نہ سمجھ سکیں گے یا ان چیزوں کا حال ہے جن کو جاننے اور سمجھنے کی استعداد انسان میں بالقوت موجود ہے، اور فرق صرف قوت و فعل کا ہے۔ مگر جن امور کو سمجھنے کی استعداد ہی سرے سے اس میں نہیں ہے، جو اس کے تصور میں کسی طرح سما ہی نہیں سکتے، ان کو بیان کرنے سے آخر کیا فائدہ مترتب ہو سکتا تھا؟ اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ:—

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ان کے سامنے اور ان کے پیچھے جو کچھ ہے خدا جانتا ہے

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲:۲۵۵)

مگر وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے بجز ان باتوں کے جن کا علم وہ خود ان کو بخشنا چاہے۔ اس کا علم تو آسمانوں اور زمین، سب پر چھایا ہوا ہے۔

پس اس قسم کے امور کی طرف قرآن میں جو اشارات کئے گئے ہیں، وہ زیادہ تر ان مقاصد کو مدد پہنچانے کے لیے ہیں جن کا تعلق انسان کے اخلاقی اور عملی مفاد سے ہے۔ اور بعض مقامات پر ان سے مقصود حقیقت شناس نظر اور اعلیٰ روحانی بصیرت رکھنے والوں کو اسرار الٰہی کا کچھ تھوڑا سا علم بخشنا ہے۔ اور کہیں بیان کا سیاق اور موقع و محل کا اقتضاء ان اشارات کی طرف داعی ہوا ہے، جن کو غور و تامل اور فکر صحیح سے ہم تھوڑا بہت سمجھ سکتے ہیں۔

مسئلہ قضاء و قدر کے بیان کا منشاء اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ قضاء و قدر کے مسئلہ پر جو اشارات کلام اللہ میں آئے ہیں ان کا اصل مقصد یہ ہی نہیں کہ ہم سے وہ چیز بیان کی جائے جس کے سمجھنے کی قابلیت و استعداد ہم میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اصل میں جو کچھ مقصود ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ انسان میں قناعت، یکسوئی، توکل علی اللہ، صبر و استقامت اور دنیوی طاقتوں سے بے خوفی پیدا کی جائے، اور اس میں اخلاقی قوت کی ایسی روح بھر دی جائے جس کی موجودگی میں مایوسی، پریشانی، خوف، حسد، رشک اور لالچ اس کے پاس پھٹکنے نہ پائیں وہ اس قوت کے ذریعہ سے حق و صداقت اور نیکی کے طریق پر قائم رہے، اس کی طرف دوسروں کو دعوت دے، اس کے لئے سخت مشکلات کا مقابلہ کرے، اس کی راہ میں جتنی آزمائشیں پیش آئیں ان میں ثابت قدم رہے، نہ خدا کے سوا کسی سے مضرت پہنچنے کا اندیشہ کرے اور نہ کسی سے ذرہ برابر فائدے کی امید رکھے۔ نہ بے سروسامانی میں ہمت ہارے اور نہ سروسامان پر بے جا اعتماد کرے۔ نہ زندگی کی ناکامیوں پر شکستہ خاطر ہو، اور نہ کامیابیوں سے مغرور ہو کر سرکشی پر اتر آئے۔ مثال کے طور پر آیات ذیل ملاحظہ ہوں جن سے اصل مقصود پر روشنی پڑتی ہے

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (۲ : ۲۰)

تمام قوت کا مالک صرف خدا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (۳۵ : ۳)

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور در اصل بے نیاز وہی ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (۷۳ : ۱)

اپنے پروردگار کا نام لے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو جا، وہ مشرق اور مغرب سب کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تو اسی کو اپنا کارساز بنا لے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۲ : ۱۳)

کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک خدا ہی ہے، اور اللہ کے سوا تم لوگوں کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۳ : ۱۷)

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ جو ایمان والے ہیں ان کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۳ : ۳)

کہو کہ خدایا تو ہی ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھینتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (۳ : ۸) — کہو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہتا بخشتا ہے۔ اور وہ بہت کشادہ دست وصاحب علم ہے۔ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہے مخصوص کرے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۴۲ : ۲) — آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہتا ہے کشادگی کے ساتھ رزق عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ایک اندازہ سے نپا تلا دیتا ہے۔ وہ ہر شئے کے حال سے خوب واقف ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (۱۶ : ۱۰) — اور اللہ ہی ہے جس نے تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۱۰ : ۱۱) — اگر اللہ تجھکو نقصان پہونچائے تو اس کے سوا کوئی اس نقصان کو دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تجھے فائدہ پہونچائے تو کوئی اس کے فضل کو پھیرنے والا نہیں۔ اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہے فائدہ پہونچائے وہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲ : ۱۲) — وہ اپنی تدبیر سے کسی کو خدا کے اذن کے بغیر نقصان نہیں پہونچا سکتے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۹ : ۷) — کہو کہ ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے نصیب میں لکھدی ہے۔ وہی ہمارا مولی ہے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (۳ : ۱۵) — کوئی شخص اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرسکتا۔ موت کا وقت مقرر ہے اور وہ پہلے سے لکھا ہوا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (۳ : ۱۶) — وہ کہتے ہیں کہ اگر تدبیر میں ہمارا بھی دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے ان سے کہو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں کے نصیب میں مارا جانا لکھ دیا گیا تھا وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

(باقی)

Registered No. M. 2950

رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۰ تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینہ کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے دوبارہ لکھکر منگوا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی ان کو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا۔

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے لیکن یہ خیال رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز۔

اشاعت کیلئے مضامین اور جملہ طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں۔ لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر مضمون شائع کرے۔

منیجر "ترجمان القرآن"

خیرت آباد (حیدرآباد دکن)

طابع و ناشر: مولوی ابو محمد مصلح صاحب — مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

جلد (۳) عدد (۳) — رمضان ۱۳۵۲ھ

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ) بیرون ہند کے لئے (سعہ) قیمت فی پرچہ ۸ر

چند نایاب کتابیں اور ان کی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تفسیر القرآن مکمل آٹھ جلدوں میں آجتک اس سے بہتر تفسیر شائع نہیں ہوئی سینکڑوں محبان وطن و معتقد علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ تفسیر نہایت معتبر اور مستند ہے اور اسکی روایات صحیح اور سلف صالحین کے عقیدہ کے موافق ہیں۔ یہ تفسیر اسلام کے عقاید۔ جہادات و معاملات کے مسائل اور علم تصوف کا بحر ذخار ہے۔ عاشقان کلام الٰہی کے لئے نایاب تحفہ ہے اصلی قیمت (۲۱) رعایتی (۱۵)

تاریخ اسلام مصنفہ آنریبل سید امیر علی بالقابہ اس حیثیت کی کوئی کتاب آجتک نہیں چھپی گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا اصلی قیمت (سے) رعایتی (عہ)

معتبر تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ اردو تین جلدوں میں جسے بصرف زر کثیر کارخانہ وطن نے تیار کرایا ہے آجتک کسی شخص کو عبارت کی دقت کی وجہ سے اردو میں ترجمہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی کل اہم اسلامی علوم و فنون اور واقعات شہادت امام حسین پر مدلل بحث کیگئی ہے اصلی قیمت مکمل معہ (رعایتی (صر)

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب کا اردو ترجمہ خلفائے راشدین کی مستند ترین تاریخ اصلی قیمت (سے) رعایتی قیمت (صر)

سیرۃ الرسول حصہ اول و دوم اس میں نسب نامہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قبیلہ قریش کا نسب قبایل قوم عرب کی مختصر تاریخ قیمت ہر دو حصہ اصلی عہ رعایتی عہ

انجیل برنباس اس مقدس انجیل کا ترجمہ ہے جس کو عاملان دین عیسوی نے عہد تاریک میں بالکل نابود کر دیا تھا کیونکہ اس میں حضرت رسول مقبول کے ظہور کی صریح خبر موجود ہے (اصلی قیمت عہ رعایتی عہ

ترجمہ تفسیر کبیر فاتح العلوم تفسیر سورۃ الحمد مولفہ امام فخر الدین رازی لے ابتک اردو کا جامہ پہنانے کی کسی صاحب کو ہمت نہ پڑتی تھی کارخانہ وطن نے اس بھاری کمی کو پورا کر دیا اصلی قیمت (سے) رعایتی عہ

کلید خزاین قرآنی اس کی مدد سے کسی آیت کا ایک لفظ یا کلمہ یاد ہو تو بلا تامل پوری آیت کا ترجمہ معہ نشان سورت و تعداد آیت مل جاتا ہے مزید براں اس کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں لفظ کتنی مرتبہ اور کس کس سورت میں آیا ہے۔ اصلی قیمت چھ روپے رعایتی صہ

محصول بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ

منیجر کارخانہ وطن لاہور

فہرست مضامین

۷۸۶

اِشارات

(افسوس ہے کہ اس مرتبہ عین وقت پر جب کہ پرچہ کی طیاری کا زمانہ تھا، میں دردِ شقیقہ میں مبتلا ہوگیا اور آٹھ دس روز تک کسی دماغی محنت کے قابل نہ رہا۔ اس حالت میں اپنے فرائض ادارت بتمام وکمال انجام دینا میرے لیئے مشکل تھا۔ میں جناب ذوقی شاہ صاحب کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے میری اعانت فرمائی اور اس پرچہ کے لیئے اشارات تحریر فرمادیئے فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء)

ایڈیٹر

اِنسان ایک چھوٹا سا کارخانہ قائم کرتا ہے تو اس کی سلامتی کے لیے ایک مناسب تنظیم عمل میں لاتا ہے، قواعد وضوابط کو ترتیب دیتا ہے، تقسیم اوقات اور ترتیب کاروبار کا تعین کرتا ہے، دستور العمل بناتا ہے، اور اپنے فہم وبصیرت کے مطابق ہر قسم کی جزوی وکُلّی ضرورت کو ملحوظ رکھکر ہر قسم کا ضروری سامان پہلے سے فراہم کر رکھتا ہے یا اُس کے لیے کوئی مناسب انتظام اپنے ذہن میں سوچ لیتا ہے۔ مگر انسان بوجہ اپنی ناتجربہ کاری، نادانی، کم علمی، کوتاہ نظری اور دیگر کمزوریوں کے اُن معاملات میں اکثر غلطیاں بھی کرتا ہے۔ ٹھوکریں بھی کھاتا ہے، نقصان بھی اُٹھاتا ہے اور اپنے جدید تجربوں کی بنا پر اپنے کارخانہ کی تنظیم اور اس کے دستور العمل میں وقتاً فوقتاً ترمیم واصلاح کرتا رہتا ہے۔ مگر ہستیِ مطلق اِن جملہ نقائص سے پاک ہے۔ حق تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے، درست ہوتا ہے، اور کسی ترمیم واصلاح کا محتاج نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے بھی اس عظیم الشان کارخانۂ قدرت کے وجود میں لانے یعنی تخلیق کائنات سے قبل ہی سے اپنے

علم ازلی میں کائنات کے تمام جزوی اور کلی امور پر نگاہ ڈالکر ہر چیز کے مناسب حال انتظامات کا تعین فرمالیا ہے۔ ایک ترتیب قرار دے لی ہے۔ قواعد و ضوابط مرتب فرمائیے ہیں۔ کارخانے کے مختلف کُل اور مختلف پرزوں کے لیئے مختلف خدمات کی تخصیص فرمادی ہے۔ اُن کے بگڑنے، ٹوٹنے، زنگ آلود ہونے اور بیکار ہو جانے کی صورت میں اُن کی مرمت، اصلاح اور درستی کی تدابیر کا بھی تعین فرمار کھا ہے۔ حضرتِ انسان کو اُس کارخانۂ عظیم کی افسری، "ہتمی" مینیجری، انجینیری کے لیئے مختص فرمادیا ہے اور اُس کے سپرد یہ خدمت کر رکھی ہے کہ وہ اپنے مالک کی مرضی کے مطابق اس کارخانہ کو چلائے۔ یہ خدمت کوئی ایسی ویسی خدمت نہ تھی جسے ہر کس و ناکس بلا کسی تیاری کے بآسانی انجام دے سکے۔ بہت نازک اور بڑی ذمہ داری کی خدمت تھی۔ اس خدمت کی انجام دہی کے لیے خاص قسم کی قابلیت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انسان میں وہ قابلیت پیدا کرنے کیلیے جن جن باتوں کی ضرورت تھی اُن کا بھی پورا پورا انتظام فرمادیا گیا یہ حقیقتاً حق تعالیٰ کا اپنے بندے پر بہت بڑا احسان تھا کہ وہ اوسے عدم سے وجود میں لایا۔ اُسے بہت بڑا مرتبہ عنایت فرمایا یعنی اس زمین پر اُسے اپنا نائب، اپنا خلیفہ، اپنا وائسرائے بنایا۔ حق نیابت ادا کرنے کی قابلیت اپنے میں پیدا کرنے کی اُسے صلاحیت بخشی۔ اوس صلاحیت کو ترقی دینے کی اُسے راہیں سوجھائیں، اُس میں خرابیاں واقع ہو جائیں تو اونہیں دور کرنے کی تدبیریں بتائیں۔ اور اُس کے لیے ایک ایسا دستور العمل مرتب فرمادیا کہ صحیح طور پر پابندی کے ساتھ اُس پر عمل کرنے سے انسان اس جہان میں بھی سرفرازی حاصل کر سکتا ہے اور اُس جہان میں بھی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اپنے مالک، اپنے خالق، اپنے پروردگار اپنے اللہ کی خوشنودی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ دستور العمل چونکہ حق تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اس لیئے ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشوں سے پاک ہے اور اس سے مستغنی ہے کہ تجربہائے مابعد کی روشنی میں اس میں کسی ترمیم یا تغیر و تبدل یا اصلاح کی گنجائش پیدا ہو۔ ایسا عجیب و غریب اور اتنا عظیم الشان دستور العمل نازل فرماتے وقت حق تعالیٰ کی توجہ خاص اور نظر شفقت اپنے بندوں کی جانب ہوئی اور

اس رحمت خاص کے مبذول ہونے کا وقت نہایت برکت والا قرار پایا اور اس شفقت و رحمت و برکت کی شکرگذاری بندوں پر لازم ہوگئی۔ وہ واجب التعمیل دستور العمل قرآن پاک ہے اور وہ بابرکت وقت جبکہ حق تعالیٰ کی شفقت رحمت اور محبت کی نظر اپنے بندوں پر پڑی ماہ رمضان ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ

(۲ : ۲۳)

آیت مندرجۂ بالا میں ایک تو یہ بات بتلائی گئی ہے کہ قرآن هُدًی لِّلنَّاسِ ہے سب کے لیئے ہدایت ہے۔ نئی دنیا کے رہنے والے ہوں یا پرانی دنیا کے، ترکی ہوں یا تاتاری، زنگی ہوں یا فرنگی، چینی ہوں یا عرب، ایشیا والے ہوں یا یورپ والے۔ تعلیم قدیم کے پختہ مغز ہوں یا تعلیم جدید کے جدت پسند، فلسفی ہوں یا سائنس داں، قرآن سب کے لیے ہدایت ہے اور اس قرآن میں سب کے لیئے حق و باطل میں امتیاز کرنے کی بہت ہی نمایاں روشنی موجود ہے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ احادیث میں اس کی صراحت کردی گئی ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بجملةٍ واحدةٍ ماہِ رمضان میں نازل ہوا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا ۲۳ سال تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ اس مدت میں وہ پورا نازل ہوگیا۔ لوحِ محفوظ کی حقیقت اور آسمان دنیا کی حقیقت اور قرآن کے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر جملةً واحدةً نازل ہونے کی حقیقت سے اس وقت بحث نہیں نہ اس بحث کا یہ موقعہ ہے۔ یہاں تو بحث اس امر سے ہے کہ ماہ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں حق تعالیٰ کی نظر عنایت اپنے بندوں پر خاص طور سے مبذول ہوئی اور اس نظر عنایت کے نتیجہ میں بنی نوع انسان کے ہاتھ ایک عظیم الشان دولت آگئی جس سے سرفرازی دارین اور رضائے الٰہی خریدی جاسکتی ہیں۔

تعین ماہ کے ساتھ تخصیص وقت بھی فرما دی گئی ہے۔ قرآن مجید ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ ماہ رمضان کے کس حصہ میں نزول قرآن واقع ہوا اور وہ وقت کیسا برکت والا ہے اور ہر سال جب وہ وقت آتا ہے تو اس میں کیا کچھ ہوا کرتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

بنی نوع انسان کے لیے یہ عجیب و غریب دستور العمل، حاکم حقیقی کا اپنے محکوموں کے نام یہ فرمان شاہی، عاشقان الٰہی کے جلے بھنے دلوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا یہ نامۂ محبوب، اُس بارگاہِ وراءالوراء سے اُن ہی کے پہنائے ہوئے الفاظ کے لباس میں آراستہ ہو کر لیلۃ القدر میں نازل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ ہمنے اسے نازل کیا۔ قربان آپ پر اور آپ کے نازل فرمائے ہوئے پیامِ حیات پرور پر۔ کس آن بان سے پیام آتا ہے اور کس آن بان سے اُس کے آنے کی خبر دی جاتی ہے کہ ہمنے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا اور جانتے بھی ہو کہ لیلۃ القدر کس قدر وقیمت کی شب ہے جس میں ہم نے تمہیں اپنی ایک ادائے خاص سے دیکھا یہ ایسی برگزیدہ اور بابرکت شب ہے کہ ہر سال جب یہ آتی ہے تو ہماری جانب متوجہ ہونے والوں کی اس ایک شب کی عبادت سے اُنہیں اس قدر عظیم الشان فائدہ پہنچتا ہے کہ ایک ہزار مہینوں تک متواتر عبادت کرتے رہنے سے بھی اتنا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ یہ شاعری نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا فرمودہ ہے۔

خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ کلماتِ الٰہی ہیں۔ ذرا حساب لگا کر دیکھئے تو معلوم ہو جائیگا کہ ایک ہزار مہینوں کے تراسی سال چار مہینے ہوئے یعنی اگر کوئی عابد و زاہد و متقی و پرہیزگار شخص تراسی

سال چار مہینے مسلسل عبادت کرتا رہے تو اُسے اوتنا فائدہ نہ پہنچیگا جتنا کہ لیلۃ القدر کے شب بیدار کو اس ایک شب کی عبادت سے فائدہ پہنچانے کا حق تعالےٰ نے خود وعدہ فرمالیا ہے۔

دنیا کی حکومتوں کی طرح حکومتِ الٰہی میں بجٹ کی کمی پوری کرنے اور آمد و خرچ کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کے لیے تخفیف عمل میں نہیں آتی۔ ملازموں کی تنخواہیں کم نہیں کی جاتیں۔ اونہیں بلاوجہ برخاست نہیں کیا جاتا۔ قبل از وقت پنشن دیکر نکالا نہیں جاتا۔ عہدہ داروں کے الاونس بند نہیں کیے جاتے۔ اُس کی بارگاہ میں نہ کسی نعمت کی کمی ہے نہ بخل کو دخل ہے۔ اُس کی فیاضی کی کوئی انتہا نہیں۔ اُس کی رحمت کی وسعت لامحدود ہے۔ وہ دیتا ہے تو واپس نہیں لیتا۔ بخشش شروع کرتا ہے تو ہاتھ نہیں روکتا۔ نوازشات و عنایات کا سلسلہ جاری فرماتا ہے تو اُسے بند کرنے کا پھر نام نہیں لیتا۔ قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل فرماتے وقت اُس کی نظر لطف جو بندوں پر ہوئی تھی وہ ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ ہر سال جب یہ برکت والی شب آتی ہے تو نزول رحمت الٰہی میں پھر وہی شان پیدا ہو جاتی ہے اور یہ شان ایسی عجیب و غریب ہوتی ہے کہ اس کی سیر کے لیے جبرئیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ بھی اس زمین پر نزول کرتے ہیں۔ اور یہ نزول کوئی چوری چھپے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیاضیاں اُس شب میں اس قدر زوروں پر ہوتی ہیں کہ خود اُسے بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں چنانچہ وہ جبرئیل اور ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ تم بھی زمین پر جا کر دیکھو کہ میرے بندے میری یاد میں کیسے مصروف ہیں اور میں اون پر کیسی کیسی رحمتیں اور کیسے کیسے انعامات برسا رہا ہوں بلکہ تم چونکہ میری بارگاہ سے میرے بندوں کے پاس جا رہے ہو اس لیے تم بھی وہاں خالی ہاتھ نہ جاؤ بلکہ میری جانب سے میرے بندوں کے لیے سلامتی کا تحفہ لیکر جاؤ۔ چنانچہ اس شب میں ذاکرین و عابدین کے لیے سلامتی برستی ہے۔ اُن کی عبادتیں بھی مقبول ہوتی

ہیں۔ اون کی دعائیں بھی مقبول ہوجاتی ہیں اور وہ خود بھی مقبول ہوجاتے ہیں اور یہ سب کچھ طلوع فجر تک متواتر

اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمادیا کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے موقعہ پہ یہ بھی فرماد
لیلۃ القدر میں نازل ہوا جس سے یہ نتیجہ نکالنا تو آسان ہوگیا کہ لیلۃ القدر یقیناً ماہ رمضان ہی میں وا
ہوتی ہے۔ مگر یہ نہ ارشاد فرمایا کہ رمضان کی کونسی شب لیلۃ القدر ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہ پتا چلتا
کہ اس مبارک شب کو رمضان کے آخری دہے کی طاق شبوں میں مخفی رکھا گیا ہے۔ اس اخفا میں
بڑی مصلحت ہے۔ لیلۃ القدر کے اس طرح مخفی فرمادینے میں حق تعالیٰ کا یہ منشا ہے کہ اس شب کی تلا
میں لوگ کئی شب جاگیں۔ یہ اخفا گویا دعوت ہے متعدد شبوں میں جاگنے اور مصروف عبادت رہنے
لیلۃ القدر میں بندوں پر اس قدر عظیم الشان اور اتنے عجیب وغریب قسم کا انعام ہوتا ہے کہ جیس
اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ جاکر اس کی سیر
کریں۔ فرشتے تو اپنی ملکوتی بصیرت سے اس سیر کا کافی طور پر لطف حاصل کرسکتے ہیں۔ مگر انسان جو ک
کثافت کا پتلا اور ماسوائے اللہ میں جکڑا ہوا ہے اپنی کثافت جسمانی اور غیر اللہ میں انہماک ک
تاریکی اور مادی نظر کے غلبہ کی نحوست سے کیونکر ان انعامات لطیفہ کا لطف حاصل کرسکتا ہے۔ کی
تماشے کی بات ہوگی اگر فرشتے تو انسان پہ نوازشات کی بارش کی سیر کریں اور خود انسان جس پہ
بارش ہورہی ہے نوازشات کے لطف ادراک سے محروم رہے۔ اس لیے ضرورت ہوئی کہ لیلۃ ا
کے وقوع کے چند روز قبل سے انسان میں وہ تغیرات روحانی پیدا کیے جائیں جن سے انسان کی
ملکوتیت تیز ہوجائے۔ چنانچہ اوسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ماہ رمضان کا چاند دیکھتے ہی سال کے با
مہینوں میں صرف ایک مہینے کے لئے تو ملائکہ سے حتی الوسع مشابہت پیدا کرے۔ اخلاق ذمیمہ سے
معمول سے زیادہ اجتناب کرے۔ معصیت سے ہمیشہ سے زیادہ کنارہ کش رہے۔ جھوٹ نہ بو

غیبت نہ کرے۔ لہو و لعب سے پرہیز کرے۔ فضول اور بیہودہ چیزوں سے اجتناب کرے۔ دل کو ماسوی اللہ سے ہٹائے۔ دن میں روزے رکھے رات میں جاگے اور اللہ کو بہت یاد کرے۔ دن میں کلام الٰہی کی تلاوت اور رات میں اس کی سماعت سے اپنے قلب کو اللہ کے رنگ میں رنگے۔ توبہ و استغفار سے تزکیۂ نفس کر دے۔ ماسوائے اللہ سے آنکھیں بند کر کے کلمۂ طیبہ کی کثرت اور حق تعالیٰ کے اسماء تنزیہی و تقدیسی کے مراقبات سے عالم قدس سے اپنی مناسبت کو کئی دن پہلے سے بڑھانا شروع کر دے اور لیلۃ القدر کو مختلف شبوں میں ٹٹولتا رہے تاکہ جب لیلۃ القدر آئے تو اُس مبارک شب کی دلچسپیوں سے محظوظ ہونے کی اپنے میں صلاحیت پائے اور اللہ کے انعام کی قدر کر سکے اور اُس سے فائدہ اٹھا سکے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت کا نمونہ ہے۔ وہ جامع اضداد ہے۔ اُس میں علویت بھی ہے اور سفلیت بھی۔ وہ ملکوتیت اور بہیمیت سے مرکب ہے۔ روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ اُس کی ترقی کا دار و مدار اس پر ہے کہ اُس کی ہر صفت کو صحیح نشو و نما دی جائے۔ اُس کے اجزائے ترکیبی کا ہر جز ترقی کرے۔ اور اُس کے مختلف الماہیت اجزا میں ایک تناسب اور اعتدال قائم رہے۔ بدن انسانی عالم اجسام کی چیز ہے اور اپنے قیام کے لیے غذائے جسمانی اور دیگر ضروریات دنیوی کا محتاج ہے۔ روح عالم ملکوت کی چیز ہے اور اپنی ترقی اور بہتری کے لیے غذائے ملکوتی کی محتاج ہے جو لوگ ایک ہی جانب متوجہ رہتے ہیں اور دوسری جانب سے غفلت برتتے ہیں وہ انسانیت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جو بے پایاں نعمتیں اس دنیا میں موجود کیے گئے ہیں اس کے انجام دینے کی قدرت اپنے میں نہیں پاتے۔ اس لیے ان کی دنیوی زندگی بھی ناکام زندگی ہوتی ہے۔ دنیا میں آکر دنیا کی نعمتوں سے محظوظ نہ ہونا انسانوں کے لیے مشکل بات تھی۔ چنانچہ فطرت انسانی کی اس کمزوری پر

نظر ڈالکر طبیب حقیقی نے طب الٰہی میں سال کا بارہواں حصہ وہ اقل مدت قرار دیا ہے جس میں خواہشات نفسانی اور لذات جسمانی کی جانب فطرتاً مائل ہونے والا انسان کم از کم اس مدت میں یعنی سال میں ایک مہینہ تو روح کو اوس کی مطلوب اور مرغوب غذا پہنچانے میں منہمک رہے تاکہ حق انسانیت بھی کچھ پورا ہو اور نرے جانوروں ہی میں اس کا شمار نہ ہونے لگے۔ یاد رکھیئے کہ قرآن اور وہ برکتیں جو لیلۃ القدر میں نازل ہوتی ہیں انسانوں ہی کے لئے مختص ہیں۔ جانوروں کے لیے ان میں کوئی حصہ نہیں۔

روح چونکہ عالم لطیف یعنی عالم ملکوت کی چیز ہے جب اس عالم کثیف یعنی دنیا میں آتی ہے تو بوجہ ملکوتیت کے اُس پر ایک حُزن طاری ہوتا ہے اور اس خاصیتِ غم کا غلبہ روح پر موت کے وقت تک مسلط رہتا ہے۔ یہی سبب ہے جو انسان پر خوشی کا اثر بالعموم دیرپا نہیں ہوتا حالانکہ حزن وملال کے آثار اُس پر نسبتاً دیر تک قائم رہتے ہیں اور اُسے افسردہ اور شکستہ خاطر رکھتے ہیں۔ چنانچہ روح کو اس دنیا میں جس قدر خواہشات دنیا سے پاک کیا جائیگا اوسی قدر ملکوتیت کی شگفتگی اُس میں ترقی کریگی۔ اور انسان جس اصل کا ذرہ ہے اوس اصل کے ساتھ تعلق میں زیادتی محسوس کریگا۔ بخلاف اس کے طالب دنیا اور خواہشاتِ نفس کے پورا کرنے میں جو شخص جس قدر زیادہ انہماک رکھیگا وہ اوسی قدر زیادہ اپنی روح پر بارِ غم محسوس کریگا۔ خواہشات دنیا سے بے تعلقی پیدا کرنے اور مقتضیاتِ بشری کو روکنے کی مشق بہم پہنچانے کے لیے جملہ اقسامِ عبادات میں روزہ موثر ترین عبادت ہے۔ روزہ میں موت کی چاشنی کا لطف آجاتا ہے موت کے بعد انسان کو ترک لذّات پر مجبور رہنا پڑیگا۔ خواہشات نفس کے پورا کرنے پر اوسے قدرت نہوگی روزہ میں باوجود قدرت واختیار کے برقرار رہنے کے انسان اپنی خوشی سے یہ ترک واجتناب اپنے اوپر نافذ کرکے عالم بالا سے ایک مناسبت پیدا کرتا ہے اور صمدیت کی انعکاسی صفات سے کچھ عرصہ کے لیے موصوف ہوکر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے آثار کا اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے۔ بشری خواہشوں سے جدا ہوتا ہے

اور خدا کی ذات کی حقیقتوں تک پہنچنے کے لیے اپنے میں ایک جنبش پاتا ہے۔

روزہ انسان کو اوس کی اگلی پچھلی حالت کے متعلق بھی نشان دہی کرتا رہتا ہے۔ جسم میں آنے سے قبل روح میں کسی قسم کی خواہش نہ تھی۔ جسم سے نکل جانے کے بعد بھی اُس میں کوئی خواہش نہ رہیگی۔ جسم میں آکر البتہ اُسے خواہشات کی چاٹ پڑ جاتی ہے جب وہ جسم سے نکلتی ہے تو ہمنشینیٔ جسم کے زمانہ میں جن خواہشات کی وہ عادی ہو چکی ہے اُن کے اثرات اُس میں کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں جو اُس وقت روح کے لیے نہایت درجہ تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔ روزہ میں چونکہ خواہشات کو عارضی طور پر روکا جاتا ہے اس بات پر غور کرنے کا موقعہ ملتا ہے کہ ہم کسی زمانہ میں ایسے تھے کہ کسی قسم کی خواہش نہ رکھتے تھے اور کسی زمانہ میں ایسے ہو جائیں گے کہ کسی خواہش کی ضرورت ہی نہ رہیگی۔ اِن امور پر غور کرنے سے خواہشات کی بے وقعتی اور ان کا تکلیف دہ ہونا آشکارا ہو جاتا ہے۔

روزہ ایک روحانی مسہل ہے۔ ایک باطنی غسل ہے جو سال بھر کی بے اعتدالیوں کے مضر اثرات کو زائل کر دیتا ہے اور انسان کو کثافت آمیز ناسوتیوں کی صف سے نکال کر تھوڑی دیر کے لیے ملکوتیوں کی صف میں شامل کر دیتا ہے۔ روزہ کی حالت میں بندہ کو فرشتوں سے ایک مماثلت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرشتے کچھ کھاتے نہیں۔ پیتے نہیں۔ ہر وقت خدا کی عبادت اور فرماں برداری میں منہمک رہتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں بندہ بھی کچھ کھاتا پیتا نہیں اور خدا ہی کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف کھانے پینے کا ترک کر دینا اور خدا کی عبادت میں مشغول نہ ہونا روزہ کے حقیقی مفاد سے انسان کو محروم رکھتا ہے۔ غیر اللہ میں انہماک اور کذب و غیبت اور لہو و لعب او دیگر بیہودگیوں میں مبتلا رہنا گویا روزہ کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔ ایسا بے ثمر روزہ رکھنا حقیقتاً روزہ نہیں ہے بلکہ فاقہ ہے۔ خواجہ فرید الدین

عطارؒ فرماتے ہیں ؎

روزہ حفظ دل است از خطرات
بعد ازاں از مشاہدہ افطار

روزہ کے روحانی اور حقیقی فوائد کے متعلق تو اشارات مندرجۂ بالا میں کسی نہ کسی حد تک روشنی ڈالدی گئی ہے مگر آج کی صحبت برخاست ہونے سے قبل میں دو دو باتیں اُن حضرات سے بھی کرلینا چاہتا ہوں جو نئی روشنی کے دلدادہ اور تحقیقات جدیدہ پر فریفتہ ہیں اور اسلام کی ہر بات کو اپنی ہی عینک سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ یہ دنیا بھی عشاق کا اکھاڑہ ہے۔ یہاں ہر شخص کسی نہ کسی لیلیٰ کا متوالا ہے جو لیلائے جسم پر عاشق ہیں اُنہیں آج کل کی مہذب زبان میں پالیٹکس کا مجنون کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ کے پالیٹکس کو صرف جسم ہی سے سروکار ہے۔ پولٹیکل لیلیٰ کے دیوانے ہر چیز کو اپنی ہی عینک سے دیکھتے ہیں، اپنے ہی مطلوب تک رسائی کا اُسے ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس سے تجاوز کرنا اپنی مصلحت کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ ہر مفید چیز میں اُن کی نظر پولیٹیکل یا جسمانی مفاد ہی میں اٹک کر رہ جاتی ہے اور ہر مُضر چیز میں اونہیں صرف پولٹیکل یا جسمانی مضرت ہی کھٹکتی رہتی ہے۔ **نماز** میں اُنکے نزدیک صرف یہی خوبی ہے کہ اس کی بدولت محلہ کے مسلمان دن میں پانچ بار اکھٹے ہوجاتے ہیں جس سے اُنہیں تبادلۂ خیالات اور قومی معاملات میں مشاورت اور مشارکت کا بہت اچھا موقعہ ہاتھ آسکتا ہے۔ **جمعہ کی نماز** کے طفیل شہر کے مسلمانوں کی ہفتہ وار کانفرنس ہوجاتی ہے **عیدین** کے موقعوں پر گرد و نواح کے مواضعات کے مسلمان بھی کانفرنس میں آکر شامل ہوجاتے ہیں۔ **زکواۃ** سے پبلک یا قومی فنڈ کو تقویت پہنچتی ہے۔ **حج** کا فلسفہ اُن کے نزدیک بس اسی قدر ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی ایک عظیم الشان سالانہ کانفرنس منعقد ہوجاتی ہے جس میں ملکی اور ملی مصالح کی گُتھیاں مشورہ باہمی سے سلجھا لینے کا نہایت اچھا

موقع ہے۔ **روزہ** سے اونہیں اس لیے اتفاق ہے کہ اُس کے ذریعہ اُن کی صحت جسمانی کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے
بھوکوں کی تکلیف کا ذاتی احساس لوگوں میں پیدا ہوتا ہے، اور کسی آڑے وقت ضرورت پیش آجائے تو
بھوک پیاس کی حالت میں بھی قومی مفاد کے امور میں عملی حصہ لینے کی عوام کو مشق بہم پہنچتی رہتی ہے۔ اگر وہ
یہ کہیں کہ منجملہ دیگر بڑے بڑے فوائد کے یہ بھی ایک فائدہ ہے جو جسم سے متعلق ہے تو ہمیں اُن کی بات کے مان
لینے میں ممکن ہے کہ کوئی عذر نہ ہو، لیکن جب وہ اپنی ہی لیلیٰ کے گرد طواف کیے جاتے ہیں اور دیگر اہم تر
مصلحتوں کی نفی کر کے اِن ارکان مذہبی کی صرف پولٹیکل مصلحتوں ہی کے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنی
ہی بات پر اڑے رہتے ہیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

وہ بیچارے اپنی حدِ نظر سے آگے بڑھنے سے مجبور ہیں۔ اُن کی لیلیٰ کا اون پر پورا تسلط ہو گیا ہے
اور دنیا کی ہر چیز اونہیں صرف ان کی لیلیٰ ہی کی جانب رہنمائی کرتی دکھائی دیتی ہے۔ چادر کے کونے میں
موتی باندھکر ایک گنوار سے پوچھا گیا کہ بتاؤ اس چادر میں کیا بندھا ہے؟ اُس نے ٹٹول کر جواب دیا کہ چنے
بندھے ہیں۔ وہ گنوار بیچارہ اس جواب پر مجبور تھا۔ اُس کی نگاہ چنوں سے آگے جا ہی نہ سکتی تھی۔ موتیوں کا
وجود اس کے نزدیک عدم سے۔

اعتذار

میری ناسازی مزاج کا سلسلہ پوری طرح ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ یکایک ایک رفیق کار کے نقض عہد نے ایسی
حالات پیدا کر دئے جس سے ترجمان القرآن کی زندگی خطرے میں پڑگئی اور اس ناخوشگوار قضیہ نے پورا ایک ہفتہ
ضائع کر دیا اسی وجہ سے یہ پرچہ بہت تاخیر کے ساتھ شائع ہو رہا ہے جس کا مجھے سخت افسوس ہے۔ مگر گزارش ہو گا اگر ناظرین کرام اس عذر کو
قبول فرمائیں گے۔ الحمدللہ کہ اب خطرات دور ہو گئے ہیں اور پرچہ محفوظ ہو چکا ہے

ابو الاعلیٰ

سعد و نحس

از

مولانا عبداللہ العمادی

(۱)

کلام عرب میں "سعد" سے یمن و برکت اور "نحس" سے اُس کا جانب مقابل مراد لیتے ہیں اسی طرح "نحوست" کی نقیض "سعودت" ہے "سعادت" نہیں ہے، محاورہ میں "سعادت" کے مخالف "شقاوت" ہے، سعادت کے ساتھ نحوست نہ کہینگے، سعودت کہینگے۔

"سعد" اُس پانی کو بھی کہتے ہیں جو آب پاشی کے وقت نالیوں کے باہر بہنے لگتا ہے، جاہلیت میں اس کا آبیانہ بھی دینا پڑتا تھا اسلام نے ممانعت کردی، حدیث میں ہے:۔

کُنّا نکری الارض بما علی السواقی وما سعد من الماء فیھا فنھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک۔

ایک طریقہ سعد کرنے کا بھی تھا جسے "اسعاد" کہتے تھے، کوئی مرجاتا تو گھروالیوں کے ساتھ نوحہ کرنے کے لیے ہمسائیاں آتیں اور بین میں شریک ہوجاتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منع فرمایا کہ لا اسعاد ولا عقر فی الاسلام

دس کواکب قمر بھی ہیں جنھیں "سعد" کہتے تھے۔

"سعد" کے ایک معنی کلام اللہ میں بھی ہیں:۔ وَاَمّا الَّذِیْنَ سُعِدُوا۔ الآیہ (یعنی وہ لوگ جو سعد ہوئے) مطلب یہ ہے کہ توفیق الٰہی نے جن کی اعانت کی۔

"نحس" کے معنی بھی ملاحظہ ہوں۔

کسی اچھی چیز کا کسی پر برا اثر پڑتا تو اس کو "نحس" کہتے۔

ابلغ جذاما ولخما ان اخوتهم
طيّا وبهراء قوم نصرهم نحس

گردو غبار پر بھی نحس کا اطلاق ہوتا۔

اذا هاج نحس ذو عثانين والتقت
سباريت اغفال بها الآل يمصح

تندو تیز ہوا بھی "نحس" تھی

وفي شمول عرضت للنحس

شدید سردی کا نام بھی "نحس" تھا

كأن سلافة عرضت لنحس
يحيل شفيفها الماء الزلالا

۲

جن بے عقلی کی باتوں کو وقتاً فوقتاً مذاہب کے دامن میں پناہ ملتی رہی ہے اور دوست نما دشمنوں کی عنایت سے اسلامی شائستگی پر حملہ کرنے کے لیے جو اسلحہ فراہم کیے گئے۔ انھیں میں سعد و نحس کا ایک مسئلہ بھی ہے۔ شریف گھرانوں میں سعد و نحس کا جس قدر لحاظ ہوتا ہے اور عورتیں اور ان کے ماتحت مرد جس طرح اس ضابطہ کی پابندی فرض سمجھتے ہیں وہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے جس کے نتائج نظر انداز ہو سکیں شادی کے لیے سبھ لگن کی تلاش ہوتی ہے۔ نیک گھڑی دیکھی جاتی ہے۔ زائچہ ولادت (جنم پترا) کے حساب سے دولہا دولہن کے مزاج کے موافق پنڈت جی اچھی ساعت بچار رتے ہیں۔ جناب قبلہ و کعبہ

ایام سعد و نحس کی گھڑیاں اور تاریخیں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دیکھنا کہیں قمر در عقرب نہ ہو ورنہ غضب ہی آجائے گا۔ سفر میں نکلنا ہو تو سمت سفر کی اچھی طرح تحقیق کرو۔ راستے میں رجال الغیب تو نہیں پڑتے۔ اگنی اور نیرت اور بایٔب کے گوشے دیکھ لینے چاہئیں۔ راہ میں کسی جگہ پاتراب رکھوا دو۔ پھر دوسرے دن سفر کو نکلو۔ نئے کپڑے بنوانے۔ بچہ کا دودھ چھڑانے عقیقہ کرنے۔ مکتب میں بٹھانے مکان کی نیو ڈالنے۔ شادی۔ بیاہ رخصتی۔ غرض کہ دنیا کا کوئی ایسا کام دھندا نہیں ہے جس میں کسی قسم کی اہمیت ہو اور پھر اُس کے لیے دن۔ تاریخ۔ گھڑی نہ دیکھی جائے اور سعد و نحس کی تحقیق نہ ہو۔ یہ رواج اِس قدر عام ہے۔ کہ جنتریوں میں اس کے لیے خاص جدولیں ہوتی ہیں اور وہی تقویمیں نامی و علمی سمجھی جاتی ہیں جن میں سال بھر کے پچھتر اور لگن کا پورا پورا احساب ہو۔ ناممکن ہے کہ قمر در عقرب یا چاند گرہن اور سورج گرہن میں کوئی تقریب ہونے پائے۔ ہالی کا دنبالہ (ہالی کومٹ) نمایاں ہوا اور گھروں میں نحوست کی جھاڑو پھر گئی۔ ملک بھر میں ڈر کے مارے تمام تقریبیں بند ہوگئیں کہ نہ معلوم کیا نحوست پھیلے اور دم دار تارے کی شومی کیا روز بد دکھلائے۔ ادبیات کے ذریعہ سے اِن خیالات کی توسیع میں اور بھی مدد ملی اور گو پہلے یہ باتیں محض ایک انوکھی بات سمجھ کر نظم ہوتی تھیں مگر حقیقی اسلامی تعلیم کی روشنی جس قدر کم ہوتی گئی اور تاریکی میں اضافہ ہوتا رہا۔ اُسی قدر عام رائے میں یہ توہمات راسخ ہوتے گئے اور اب تو بالکل محال ہے کہ منحوس تاریخ میں کوئی نیک تقریب ہوسکے۔ یہ باتیں عام عقائد میں داخل ہوگئی ہیں اور اگر جزو اسلام نہیں تو اسلامی رسم و رواج کے ایک نہایت طاقتور جزو ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہوسکتا۔

اِن توہمات کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں :۔

(الف) خود قرآن میں سعد نحس کا تذکرہ ہے۔

(ب) حدیثیں نحوست کی قائل ہیں۔

(ج) مذہبی روایتیں بعض دنوں کے اچھے بُرے ہونے کے حق میں ہیں۔

(د) سعادت و نحوست کی واقعیت پر مسلمانوں کا عام اجماع ہے اور اس عقیدہ کی تاریخ صدیوں سے متجاوز ہے۔ میرزا آفتاب لکھتے ہیں:-

زخال گوشۂ ابروئے یار می ترسم　　ازیں ستارۂ دنبالہ دار مے ترسم

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:-

دی در میان زلف بدیدم رخ نگار　　بر ہیأتے کہ ابر محیط قمر شود

گفتم کہ ابتدا کنم از بوسہ گفت نے　　بگزار تا کہ ماہ ز عقرب بدر شود

امام رازی جو علوم اسلام کے نامور علامہ اور ممتاز ترین مفسر تھے۔ سورۂ حٰم فصلت کے پندرھویں آیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

ستارہ شناسوں میں جو لوگ علم احکام[1] کے عالم ہیں وہ آیت فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں۔ کہ بعض دن کبھی سعد ہوا کرتے ہیں کبھی نحس ان کا قول ہے کہ یہ مطلب اس آیت سے صراحت کے ساتھ نکلتا ہے۔ متکلمین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایام نحسات سے گرد و غبار کے دن مراد ہیں جن میں اس قدر خاک اڑ رہی تھی کہ نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ کام کر سکتے تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان دنوں کے نحس ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد و ثمود کو انہیں دنوں میں ہلاک کیا تھا۔

استدل الاحکامیون[1] من المنجمین بهذه الآیة علی ان بعض الایام قد یکون نحساً وبعضها قد یکون سعداً وقالوا هذه الآیة صریحة فی هذا المعنی۔ اجاب المتکلمون بان قالوا "ایام نحسات" ای ذوات غبار وتراب ثائر لا یکاد یبصر فیه ویتصرف۔ وایضا قالوا معنی کون هذه الایام نحسات ان الله اهلکهم فیها۔

[1] یعنی وہ لوگ جو ستاروں کی رفتار و اثر کے رو سے عالم میں تغیرات کی پیشینگوئی کیا کرتے ہیں۔ منجمین کی اصطلاح میں اس فن کا نام "فن احکام" یا "علم احکام" ہے۔

احاب المستدل الاول بان النحسات في وضع اللغة هي المشئومات لان النحس يقابله السعد والكدر يقابله الصافي. واجاب عن السوال الثاني ان الله تعالى اخبر عن ايقاع ذلك العذاب في تلك الايام النحسات فوجب ان يكون تلك الايام نحسة مغايرًا لذلك العذاب الذي وقع فيها لہ۔

جن لوگوں نے پہلے استدلال کیا تھا اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لغت میں نحس کا لفظ شوم (نحوس) کے لیے وضع ہوا ہے اس لیے کہ نحس کے مقابلہ میں سعد اور کدورت کے مقابلہ میں صفائی کا استعمال ہوا کرتا ہے۔ دوسرے سوال کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ عذاب انہیں نحس دنوں میں واقع ہوا تھا۔ لہذا ضروری ہے کہ ان دنوں کا منحوس ہونا اس عذاب (گرد و غبار) کے علاوہ ہو جو ان دنوں میں واقع ہوا تھا (اور جس سے عاد و ثمود کی قومیں جن کا آیت میں تذکرہ ہے ہلاک ہوئی تھیں لہ

ایک دوسرے مقام پر خاص خاص اوقات کے سعد اور بابرکت ہونے کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

لا يبعد من الفاعل المختار تخصيص وقت معين باحداث العالم فيه دون ما قبله وما بعده - فان بطل هذا الاصل فقد بطل حدوث العالم وبطل الفاعل المختار وحينئذ لا يكون للخوض في تفسير القرآن فائدة وان صح هذا الاصل فقد زال ما ذكرتم

خدا جو اپنے کاموں میں ہر طرح سے صاحب اختیار ہے اس سے کیا بعید ہے کہ عالم کو کسی وقت میں پیدا کرے اور اس وقت کو بغیر اس کے کہ قبل و بعد کا لحاظ ہو خاص فرمائے۔ یہ اصل نا معقول ہی اگر غلط ٹھہرا تو عالم کا پیدا ہونا بھی غلط ہو جائیگا اور فاعل مختار (اللہ تعالیٰ) کا ثبوت بھی غلط ٹھہریگا۔ ایسی حالت میں قرآن کی تفسیر میں غور و خوض کرنا بیفائدہ ہے۔ اور اگر یہ اصل الاصول صحیح اترا تو تم نے جو اعتراض کیا ہے اس کا ازالہ

لہ تفسیر کبیر۔ جلد ۷ صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۴ ؛

من السؤال. فهذا هو الجواب المعتمد
والناس قالوا لا يبعد ان يخص الله تعالىٰ
بعض الاوقات بمزيد تشريف
حتى يصير ذلك داعيا للمكلف الى
الاقدام على الطاعات فى ذلك الوقت
ولهذا السبب بين انه تعالىٰ اخفاه
فى الاوقات وما عينه لانه اذا لم
يكن معينا جوز المكلف فى كل وقت
معين ان يكون هو ذلك الوقت
الشريف فيصير ذلك حاملا له
على المواظبة على الطاعات فى كل
الاوقات. واذا وقفت على هٰذا
الحرف ظهر عندك ان الزمان و
المكان انما فازا بالتشريفات الزائدة
تبعا لشرف الانسان فهو الاصل
وكل ما سواه فهو تبع له ؎

ہوگیا۔ یہی جواب قابلِ اعتماد ہے۔
علاوہ بریں لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ بعید نہیں اگر اللہ تعالےٰ
کسی وقت کو زیادہ بزرگی و شرافت کے ساتھ مخصوص کردے
کہ یہ امر اُس خاص وقت میں لوگوں کے لیئے عبادت کرنیکا
محرک ہوا کرے۔ یہی سبب ہے کہ تمام وقتوں میں برکت
والی رات (شبِ قدر) کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے
چھپا رکھا ہے اور اُس کی تعین نہیں کی ہے۔ کیوں کہ
اگر وقت معین نہ ہوگا تو جائز ہے کہ ہر ایک وقت معین
کی نسبت لوگ سمجھیں کہ یہ وہی شریف و سعید وقت ہے،
اور اس بنا پر ہر وقت عبادت کرنیکی تحریک پیدا کریگی
اس مطلب سے واقف ہونے کے بعد تم پر اُس کی حقیقت
کھلیگی کہ محض انسان کے شرف کے ضمن میں زمان و مکان بھی شرافت
وسعادت کی زیادتی میں کامیاب ہوئے ہیں۔
اصل انسان ہی ہے۔ اُس کے علاوہ جتنی چیزیں
ہیں سب کی سب انسان کی تابع اور اُسی کے
لیئے ہیں ؎

اِن مسائل کو منقح کرنے سے پیشتر اُن آیتوں کو بھی سُن لینا چاہیئے جن سے سعد و نحس کا مضمون

؎ تفسیر کبیر جلد ، صفحہ ۱۳۰۔ مسلمانوں کو امام صاحب کا یہ اصول یاد رکھنا چاہیئے کہ سعد و نحس کا مبنی اصل میں انسان ہی ہے، اور اُسی کی وجہ سے دوسری چیزیں بھی سعد و نحس سے منسوب ہوئی ہیں۔

پیدا کیا جاتا ہے۔ سورۂ حٰم السجدہ میں ہے:۔

فَاِنْ اَعْرَضُوا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ
صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ
وَّثَمُوْدَ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ
شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ۔ فَاَمَّا عَادٌ
فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ
مِنَّا قُوَّةً ؟ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ
اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ؟ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ
نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ
الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

پس اگر (سمجھانے پر بھی) سرتابی کریں تو (اے
پیغمبر تم اُن سے) کہدو کہ جیسی کڑک عاد و ثمود پر
ہوئی تھی اُسی طرح کی کڑک سے میں تم کو ڈراتا ہوں
کہ اُن کے پاس (بھی) اُن کے آگے سے اور
اُن کے پیچھے سے (یعنی کثرت سے) پیغمبر آئے
(اور پیغمبروں نے اُن کو سمجھایا) کہ خدا کے سوا کسی کی
عبادت نہ کرو، وہ لگے کہنے اگر ہمارے پروردگار کو
(پیغمبروں کا بھیجنا) منظور ہوتا۔ تو (آسمان سے)
فرشتے اُتارتا۔ غرض جو (دین) دیکر تم لوگ بھیجے گئے
ہو ہم تو اس کو مانتے نہیں۔ سو (وہ جو قبیلہ) عاد (کے
لوگ تھے) لگے ناحق تکبر کرنے اور بولے کہ بل بوتے میں
ہم سے بڑھکر اور کون؟ کیا ان کو اتنا نہ سوجھا کہ جس اللہ
نے انکو پیدا کیا وہ بل بوتے میں اُن سے کہیں بڑھ چڑھکر
ہے۔ غرض وہ لوگ ہماری نشانیوں سے انکار کرتے ہی
رہے تو ہمنے (بھی) نحوست کے دنوں میں اُن پر بڑے
زور کی آندھی چلائی تاکہ دنیا کی زندگی میں اُن کو ذلت
کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو انکو
(دنیا کے عذاب سے کہیں) زیادہ رسوا کرنے والا ہوگا

وھُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ (سورہ ۴۱۔ رکوع ۲۔ آیت ۱۵۔۱۶) اور اُس وقت اُن کو کسی طرف سے مدد (بھی) نہیں ملیگی

سورۂ قمر میں ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ۔ تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ؟

(سورہ ۵۴۔ رکوع ۱۔ آیت ۱۰۔۱۳۔)

قوم عاد نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا تو ہمارا عذاب اور ہمارا ڈرانا (دیکھا اس کا انجام) کیسا ہوا۔ کہ ہم نے ایک منحوس دن میں جس کی نحوست (کسی طرح ٹالے) نہیں ٹلتی تھی ان پر ایک زناٹے کی آندھی چلائی (اور) وہ لوگوں کو (جگہ سے ایسا) اُکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اُکھڑی ہوئی کھجوروں کے بوتے ہیں[1] تو ہمارا عذاب اور ہمارا ڈرانا دیکھا اُس کا انجام) کیسا ہوا؟

(۴)

ان آیتوں میں بلکہ اس تمام مضمون میں صرف دو باتیں قابل تنقیح ہیں:۔

(الف) منحوس دنوں سے قرآن کریم میں کیا مقصود ہے؟

(ب) کیا اسلامی تعلیمات واقع میں عقیدہ سعد و نحس کے جانبدار ہیں؟

پہلی تنقیح کے جواب میں ذیل کی حدیثیں جن کو علامہ ابن جریر نے مکمل سلسلہ سند اور مستند راویوں کے وثوق پر روایت کیا ہے۔ قابلِ ملاحظہ ہیں:۔

عن ابن عباس قولہ فی "ایام نحسات" قال ایام متتابعات انزل اللہ فیھن العذاب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نحوس دنوں سے مراد پے درپے آنے والے دن ہیں جن میں خدا نے عذاب نازل کیا تھا۔

[1] اردو میں "بوتہ" درخت کے "تنہ" کو کہتے ہیں۔

قال ابن زید فی قولہ "ایام نحسات" قال النحس الشر ارسل علیھم ریح شر لیس فیھا من الخیر شیء عن عبید قال الضحاک یقول فی "ایام نحسات" قال شداد [1]

حضرت ابن زید "ایام نحسات" (نحوس دنوں) کی تفسیر فرماتے ہیں کہ نحس شر (برائی) کو کہتے ہیں یعنی کہ قوم عاد پر ایسی بری ہوا کا طوفان آیا تھا جس میں کچھ بھی خیر نہ تھی۔ عبید کہتے ہیں کہ میں نے ضحاک کو "ایام نحسات" کی تفسیر میں کہتے ہوئے سنا کہ وہ نحس دن تھے یعنی سخت دن تھے۔ [1]

(۵)

کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جن میں نحس کے معنی شوم اور نحوست ہی کے لیے گئے ہیں اور خود علامہ ابن جریر بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

قولہ "فی یوم نحس مستمر" یقول فی یوم شرٍ و شؤمٍ لھم [2]

آیت "نحوس دن میں جسکی نحوست کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی تھی" منحوس دن سے وہ دن مراد ہے جو قوم عاد کے لیے برا اور منحوس تھا۔ [2]

حدیثوں میں بھی یہی مضمون ہے مثلاً

عن قتادۃ فی "ایام نحسات" ایام واللہ کانت مشئومات علی القوم عن السدی فی "ایام نحسات" قال ایام مشئومات علیھم [3]

ایام نحسات (منحوس دنوں) کی تفسیر میں قتادہ کی روایت ہے کہ خدا کی قسم وہ دن عاد کیلیے منحوس تھے سدی ایام نحسات کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ کہ وہ دن قوم عاد پر نحس تھے [3]۔

[1] تفسیر ابن جریر۔ جلد ۲۴۔ صفحہ ۶۰
[2] تفسیر ابن جریر۔ جلد ۲۷ صفحہ ۵۲
[3] تفسیر ابن جریر۔ جلد ۲۴۔ صفحہ ۶۰

یہ حدیثیں تین خاص باتیں بتا رہی ہیں :-

(الف) نحوست کے وہ معنی جو آج کل مشہور و معروف ہیں قرآن کریم میں کہیں بھی مستعمل نہیں ہوئے۔

(ب) صحابہؓ و تابعینؒ کسی دن کی نحوست کے قائل نہ تھے۔

(ج) نحوست کا مفہوم اُس زمانہ میں صرف اِس قدر تھا۔ کہ اگر کسی شخص یا قوم پر کبھی مصیبت و بلا نازل ہوتی تو اُس مصیبت و ابتلا کی وجہ سے وہ دن مخصوص طور پر اُس قوم کے لیے منحوس دِن مانا جاتا تھا۔ یہ مطلب نہ تھا کہ عام طور پر اُس دن میں نحوست آ گئی۔ دنیا بھر کے لیئے وہ دن منحوس ہو گیا یا اُس دن کے بعد بھی اُسی نحوست و مصیبت کی مناسبت سے جب جب وہ دن آئے گا ہمیشہ منحوس سمجھا جائیگا۔ ان باتوں کا نام و نشان تک نہیں ملتا نہ اسلام ان کا موید ہے نہ بزرگان اسلام ان کے قائل تھے اور نہ اہلِ عرب کے رسم و رواج ہی سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ یہ باتیں اُس وقت کی ہیں جب اسلامی تمدن کمزور ہو چلا تھا اور فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا۔ (اسلام خدا کی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے) کی سادگی پر عجمیت کا رنگ روپ چڑھ چلا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلے کی کتابوں میں موجودہ توہمات کے مطابق سعد و نحس کا کہیں تذکرہ تک نہیں ملتا۔

رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے تعلیمات اس باب میں کیا ہیں؟ یہ مسئلہ کسی قدر تشریح طلب ہے بے شبہہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو حدیث نبوی کے الفاظ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی تھی مگر یہ غلطی زیادہ دیر تک نہیں رہنے پائی اور اُنہیں دنوں میں اس کی تصحیح ہو گئی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

عن عبد اللّٰہ بن عمر انہ قال سمعت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اُنہوں نے

النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے
"انما الشؤم فی ثلاثۃ فی الفرس	سُنا کہ "نحوست محض تین چیزوں میں ہے۔
والمرأۃ والدار"	گھوڑے میں۔عورت میں۔اور گھر میں"

علامۂ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "تمام محققین کا اتفاق ہے کہ عہد جاہلیت میں لوگ اس امر کے معتقد تھے۔ کہ گھوڑے میں۔عورت میں اور گھر میں نحوست ہوا کرتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُنہیں کے اعتقاد کو بیان کیا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو بھی ان چیزوں کی نحوست کا قائل رہنا چاہیئے۔حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نحوست اور بدشگونی کی مطلق قائل نہ تھیں۔جاہلیت میں شوال کا مہینا شادی بیاہ کے لیئے منحوس سمجھا جاتا تھا۔اسی لیے مدینۂ مبارکہ کی عورتوں میں یہ وہم سمایا ہوا تھا۔کہ شوال میں اگر زفاف ہوا تو شوہر کی طرف سے بیوی کو خوشی نصیب نہ ہوگی۔حضرت عائشہؓ سے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:۔

مَا تزوّجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے شوال
وسلّم الّا فی شوّال ولا بنی بی الّا فی	ہی میں بیاہا اور شوال ہی میں زفاف کیا۔تباؤ
شوّال فمن کان احظی منّی عندہ ؟ و	مجھ سے زیادہ آپ کے ہاں کس کی قدر تھی؟
کان یستحب ان ید خل علی نسائہ	آپ تو شوال میں اپنی بیویوں کے پاس آنا
فی شوّال [1]	مستحب جانتے تھے۔[1]

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر معلوم ہوا کہ نحوست اور بدشگونی کی تائید میں ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کر رہے ہیں۔آپ اس پر سخت ناخوش ہوئیں اور روایت کی تصحیح کر دی۔امام طحاوی فرماتے ہیں:۔

[1] عینی (عمدۃ القاری۔طبع قسطنطنیہ) جلد ۶ صفحہ ۶۰۱

عن ابی حسان قال دخل رجلان من بنی عامر علی عائشة فاخبراها ان ابا هریرة یحدث عن النبی صلی الله علیه و سلم انه قال الطیرة فی الدار و المرأة والفرس فغضبت وقالت " و الذی نزل القران علی محمد (صلی الله علیه وسلم) ما قالها رسول الله صلی الله علیه وسلم قط انما قال ان اهل الجاهلیة کانوا یتطیرون من ذلک ۔[1]

ابوحسان سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی عامر کے دو شخصوں نے حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوکر خبر دی کہ ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے روایت کرتے ہیں کہ "بدشگونی گھر میں اور عورت میں اور گھوڑے میں ہوتی ہے " آپ نے ناخوش ہو کر کہا " قسم ہے اُس خدا کی جس نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر قرآن اُتارا۔ آنحضرت نے یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے تو فقط یہ بیان کیا تھا۔ کہ " جاہلیت میں لوگ ان چیزوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے [1]

اس تصریح کے بعد کیا کسی تحقیق پسند و منصف مزاج کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ مذہبی روایتیں سعد و نحس کی جانبدار ہیں۔ یا اسلامی تعلیمات سے اس عقیدہ کی تائید ہوتی ہے یا عوام کے توہمات اور شاعروں کے مفروضات و تخیلات کا اس پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے ؟ خدا کسی وقت کو اگر چاہے تو ممکن ہے۔ برکت عطا فرمائے یا منحوس کر دے۔ لیکن اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ اس نے ایسا کیا اور یہ امکان وقوع کے درجہ میں آ گیا۔

—————(۷)—————

یہ تسلیم کہ " نحوست سے یہی نحوست مراد ہے۔ اس لیے کہ عربی زبان میں نحس کے مقابلہ میں سعد کا لفظ استعمال ہوا کرتا ہے " چنداں اہم نہیں ہے۔ کیونکہ لغت میں سرد ہوا

[1] عینی (عمدۃ القاری۔ طبع قسطنطنیہ) جلد ۲ صفو ۲۰۱ ؛

اور فضائے آسمان کو گھیرے ہوئے گرد و غبار کے لیے بھی نحس کا لفظ وارد ہے اور قرآن کریم کے سیاق سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بد اختری و نا فرجامی بھی نحس کے معنی بتائے گئے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعد کے لغت نویسوں کو غالباً عالمگیر توہمات سے مغلوب ہو کر قرآن کی مفروضی تائید کیلئے یہ معنے پیدا کرنے پڑے۔ ورنہ ابتدائی کتابوں میں اس کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ تفسیر کبیر کا یہ اقراض بیشک وزن رکھتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے چونکہ خبر دی ہے کہ منحوس دنوں میں قوم عاد پر عذاب ہوا تھا۔ اس لیے ضرور ہے کہ ان دنوں کی نحوست اس عذاب کے علاوہ ہو جو انہیں دنوں میں نازل ہوا تھا" مگر اہل نظر بھی تو یہی کہتے ہیں کہ دن کی نحوست اور چیز تھی اور جو عذاب اس دن نازل ہوا وہ اور ہی تھا۔ دن کی نحوست تو یہ تھی کہ گرد و غبار سے بھرا ہوا تھا۔ اور عذاب یہ نازل ہوا کہ اسی عالم میں ہولے سرد کے طوفان نے تباہ دیں ہلا دیں؟

جن چیزوں کا مشاہدات سے علاقہ نہیں ہے ان کی وقعت تسلیم کرنے کے لیے دو ہی صورتیں ہیں۔

(۱) مذہب اُن کا حامی ہو۔

(۲) وہ بات عقل کی رو سے خلاف قیاس نہ ہو۔

پہلی صورت کے متعلق ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سعد و نحس کے اعتقاد سے مذہب کو ذرا بھی علاقہ نہیں ہے۔ دوسری صورت کی حقیقت یہ ہے کہ تاریخ۔ گھڑی۔ دن۔ رات۔ صبح۔ شام، وغیرہ وغیرہ یہ سب وقت کے خاص خاص حصوں کے نام ہیں اور وقت ایک ایسی وسیع مدت کا نام ہے جس کے اجزا ہر حیثیت سے آپس میں ملے جلے ہونے چاہئیں۔ لہذا یہ ممکن ہی نہیں کہ اس امتداد کا کوئی ایک جز دوسرے سے اچھا یا بُرا نکلے اور وہ دائرہ جس کا ہر حصہ متشابہ ہونا چاہیے کسی تخصیص کی وجہ سے غیر متشابہ ہو جائے۔

حیف ہے کہ مذہب اور عقل دونوں جس کے مخالف ہوں ہم اُس کو اپنی معاشرت کا جزو غالب بنا لیں اور اس حکیمانہ اصول کو بالکل ہی بھول جائیں کہ "سعد و نحس اگر ہے بھی تو انسان کے طرز عمل سے وابستہ ہوگا۔ اصل میں جو کچھ ہے انسان ہی ہے اور سعادت و نحوست اُسی کے رفتار کی خوبی یا خرابی سے تعلق رکھتی ہیں"

قصۂ یوسف علیہ السلام

آثار قدیمہ کی روشنی میں

(از جناب حکیم عیش۔ امروہوی صدر جمعیت علمائے برما۔ (رنگون)

قدیم مصری تاریخ میں صرف ایک ہی ایسا زمانہ آیا ہے جس میں ایک عبرانی غلام منصب وزارت عظمےٰ تک پہونچکر امور مملکت میں پورا متصرف بن گیا ہو۔ یہہ شخصیت حضرت یوسف کی تھی۔

عبرانیوں کے ساتھ جب زمانہ سازگار ہوا تو مصر اُن کے قبضۂ حکومت میں آگیا۔ ان کا یہ عہد عہد ہکسوس کہلایا۔ عہد عتیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا زمانہ ۱۷۸۶ سے ۵۹۵ اقبل مسیح تک تھا آثار قدیمہ نے اس عہد سلطنت ہکسوس کو شباب کا زمانہ ظاہر کیا ہے

ہکسوس (چرواہوں) کی اصل و نسل کا مسئلہ مورخین، علمائے عہد عتیق و فضلائے آثار قدیمہ میں ابتک مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ بعض انہیں سامی بتلاتے ہیں۔ بعض سینتھیا والے۔ بعض حِتّی (شمالی شام کے قدیم باشندے) بعض اکادی (اکاد علاقہ بابل کے وہ قدیم باشندے جو تورانی النسل تھے جنہوں نے کالدی تمدن کے آثار چھوڑے) ہم اس اختلاف سے بچنے کے لیئے اسی قدر عرض کرنا کافی سمجھتے ہیں کہ یہہ لوگ یہاں ایشیا سے آئے اور مصر میں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے حکمرانی کرتے رہے۔

گھوڑا مصر میں یہی لائے تھے۔ رتھ مصر میں انہیں نے بنائے تھے سواروں کا رسالہ انھیں نے تیار کیا تھا ان سے پہلے مصر میں ان چیزوں کو کوئی بھی نہ جانتا تھا کیونکہ وادیٔ نیل میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ مصر مختلف خاندانوں کی کمزور حکومتوں میں منقسم تھا اس لیئے جب یہ قوم چوپان حملہ آور ہوئی تو زبردست دفاع ہونے

کے سبب ملک مصر پر اس کا قبضہ ہو گیا

شاہان ہکسوس کے قدم سیکڑوں سال تک دریائے نیل کی سطح مرتفع پر جمے رہے اس سے آگے گو وادی نیل میں مصری خاندانوں کی ریاستیں تھیں مگر وہ بھی اکثر اُن کے اقتدار میں تھیں ان کی قوت کو مانتی تھیں گو ان سے نئے حدلغور وبیزار تھیں جب موقع ہاتھ آتا تو اُن کی مخالفت خطرناک بن جاتی آخر انھیں ریاستوں نے چند صدیوں کے بعد دولت ہکسوس کا بیڑا غرق کر ڈالا۔

ہکسوس مصر میں آئے تو یہ کسی ثقافت کے مالک نہ تھے اس لیے مصر کا رنگ ان پر چڑھنے لگا حتیٰ کہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ رنگ ایسا چوکھا ہو گیا کہ مصری معاشرت مصری طور طریق۔ انشاء خطاب رسم و رواج سب ان میں آ گئے۔ مصری زبان ان کی زبان بن گئی۔ دفاتر میں دیسی باشندے بھر گئے۔ مصری علم و دانش کو عروج اور مصری ثقافت میں زندگی آ گئی۔ ان میں اور مصریوں میں اگر کوئی فرق و امتیاز تھا تو مذہب کا تھا اور کوئی فرق و امتیاز نہ تھا۔ (قدیم اسرائیل و امم مجاورہ صفحہ ۱۵۸)[۱]

کچھ تو اجنبیت اور کچھ اختلاف مذہب ان دو باتوں نے اس اختلاط کے باوجود بھی مصریوں کے دل صاف نہ ہونے دیے۔ چنانچہ ہیا کل مصریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ہکسوس (اہل مواشی) کو "عات" کا لقب دے رکھا تھا جس کے عہد عتیق میں معنے ہیں "مکروہ" عہد عتیق میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ "مصریوں کو ہر چرواہے سے نفرت ہے" (پیدائش ۴۶: ۳۴)۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مع برادران یوسف علیہ السلام مصر میں سکونت کے لیے داخل ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے انھیں چپکے سے سمجھا دیا تھا کہ:-

"جب فرعون تم کو بلائے اور کہے کہ تمہارا پیشہ کیا ہے تو تم کہیو تیرے غلام جوانی سے لیکر اب تک چوپانی کرتے رہے ہیں کیا ہم اور کیا ہمارے آبا۔ تاکہ تم جشن کی زمین میں رہو اسلیے

---

[۱] EARLY ISRAEL AND SURROUNDING NATIONS. PAGES 158. 160.

کہ مصریوں کو ہر چرواہے سے نفرت ہے" (پیدائش ۴۶: ۳۴) جب فرعون کو معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہکسوس ہی کی قوم سے ہیں تو ہم قوم ہونے کی وجہ سے انھیں سکونت پذیر ہونے کی اجازت دیدی اگر یوسف علیہ السلام یہ بات نہ سمجھا دیتے تو فرعون انھیں نہ تو خاص رعایتیں دیتا نہ خاص مراتب پیش کرتا اُس نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ :-

"اپنے باپ اور بھائیوں کو اس سرزمین کے ایک مقام میں جو سب سے بہتر ہے انھیں رکھ جشن کی زمین میں انھیں رہنے دے اگر تو جانتا ہے بعضے ان کے درمیان چالاک ہیں تو انکو میرے مواشی پر مختار کر"۔

اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہکسوس اور یوسف ع کی ایک ہی اصل و نسل تھی۔

جب یوسف علیہ السلام مصری غلام بنائے گئے اُس وقت مصر تحتانی پر خاندان ہکسوس کی حکومت تھی مگر انہیں اس قوم کے کسی رئیس نے نہیں خریدا تھا بلکہ ایک مصری نے خریدا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ	اور اہلِ مصر میں سے جس نے یوسف کو خریدا تھا اُس نے اپنی بیوی کو کہا کہ اسکو عزت سے رکھ

سے رکھ۔ کلام پاک میں اس شخص کو اہل مصر سے کہنے کا یہی مطلب ہے کہ اس وقت حکومت اہلِ مصر کی نہ تھی۔

عہد عتیق میں بھی اسے مصری کہا ہے پیدائش ۳۹ :-

"و مردے مصری نوطیفار نام کہ خواجہ و سردار افواج خاصۂ فرعون بود و بر اہ از دست اسماعیلیان کہ او را بآنجا بردہ بودند خرید"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مصری فرعون کے جلوداروں کا سردار تھا۔ اور مقرب بارگاہ

قحط

مصر میں دریائے نیل سے آبیاری کے سبب نہایت شدید قحط پڑنا خیال میں کم آسکتا ہے اور پھر سات سال کا قحط ایک ایسا حادثۂ عظیم ہے کہ ملحدین کے نزدیک اس کے لیے کتب مقدسہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ مصر کے آثار قدیمہ میں اس کا ذکر ہونا ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کی تشفی کے لیے حال میں اس قحط کا مصدق ایک کتبہ دستیاب ہوگیا ہے۔ یہ کتبہ ایک شخص مسمی بابا کا لکھا ہوا ہے جو "سکوانن رآتا" سوم کی ملازمت میں تھا یہ فوقانی دریائے نیل کی وادی میں اک رئیس تھا اس اطراف میں ہکسوس کا تسلط پورا پورا نہ تھا۔ اس کتبے میں جس قحط کا ذکر ہے اس کا زمانہ یوسف عؑ کے زمانہ سے مطابق ہے۔

یہ کتبہ جو بابا کے قبے پر "ال کاب" میں ملا ہے۔ اس میں ہے کہ :-

"اناج بونے کے وقت میں خود نگراں تھا۔ میں نے اناج فصل کے دیوتا کی رضا سے جمع کیا اور جب کئی سال قحط پڑا تو میں نے ہر سال شہر میں غلہ تقسیم کیا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یوسف علیہ السّلام کے غلہ جمع کرنے کی خبریں اڑیں اور تعبیر خواب کی بات پھیلی تو اوروں کے خلاف اس نے ان پر یقین کر کے یوسف علیہ السّلام کی پیروی کی اور اناج جمع کرتا رہا۔

یہ بات کہ خود شاہان ہکسوس نے اس عظیم ابتلا کا ذکر کیوں نہیں کیا ان کا لکھوایا ہوا بھی تو کوئی ایسا کتبہ ملنا چاہیئے تھا تو اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جب مصریوں نے اپنے ملک سے انہیں نکالدیا تو اپنے تعصب و حقارت کی وجہ سے ان کا کوئی نشان باقی نہ رکھا تاکہ ان کے زمانہ کی ناگوار یاد بھی ان کے آثار کے ساتھ ساتھ رخصت ہوجائے۔

بالفرض یہ وہ قحط نہ بھی ہو تو بھی ملک مصر میں اس سے کئی کئی سال قحط کا پڑنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یوں عہد یوسف عؑ کے قحط کی تائید اس سے ہوجاتی ہے۔

یوسف علیہ السلام کے مصری خطابات

جب حضرت یوسف عؑ نے ارض مصر کے خزائن کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اناج کے تمام کھتے ان کے تصرف میں آگئے تو فرعون نے انہیں "صفنات فعنیخ" کا خطاب عنایت کیا۔ عبرانی عہد عتیق میں بعینہ یہ مصری خطاب روایت کیا گیا ہے۔ قدیم عربی و فارسی ترجموں میں بھی اس کو بحال چھوڑ دیا ہے۔ مگر دوسری زبانوں کی بائبل میں اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے اردو بائبل میں اس کے معنے جہاں پناہ کے ہیں۔ جس سے خطاب کا اصلی مفہوم عنت ربود ہو جاتا ہے قدیم مصری میں اس کا لفظی مفہوم ہے "صاحب اغذیۂ حیات" اصلی زبان کے اندر جن معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اور جو وسیع مطلب اس کا لیا جاتا ہے اس کو صحیح طور پر قرآن شریف نے ادا کیا ہے۔ یہ وہی منصب ہے جو یوسف علیہ السلام خود طلب فرماتے ہیں قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض۔ الآیہ۔ یوسف نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پہ مجھکو مامور کردو۔ یعنی صاحب خزائن ارض بنادو۔ یہ خطاب اُسی عہدے کو ظاہر کرنے والا ہے۔

"آب" یوسف علیہ السلام کا یہ بھی ایک خطاب تھا مگر جب تک مصری تحریر کا حل نہ ہوا کسی کو اس کا پتہ نہ چلا۔

عبرانی بائبل میں اس لقب کا ذکر تکوین ۴۵: ۸ میں ہے "آب" قدیم مصری لفظ ہے اور خطاب ہونے کی وجہ سے بعینہ عبرانی بائبل میں روایت ہوا ہے مگر یہ حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مترجمین نے اُسے عبرانی لفظ سمجھ لیا ہے اور اس کا ترجمہ باپ کر کے عجیب اہمال پیدا کر دیا ہے۔ اس غلطی کے سبب سے آیت کا مطلب ایسا خبط ہو جاتا ہے کہ کسی صورت سے کوئی معنی پیدا ہی نہیں ہوتے۔ بائبل کی یہ معنوی تحریف ایسی واضح ہے جس کو تمام محققین بائبل تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے تحدیث نعمت فرما رہے ہیں کہ یہاں مجھے

خدا نے بھیجا ہے۔ اور اُس نے مجھے فرعون کا اَبْ بنایا ہے۔

(عربی) وھو قد جعلنی آباً لفرعون" (فارسی) "و او مرا پدر بر فرعون ساخت"

(اردو) اور اُس نے مجھے فرعون کے باپ کی جگہ .... بنایا"

اَبْ کا ترجمہ باپ کرنے سے کتنی بے معنی بات ہو گئی بات یہ ہے کہ یہ قدیم مصری لفظ ہے اور اس کا مفہوم وہ منصب ہے جو بادشاہ یعنی فرعون کے بعد ہو اس کا صحیح مرادف عربی میں عزیز ہے جو اصطلاحی لفظ ہے اور مصر کے وزراء کا عربی خطاب ہے۔

قرآن شریف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق اس لقب کا اظہار "یا ایہا العزیز" الآیہ - میں کیا ہے قرآن شریف کی یہ صحت کتنی ایمان کو تازہ کرنے والی اور بائبل کی غلطی کی نگہبان ہے۔ صدق اللہ العلی العظیم

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (الآیۃ)۔ یعنی قرآن پچھلی کتاب کا مہیمن (نگہبان) ہے۔

"ابرق" یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ایک اور مصری اصطلاح آتی ہے۔ چونکہ اصطلاح کے لیے خاص لفظ جو بالکل مطابق ہو دوسری زبان میں مشکل ملتا ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بضرورت ایسی مصری اصطلاحیں ہی استعمال فرمائی ہیں۔ مگر مترجمین بائبل نے کہیں تو انہیں عبرانی لفظ سمجھ لیا ہے اور کہیں قیاس سے ترجمہ کر ڈالا ہے۔ جیسے اَبْ جس کا ذکر ہو چکا ہے، وہ عبرانی زبان میں بمعنی باپ ہے اور مصری زبان میں بمعنی وزیر۔ اسی طرح اَبرَق ہے کہ مصری زبان میں اس کے معنی ہیں "اپنے بائیں طرف" اور عبرانی زبان میں اس کے معنی ہیں "تعظیم کے لیے جھکنا"

چنانچہ اس لفظ کو عبرانی سمجھ کر بائبل کے ترجموں میں ارکعوا غلط کیا گیا ہے۔ سفر تکوین ۴۱: ۴۳ میں ہے:-

(عربی) ونادوا امامہ ارکعوا۔

(فارسی) "پیش روپیش ندامیکردند کہ زانو زنید"

(اردو) " اور اُس (فرعون) نے اُسے (یوسفؑ) کو اپنی دوسری گاڑی میں سوار کر دیا تب اس کے آگے منادی کی گئی. سب ادب سے رہو"، مصر میں اس وقت سواری کو رستنے کے بائیں طرف چلانے کا رواج تھا جیسا کہ آج بھی اکثر ممالک میں ہے حضرت موسیٰ نے یوسفؑ کے حشم اور جلوداری کی تصویر اتاری ہے کہ وہ عزیز مصر ہو کر جب باہر نکلتے تھے تو آگے آگے پیشرو سامنے آنے والوں کی آگاہی کے لیے پکارتے تھے کہ "ابرق"، "ابرق" (اپنے بائیں رہو)۔ بائبل کا ترجمہ ارکوا یا زانو زنید صحت کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

تمکین حکومت و اتساع سلطنت

خزائن ارض مصر پر مامور ہونے کے بعد جب سال بسال قحط کی سختی بہت ہی بڑھ گئی تو یوسف علیہ السلام نے اوّل سال نقد کے عوض اناج دیا پھر چوپاؤں کے عوض بائبل ۴۷ : ۱۸- ۲۱ میں ہے :-

"جب وہ سال گزر گیا تو وہ دوسرے سال اُس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ہم اپنے خداوند سے نہیں چھپاتے کہ ہمارا نقد خرچ ہو چکا - ہمارے خداوند نے ہمارے چوپایوں کے گلے بھی لے لیے سو ہمارے خداوند کی نگاہ میں ہمارے بدنوں اور زمینوں کے سوا کچھ باقی نہیں"

"پس ہم اپنی زمینوں سمیت تیری آنکھوں کے سامنے کیوں ہلاک ہوں - ہم کو اور ہماری زمین کو روٹی پر مول لے اور ہم اپنی زمین سمیت فرعون کی غلامی میں رہیں گے - اور دانہ دے تاکہ ہم جئیں اور نہ مریں کہ زمین ویران نہ ہو جائے اور یوسفؑ نے مصر کی ساری زمین فرعون کے لیے مول لی کیوں کہ مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنی زمین بیچی کہ کال نے اُن کو نپٹ تنگ کیا تھا. سو زمین فرعون کی ہوئی رہے لوگ ! سو اُس نے اُنھیں شہروں میں مصر کے اطراف کی ایک حد سے دوسری حد تک بسایا"

اس سلوک کی اصلی وجہ مجملاً اوپر بھی مذکور ہو چکی ہے یعنی مصریوں کا دل میں قوم ہکسوس کو

مکروہ رکھنا اور فوقانی نیل کے تین جا بشاہی سلسلوں کا جو حکمرانی کر رہے تھے پورا مطیع نہ بننا اور شورش وبغاوت کرتے رہنا۔

جب یہ لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس آئے اور وعدہ کیا کہ اپنی زمین سمیت فرعون کی غلامی میں ہینگے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ پورے فرماں بردار نہ تھے تو یوسفؑ نے ان کی زمین لے لی تاکہ ربقۂ اطاعت اس معاملہ سے ان کی گردنوں میں پڑا رہے۔ اس طرح ہکسوس کی سلطنت کو حضرت یوسف عا کی تدبیر و سیاسی قابلیت کی وجہ سے بڑی تمکین و وسعت حاصل ہوگئی۔ قرآن شریف میں "وکذالک مکنا لیوسف فی الارض" اور ہم نے اسی طرح یوسف کو اس سرزمین میں خوب قوت دی"۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور اُن کی سیاسی قابلیت کا بھی اظہار ہے۔

فضائل و مناقب قرآن

از جناب مولوی اکرم علی صاحب محمدی مدرس مدرسہ و یجا پور

اعجاز قرآن

اعجاز مصدر ہے عجز سے جس کے معنی ہیں عاجز کرنا۔ ناتوان کرنا ۔ جیسے اَعْجَزْتُ زَیْدًا۔ عاجز کردیا میں نے زید کو ۔ وَجَدْتُہٗ عاجزًا ۔ میں نے اس کو عاجز پایا وغیرہ وغیرہ ۔ مصباح المنیر جلد ۲ صفحہ ۲۰ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ مصدر کبھی بمعنی ناعل بھی آتا ہے ۔ پس اعجاز کے معنی عاجز کرنے کے بھی ہیں، اور معجزہ یعنی عاجز کرنے والے کے بھی ۔ اعجاز القرآن سے مراد یہ ہے کہ تمام دنیا کی کتب ارضی و سماوی من کل الوجوہ قران مجید کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں ۔ دنیا بھر کے حکمار کی حکمتیں اس کی حکمت کے مقابلہ میں فرومایہ دنیا بھر کے قانون اس کے قانون کے مقابلہ سے قاصر ۔ جملہ فصحا و بلغائے عرب و عجم من حیث المجموع اس کے سامنے خاموش ۔ دنیا بھر کے ملکوں کی فصاحت و بلاغت اس کے روبرو ہیچ ۔ یہ کلام معجز نظام ایسا سہل ممتنع ہے کہ ہر صاحب عقل و فہم اس کو سمجھ سکتا ہے ۔ مگر اس کی ایسی ایک چھوٹی سی آیت بھی نہیں بنا سکتا ۔

معجزہ رسالت و نبوت کا خاصہ لازمہ ہے جس کے معنی خرقِ عادت کے ہیں ۔ قوت معجزہ ہر نبی و رسول کو من جانب اللہ عطا ہوتی ہے ۔ اور کسی وقت زائل نہیں ہوتی ۔ نبی و رسول بحکم الٰہی جب چاہے ناممکن کو ممکن کر دکھائے ۔

یوں تو ہر نبی و رسول کو خداوند عالم نے وقت اور حالات کے لحاظ سے خاص خاص معجزے

عطا فرمائے تھے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصائے موسیٰ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتیٰ وغیرہ۔ مگر ہمارے سردار دو عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی تھے اور آپ کے بعد اور کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لیے آپ کو ایک ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا جو ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے، جو ابدالآباد تک اپنی شان اعجاز دکھا کر آپ کی نبوت کا ثبوت پیش کرتا رہیگا۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کرکے دکھاتا رہیگا۔ اور جس کی موجودگی میں دنیا کو کسی نبی کی حاجت ہی پیش نہ آئے گی۔ وہ معجزہ یہی قرآن مجید ہے اور اُس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۝

شب کو محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

محققین کی آراء (۱) بعض فرقۂ معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید باعتبار اپنے حسنِ ترتیب و نظم و تسلسل کلام کے معجزہ ہے کیونکہ اس کا اسلوبِ بیان تمام کلام عرب کے نظم و نثر سے نرالا۔ انوکھا۔ جدت و پاکیزگی لیئے ہوئے ہے اور کیوں نہو آخر اُس شہنشاہ حقیقی کا کلام ہے جس کی شان لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ ہے، جیسا وہ سب سے بزرگ و بالا۔ برتر و اعلیٰ ہے ویسا ہی اُس کا کلام بھی بلند پایہ و افضل و ارفع ہے۔

(۲) اشاعرہ اور جاحظ کے نزدیک وجہ اعجاز قرآن اس کی بینظیر فصاحت و بلاغت ہے۔

(۳) بعض متکلمین کے نزدیک غیب کی سچی خبریں دینے کے باعث قرآن مجید معجزہ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ سے ظاہر ہے (ملاحظہ ہو الاتقان للسیوطی صفحہ ۲۲۲)۔

(۴) بعض کے خیال میں وجہ اعجاز قرآن پاک یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھید ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ:۔ اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا الخ

سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ احد میں دو گروہوں نے بزدلی کی تو اللہ برتر نے اُن کی طرف اشارہ فرما دیا۔

(۵) بعض کا خیال ہے کہ قرآن مجید اس لیے معجزہ ہے کہ وہ رسولِ اُمی صلعم (فداہُ ابی و اُمی) کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہے اور بے پایاں خوبیاں رکھتا ہے۔

(۶) بعض کے نزدیک وجہ اعجاز قرآن یہ ہے کہ انسان کے کلام میں حشو و زوائد یا نقص و تطویل وغیرہ ہر قسم کا حسن و قبح ہوتا ہے۔ بخلاف قرآن شریف کے کہ وہ باوجود ایک طویل کلام ہونے کے بھی نہایت حُسن سمت سے شروع ہو کر آخر تک ایک ہی سلک میں مُسلک ہے۔

(۷) کلام مجید چونکہ نہایت موثر ہے اور اپنے اندر ایک خاص قسم کی جاذبیت رکھتا ہے اس لیے وہ معجزہ ہے

(۸) عند البعض۔ قرآن مجید کے تمام احکام و ارشادات نہایت مستحکم اور کلی قوانین ہیں لہذا وہ معجزہ ہے۔

(۹) نظام معتزلی و ابن حزم ظاہری کا مذہب ہے کہ وجہ اعجاز قرآن مجید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فصحاء و بلغائے عرب و عجم سے اس بات کی قوت سلب کر لی تھی کہ وہ فرقان حمید کے مقابلہ میں کچھ اپنا کلام پیش کر سکیں (الفصل فی الملل والنحل لابن حزم ص۔۔۔)

(۱۰) بعض محققین علماء و فضلاء کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں چونکہ تناقض و اختلاف اور کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس لیے وہ معجزہ ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی و امام فخر الدین رازی رحمہما اللہ نے نظام معتزلی وغیرہ کے خیالات کی بڑے شد و مد سے تردید کی ہے۔ اور بات بھی یہی ہے کہ نظّام کا مذہب غلط اور سراسر غلط ہے۔ کیونکہ جب خداوند متعال نے اُن سے قوت معارضہ ہی سلب کر لی تو اللہ معجز ہوا نہ کہ قرآن شریف۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ نے

تو فصحاء و بلغائے عرب کو اُن کے دعویدار فصاحت و بلاغت ہونے کی بناء پر چیلنج دیتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ سُوْرَةُ بقرہ ع ۳

اور اگر تم لوگ شک میں ہو اس کتاب (قرآن) کی نسبت جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلعم) پر اُتاری ہے تو پھر تم اس کی مثل ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اپنے حمائتیوں کو بھی بُلا لو جو خدا کے علاوہ ہیں اگر تم سچے ہو۔ ۱۲

اور دوسری جگہ تو نہایت زور کے ساتھ صاف صاف فرما دیا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِن سے کہدیجئے کہ اگر جن و انسان ملکر بھی زور لگائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تب بھی ہرگز نہیں لا سکتے اگرچہ وہ اس کام میں ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔

اس سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ معتزلہ وغیرہ کے خیالات علمی نقطۂ نظر سے بالکل کمزور ہیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی الزامی طور پر جواب دیتے ہیں کہ اگر اہل عرب اللہ تعالیٰ کے عاجز کر دینے سے معارضہ کی تاب نہ لاسکے تو اُن کے دلوں میں پھر قرآن شریف کی غایت درجہ عظمت و شان کیوں تھی (نہایۃ الاعجاز ضمیمہ) احقر کے نزدیک اقوال علماء میں تو ضرور اختلاف ہے مگر نفس اعجاز قرآن من حیث ہو ہو کے لحاظ سے جملہ اسلامی فرقے اعجاز قرآن کے قائل ہیں۔ بلکہ اغیار بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت وغیرہ کا لوہا مانتے ہیں۔ جیسا کہ ترجمان القرآن میں پہلے شائع ہوچکا ہے۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰى وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ اِلٰى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

فضائل تلاوت قرآن

حدیث: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلّموا القراٰن فاقروٴہ

یعنی پہلے قرآن مجید کا علم حاصل کرو پھر اس کو پڑھو (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کی ایک آیۃ سمجھکر پڑھے گا اُس کو سو رکعت نماز نفل کا ثواب ملے گا۔

(۳) سرور عالم صلعم فرماتے ہیں کہ میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہو۔

(۴) اہل اللہ خاص اہل قرآن ہی ہیں (یعنی قرآن کے پڑھنے اور عمل کرنے والے)

(۵) تم میں سے بہتر وہ شخص ہے کہ قرآن شریف خود سیکھے اور لوگوں کو سکھائے۔

(۶) اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی طرف سب سے زیادہ توجہ کرتا ہے۔ کیونکہ قاری قرآن گویا خدا سے باتیں کرتا ہے۔

(۷) جس نے قرآن پڑھا اُسے ہر حرف پر اتنا ثواب ملیگا جو دوسرے اعمال سے دس حصے زیادہ ہوگا

(۸) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قرآن شریف پڑھا کرو جو اپنے پڑھنے والونکی قیامت کے روز شفاعت کریگا۔

(۹) ایک مرتبہ ارشاد نبوی ہوا کہ انسان کے دل میں لوہے کی طرح زنگ آجاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اُس کو کیونکر دور کیا جائے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت اُس کو دور کرتی ہے اور پھر دل کو مجلا کر دیتی ہو جیسا کہ تائب توبہ کے بعد پاک و صاف ہوکر اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔

(۱۰) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں کلام مجید کھڑے ہوکر پڑھے اُس کو ہر حرف کے بدلے سو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور جو بیٹھکر نماز میں پڑھے اُسے پچاس نیکیوں کا اور جو شخص نماز کے علاوہ باوضو پڑھے تو اُس کو پچیس ۲۵ نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور اگر بے وضو پڑھے تو دس نیکیوں کا۔

(ا) قرآن مجید بے وضو پڑھنا جائز ہے مگر چھونا ممنوع - لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ الآیۃ۔ البتہ اگر کپڑے میں ہو تو مضایقہ نہیں عند الحنفی ۔

(ب) قرآن مجید بفحوائے آیۃ کریمہ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ جس وقت پڑھے تو اول اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ پڑھکر تلاوت کرے ۔

(ج) قرآن مجید پڑھنے میں اگر مجبوراً کسی سے کلام کرنے کی ضرورت ہو تو بھی اعوذ باللہ الخ پڑھکر آگے کو پڑھے اگر بحالت غیظ وغضب اعوذ باللہ الخ پڑھ لے تو غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے (نسائی)

(د) قرآن مجید کو بحالت جنابت چھونا اور پڑھنا منع ہے ۔

(۱۱) ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دل میں قرآن ہو اس پر اللہ تعالیٰ عذاب نہیں فرماتا یعنی حافظ قرآن پر بشرطیکہ بے عمل اور مشرک نہ ہو ۔

مسئلہ۔ اجرت پر قرآن مجید پڑھانا درست ہے (لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الآیۃ)

(۱۲) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھو ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے ۔

(۱۳) جناب امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواہ قرآن شریف بمعنی سمجھکر پڑھا جائے یا معنی معلوم نہ ہوں دونوں حالتوں میں تقرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے ۔

(۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیۃ جنت کا درجہ رکھتی ہے اور قرآن تمھارے گھر کا چراغ ہے ۔ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر نیکیوں سے بھر جاتا ہے ۔

(۱۵) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے تو فرشتے اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتے ہیں ۔

(۱۶) جو مومن قرآن مجید پڑھا ہوا ہے اس کو دس آیات کم از کم روزانہ پڑھنی چاہئیں ۔

مگر افسوس، صد افسوس ہمارے آجکل کے اکثر امیر امراء اول تو قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں ہیں اور بعض پڑھے بھی ہیں تو وہ پڑھتے ہوئے شرماتے ہیں۔ غربا میں بھی آج کل قرآن شریف کا پڑھنا رسماً رہ گیا ہے مثلاً گیارھویں بارھویں یا کسی کے پھولوں (زیارت) میں۔ دہم، چہلم، ششماہی، برسی میں یا کوئی مریض ہو۔ اور وہ بھی ناجائز طریقہ سے کہ کچھ لوگ مسجد یا کسی مکان میں جمع ہو کر باہم چلا چلا کر پڑھتے ہیں جس سے اور گنہگار ہوتے ہیں۔ کیونکہ باری عزاسمہٗ کا تو یہ حکم ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو تم اُس کو سنو اس میں تمھارے واسطے بہتری ہے۔ (اذا قُرِءَ القران فاستمعوا له وانصتوا)۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا عام حکم تصور کرکے فاتحہ خلف الامام تک کو منع فرمایا ہے۔ لیکن ہمارے حنفی بھائی من وجہ تو مقلد ہیں اور من وجہ غیر مقلد بلکہ اپنی طبیعت اور اغراض کے بندے ہیں۔ کیونکہ جب سب لوگ آپس میں قرآن پڑھیں گے تو کیونکر سن سکیں گے۔

آداب تلاوت قرآن

قرآن مجید کی تلاوت کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ پڑھنے والا باوضو نہایت ادب کے ساتھ قبلہ رو گردن جھکا کر بیٹھے تکیہ وغیرہ نہ لگائے نشست میں نخوت و غرور کا شائبہ تک نہ ہو۔

(۲) کلام مجید کو رحل یا پاک صاف تکیہ وغیرہ پر رکھے آیات قرآنی کو باترتیل ٹھہر ٹھہر کر زیر زبر کی صحت کے ساتھ اس طرح پڑھے کہ حروف اپنے صحیح مخارج سے ادا ہوں اور ہر لفظ صاف طور سے سنائی دے۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن ایک ہفتہ میں ختم کیا کرو

(۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہفتہ میں کلام مجید کو اس طرح ختم فرماتے تھے۔ کہ شب جمعہ کو شروع سے سورۂ مائدہ تک شنبہ کی رات کو سورۂ انعام سے سورہ ہود تک۔ یکشنبہ کی شب کو سورۂ یوسف سے سورۂ مریم تک اور دوشنبہ کی رات کو سورۂ طٰہٰ سے قصص تک سہ شنبہ کی شب کو سورۂ عنکبوت سے صٓ تک چہارشنبہ کی رات کو زمر سے سورۂ رحمٰن تک پنجشنبہ کی شب کو سورۂ واقعہ سے آخر تک تلاوت کرتے

(۵) اب اگر کوئی شخص قرآن مجید کے معنی جانتا ہو یا معنی سمجھنے کی غرض سے ترجمے کے ساتھ

اس سے بھی زیادہ توقف کے ساتھ پڑھے ۔ تو اور بھی زیادہ باعث ثواب و فلاح دارین ہے

(۶) بعض کے نزدیک کم از کم تین روز میں بھی قرآن مجید کو تلاوۃً تراویح وغیرہ میں پڑھنا درست ہے
گر رمضان شریف میں بعض حفاظ شبینہ کے نام سے جو رات بھر میں قرآن مجید کو ختم کرتے ہیں وہ تکلیف مالایطاق
اور بے ثبوت ہے ۔

(۷) قرآن شریف کی تلاوت میں رونا مستحب ہے حضور اقدس صلعم نے فرمایا ہے کہ قرآن کو پڑھو اور
گریہ کرو ورنہ کم از کم رونے کی ہیئت ہی اختیار کرو ۔ خاصکر آیات عذاب تہدید ۔ وعید ۔ عہد و میثاق اور
اوامر و نواہی کے وقت کہ خلوص اور عاجزی مترشح ہو ۔ رونا رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے

(۸) جب سجدے کی آیتوں میں سے کوئی آیۃ آئے تو کمال عجز کے ساتھ ایک سجدہ کرے ۔

(۹) تلاوت قرآن مجید کی ابتدا اعوذ باللہ الخ سے کرے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا
ہے اور جب تلاوت ختم کرے تو صدق اللہ العلی العظیم ۔ کہے ۔

بہر حال تلاوت قرآن خلوص نیت کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ خواہ آواز سے پڑھے ۔
خواہ آہستہ ۔ لیکن ایسے مواقع پر کہ لوگ اپنی باتوں میں ہوں یا سفر ریل وغیرہ میں تو آہستہ
پڑھنا ضروری ہے ۔ اگر سامعین قاری کی طرف متوجہ ہوں تو آواز سے پڑھنا چاہیئے ۔
اور تنہائی میں اختیار ہے خواہ آہستہ پڑھے ۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات
کو تلاوت کرتے تھے ۔ خواہ آواز سے پڑھے ۔ جیسا کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
رات کو پڑھتے تھے ۔

(۱۰) حضرت جبریل علیہ السلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سال میں ۔
ایک بار دور کراتے تھے ۔ اور آخر سال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا ہے
پس اگر ہم امتیان محمد صلعم بھی کم از کم سال میں دو مرتبہ قرآن مجید کو پڑھ لیا کریں کہ ایک بار

رمضان شریف میں اور ایک بار باقی گیارہ میں تو بہت کافی ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ۔)

(۱۱) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تفسیر اور مطلب کو بغیر دریافت کیے حضور انور صلعم سے اپنی طرف سے نہیں فرماتے تھے۔ پس قرآن مجید کے معنی اپنی طرف سے یا سُنے سُنائے بیان کرنا اور بالخصوص تاویلات کرنا بڑا گناہ ہے۔

مسوّدۂ قانون حقوق ازدواج اہل اسلام

(جناب خلیل الزماں صاحب صدیقی بیرسٹرایٹ لا نے حیدرآباد کی مجلس وضع آئین قوانین میں مسلمان عورتوں کے حقوق ازدواجی کی حفاظت کے لیے ایک مسودہ پیش کیا ہے جس کو یہاں بجنسہ درج کیا جاتا ہے۔ اشاعت آئندہ میں اس پر شرعی نقطۂ نظر سے مفصل بحث کی جائے گی۔ ایڈیٹر)۔

تمہید

ہرگاہ قرین مصلحت ہے کہ بعض امور مندرجہ احکام شرع شریف متعلقۂ حقوق زوجین کی مزید وضاحت و صراحت کردی جائے لہذا حسب ذیل حکم ہوتا ہے:۔

مختصر نام و تاریخ

دفعہ ۱۔ یہ قانون بنام قانون حقوق ازدواج اہل اسلام موسوم ہوسکیگا۔ اور تاریخ اشاعت جریدہ سے ممالک محروسہ سرکار عالی میں نافذ ہوگا۔

ب۔ اور ہر ایسے مقدمہ یا کارروائی سے متعلق ہوگا جو تاریخ نفاذ قانون ہذا پر زیر تحقیقات یا تجویز ہو یا نفاذ قانون ہذا کے بعد دائر یا پیش ہو اور جس کا تصفیہ حسب احکام شرع شریف ہونا چاہیے لیکن کسی ایسے فیصلہ یا تجویز اور اوس کی تعمیل پر موثر نہ ہوگا جو قبل نفاذ قانون ہذا صادر ہو کر قطعی ہوچکی ہو۔

دعاوی فسخ نکاح و تفریق

دفعہ ۲۔ کسی دعوے میں جو زوجہ کی جانب سے فسخ نکاح یا تفریق کی غرض سے دائر کیا جائے حسب ذیل وجوہ بھی انفساخ نکاح یا تفریق کے لیے کافی متصور ہوں گے۔

الف۔ شوہر۔ (۱) عنین۔ خصی یا مجبوب ہو۔

(۲) مجزوم یا مبروص ہو یا کسی سخت مرض میں ایک سال سے زاید عرصہ سے

مبتلا ہو کر اعادۂ حقوق زن وشوئی نہ کر سکے یا تعلق مذکور کا برقرار رکھنا زوجہ کے لیے سخت مضر صحت ہو اور ظلم کی حد تک پہونچتا ہو۔

لیکن شرط یہ ہے کہ جب شوہر بوقت نکاح عوارض صدر سے کسی میں مبتلا تھا اور زوجہ کو اس وقت اس کا علم تھا تو وہ مہر سے دست بردار ہو جائے۔

ب۔ جب شوہر مفقود الخبر ہو یا طویل مدت کے لیے سزا پا کر قید ہو گیا ہو اور جائداد شوہری بقدر کفالت نان ونفقہ زوجہ کے قبضہ میں ہو یا جب اس نے اس کا معقول انتظام کیا ہو تو تاریخ مفقود الخبری یا قید سے چار سال گذر گئے ہوں۔

لیکن شرط یہ ہے کہ جب عدالت کی رائے میں کوئی دادرسی شوہر کے طویل مدت کے لیے قید ہو جانے کی بنا پر عطا کرنا مہر کی تخفیف کے ساتھ قرین معدلت ہو اور اس پر زوجہ رضامند نہ ہو تو عدالت دادرسی دینے سے انکار کر سکیگی۔

ج۔ جب شوہر کی بدسلوکی زوجہ کے ساتھ ظالمانہ ہو (توضیح۔ شوہر کا زوجہ کے پاس نہ جانا یا عدم ادائی نفقہ یا عدم قابلیت ادائی نفقہ بلحاظ جملہ حالات ایسی بدسلوکی کی حد تک پہونچ سکیگا جو ظالمانہ ہو)

ضابطہ بصورت مفقود الخبری

دفعہ ۳۔ عدالت پر لازم ہوگا کہ مفقود الخبری (حسب دفعہ ۲ ضمن ب) کی بنا پر کسی دادرسی کے عطا کرنے کے قبل جب ممکن ہو شخص مفقود الخبر کے قرابتدار وورثا میں سے اگر ہوں کسی ایک یا زاید کا بیان بغرض انکشاف حالات قلمبند کرے۔

بعض صورتوں میں تخفیف مہر

دفعہ ۴۔ جب شوہر کی جانب سے زوجہ کو طلاق دی جائے اور زوجہ کسی مرض مندرجہ دفعہ ۲ ضمن الف ۲ میں قبل نکاح مبتلا تھی اور اس وقت شوہر کو اس کا علم نہ تھا اور نہ وہ اس پر رضامند تھا تو شوہر پر صرف ایک ربع دینار مہر عائد ہوگا۔ اور

بقیہ ساقط ہوگا۔

احکام نسبت خیار بلوغ جب نکاح باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا ہو۔	دفعہ ۵۔ جب نکاح زمانہ نابالغی میں باپ دادا کے سوا کسی اور شخص کی ولایت سے عمل میں لایا گیا ہو تو نکاح اُسوقت تک قابل نفاذ نہ ہوگا جبتک کہ نابالغ سن بلوغ کو پہونچکر نکاح قولاً یا فعلاً تسلیم نہ کرے۔
احکام نسبت تفریق جب نکاح نابالغ کے باپ دادا نے کیا ہو۔	دفعہ ۶۔ جب کسی شخص کی جانب سے جس کا نکاح باپ دادا نے زمانۂ نابالغی میں کیا ہو دعویٰ بغرض فسخ نکاح و تفریق سن بلوغ پر پہونچنے کے بعد بلا بغیر ضروری تعویق پیش کیا جائے اور عدالت کی رائے میں ایسا

نکاح دعویدار کے حق میں مضر ہے تو عدالت دادرسی فسخ نکاح و تفریق عطا کرسکیگی۔

لیکن شرط یہ ہے کہ ایسی کوئی دادرسی عطا نہ ہوگی۔ اگر دعویدار نے سن بلوغ کو پہونچکر قولاً یا فعلاً نکاح کو تسلیم کرلیا ہو لیکن یہ بھی شرط ہے کہ ایسا دعویٰ زوجہ کی جانب سے پیش ہو تو وہ مہر سے دست بردار ہوجائے۔

بدنیتی سے ارتداد اختیار کرنا	دفعہ ۷۔ ایسا ارتداد جو حقوق زن و شوئی سے گریز کرنے کی نیت سے یا انفساخ نکاح یا تفریق کی غرض سے اختیار کیا گیا ہو ناقابل لحاظ ہوگا فقط

خلیل الزماں صدیقی
بیرسٹر ایٹ لا
(رکن مجلس وضع قوانین وغیرہ)

وجوہ و فحواء

جس طرح شوہر کا حق زوجہ پر ہے اسی طرح اُس کا حق شوہر پر ہے اور پھر تاکید ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کے ساتھ نیکی. شرافت. احسان. ہمدردی کا سلوک کرے. سورہ بقر و سورہ طلاق میں بھی ان احکام کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ان آیات کریمہ سے واضح ہے کہ شوہر کے لیے صرف دو صورتیں قرار دی گئی ہیں. یا تو اُس کو اپنی زوجیت میں رکھکر اُس کے حقوق ادا کرے یا شریفانہ طور پر اُس کو چھوڑ دے بمقدمہ مبارک النساء بیگم بنام سید اشرف احمد مندرجہ نظائر جوڈیشل کمیٹی صفحہ ۱۳۵۲ نواب صدیق یار جنگ بہادر ان مسائل پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ ظلم صریح و عظیم اور حکم شریعت سے عدولی ہے۔" اس وجہ سے ان صورتوں میں قاضی مجاز ہے کہ وہ اس عورت کو مضرت سے بچانے کے لیے نکاح کو فسخ کردے اور اُس کی راہ کھولدے اور اگر عورت کی زیادتی ہے تو خلع سے اور مرد کی ہے تو تفریق سے علیحدگی کردے۔ اگر شوہر طلاق نہ دے تو یہ ظلم ہوگا۔ پس رفع ظلم کے لیے قاضی شوہر کا نائب ہوجائیگا۔

حضرت ابوحنیفہ کے سوا بقیہ یعنی جمہور کا مذہب یہی ہے۔ انہوں نے اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے طلاق و تفریق کے معاملات میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے لیکن حنفی مفتی کو اجازت ہے کہ وہ "مصلحت اور ضرورت رفع مضرت" کو محسوس کرتا ہے تو بلا تامل دوسرے امام (مالک - شافعی) کی تقلید کرے۔ سب فقہا نے اس کی اجازت دی ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر فتوے دیا جا سکتا ہے چنانچہ مفقود الخبر شوہر کے مسئلہ میں امام مالک کی تقلید دوسری جماعتوں نے بھی کی ہے۔ فیصلہ متذکرہ صدر میں قاضی کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ "حاکم وہ شخص ہے جو سلطان کی طرف سے

معین وقائم کیا جاتا ہے کہ وہ مخاصمت اور دعاوی جو لوگوں میں واقع ہوتے ہیں ان کا فیصلہ اور قطع و استیصال کرے احکام مشروعہ کی توفیق کے لیے"

مقدمۂ مذکور میں راجہ بہادر پنڈت گرراؤ صاحب نے بہ حیثیت حاکم ابتدائی مجلس عالیہ عدالت فسخ نکاح و تفریق کی ڈگری بحق زوجہ صادر کی تھی اور مسٹر امیر علی صاحب مرحوم کے تصانیف کا حوالہ دیتے ہوئے یہ رائے ظاہر فرمائی تھی کہ "قاضی کے طلاق پڑنے کا حق ایک حدیث صحیح پر مبنی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی عورت کے نکاح سے نقصان ہو تو اس کو فسخ کرنا چاہیئے" بنا برآں تجویز صدر شوہر کی جانب سے مجلس عالیہ عدالت میں مرافعہ ہوا اور منظوری مرافعہ دعویٰ مدعیہ مختلف وجوہ سے خارج فرما دیا گیا۔ لیکن جوڈیشل کمیٹی سے تجویز مجلس عالیہ عدالت شعبۂ مرافعہ منسوخ اور تجویز ابتدائی بحال رہی۔

جوڈیشل کمیٹی کی رائے بیشگاہ خداوندی سے ذریعہ فرمان مبارک مؤرخہ ۹ ربیع الاول شریف سنہ ۱۳۵۱ھ منظور ہوئی۔ اور مسائل زیر بحث پر جوڈیشل کمیٹی کی مذکورہ تجویز سے کافی روشنی پڑ چکی ہے اور میری دانست میں بھی مسودہ ہذا کی منظوری میں اب کوئی دشواری نہ ہوگی۔ چنانچہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے تجویز فرمایا ہے کہ علمائے مدراس کے فتوے ایک رسالہ کی صورت میں اور مفتی سید عبد اللطیف صاحب و محمد بیر صاحب و پروفیسران جامعہ عثمانیہ مولانا عبد القدیر صاحب و مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے فتاوے تائید میں پیش تھے اور چوٹی کے علماء مثلاً ابو الکلام آزاد وغیرہ لفظ بہ لفظ متفق"۔

اگر اس مقدمہ کے خاص حالات نہ ہوتے یعنی یہ کہ "زوجہ کی فی الواقع ۱۲ سال تک شوہر نے رخصت نہیں کرائی تھی نہ خلوت صحیحہ کا موقع آیا تھا۔ مدعیہ شافعی ہوگئی تھی۔ مہر معجل و نفقہ با وجود ڈگر یابت عدالت ادا نہیں کیا گیا تھا۔ نہ ادائی کی توقع تھی اور بطور واقعہ عدالت نے یہ قرار دیا تھا کہ شوہر کی خواہش فی الواقع زوجہ کو رکھنے کی نہیں تھی بلکہ مہر معاف کرا کر فسخ نکاح کا خواہشمند تھا وغیرہ۔ اگر

یہ سب خاص حالات اس مقدمہ کے ہوتے تو یہ فیصلہ بطور نظیر ممکن ہے کافی ہوتا۔ منجملہ تین مجوزین فیصلہ کے ایک ذی علم مجوز نے فیصلہ صادر فرمایا اور بقیہ ذی علم حکام نے نتیجہ سے اتفاق فرمایا ہے۔

ان مسائل پر عوام الناس کو غلط فہمی ہے۔ برٹش انڈیا کے فیصلہ جات اور بعض شارحین کی رائے سے مسئلہ بجائے صاف ہونے کی پیچیدہ ہوگیا ہے نکاح بطور ایک بیع کے تصور کیا گیا ہے۔ مسٹر ملا ہینڈ بک آف محمڈن لا میں صرف دو صورتیں عورت کے جانب سے بذریعہ عدالت فسخ نکاح کرانیکی بتلاتے ہیں یعنی نامردی (عنین) اور لعان۔ یہی کتب عموماً وکلا و عدالتوں کے استعمال میں رہتی ہیں۔ بہ لحاظ ان کاؤنٹوں کے بھی جو اس بارے میں ہیں ہر عدالت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اصلی احکام کے بغور ملاحظہ کے بعد فیصلہ صادر کرے اس مسودہ کا پیش کیا جانا عملی نقطۂ نظر سے اب بے انتہا ضروری ہوگیا ہے۔ چنانچہ ریاست بھوپال میں اس ضرورت کو محسوس کرکے ایک اسی قسم کا قانون نافذ کیا گیا۔

آل انڈیا لیڈیز کانفرنس زیر سرپرستی بیگم صاحبہ بھوپال تھی۔ بیگم صدر یار جنگ بہادر اس کی معتمد ہیں۔ تمام ہندوستان میں اور حیدرآباد میں اس کی شاخیں ہیں۔ اس کو مسلم خواتین ہند کے متحدہ خیالات پیش کرنے کا حق تھا۔ اجلاس یازدہم زیر صدارت لیڈی آسما نجاہ فرخندہ بنیاد میں منعقد ہوا تھا جس میں تمام ہندوستان کے اراکین شریک تھے۔ آبرو بیگم صاحبہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ خلع کے صاف مسئلہ کو سخت ترین پیچیدہ کر دیا گیا ہے" اور جو قانون ہندوستان کی عدالتوں میں شرع شریف کے نام سے جاری ہے یہ اصلی احکام کے مطابق نہیں ہے" چند سال کی بات ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے انتھک کوشش سے قانون وقف علی الاولاد منظور کرایا تھا" اس کے متعلق دیوبند کے مشہور علامہ اور محدث مولوی انورشاہ صاحب کے خطبۂ صدارت اجلاس جمعیت العلما سے ایک اقتباس سنا دینا کافی سمجھتی ہوں۔ "اگر آج اعداد وشمار سے کام لیا جائے ..... تو ہندوستان میں ایسی عورتوں کی تعداد ..... جو مانی تنبیہ کو محتاج ہیں ظالم شوہروں نے ان کو معلق بنا کر چھوڑ رکھا ہے لاکھوں تک پہونچی ہے، بیگم صاحبہ موصوفہ نے

ریاست حیدرآباد سے بھی ایک ایسا قانون بنانے کی درخواست کی ہے کہ جس سے خلع طلاق وغیرہ کی مسائل صاف ہوجائیں

کانفرنس مذکور کی تحریک نمبر ۱۳ حسب ذیل ہے:-

"یہ کانفرنس اس امر کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ خلع جو شرع شریف کا ایک اہم مسئلہ ہے جس سے مستورات ضرورت کے وقت کام لے سکتی ہیں مگر چونکہ وہ مروجہ قانون کا جزو نہیں ہے۔ اس لیے طبقۂ نسواں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا لہذا اس مسئلہ پر قانون بنانا بہت ضروری ہے۔ یہ کام ممبران کونسل کا ہے ...... ممبران کونسل سے تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اس ضروری اور اہم مسئلہ کو قانون میں شامل کرنے کی کوشش فرمادیں"۔ اس مسئلہ کی محرک اور موئید ممالک محروسہ سرکار عالی سے دو بیگمات جنابہ مسز امیر حسن صاحبہ و جنابہ مسز ناظر یار جنگ تھیں۔ یہ تحریک بالاتفاق منظور ہوئی۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجی گئی۔ رپورٹ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ تحریک گورنمنٹ سرکار عالی کو بھیجی گئی یا نہیں

مجھکو اس تحریک کے الفاظ سے بحث نہیں ہے بلکہ اس کے اصلی مقصد سے۔ اور میری دانست میں فی زمانہ کانفرنسوں کی اس قدر کثرت ہے کہ ان بیگمات کے خیالات وعقائد کی طرف توجہ دلانا بے موقع نہوگا جنھوں نے اس میں حصہ لیا۔ چنانچہ تحریک نمبر ۱۴ باوجود مخالفت بہ تائید نایر و بیگم صاحبہ کثرت آرا سے منظور ہوئی کہ" اس کانفرنس کی رائے میں پردہ ہر مسلمان اور شریف خاتون کے لیے نہایت ضروری اور موجب عزت ہے" اور اس کانفرنس کی تمام کارروائی میں سنجیدگی اور اعتدال خاص طور پر نمایاں ہے۔

آل انڈیا ویمنس کانفرنس منعقدہ دہلی اور بین الاقوامی ویمنس کانفرنس میں جہاں تک اخباری اطلاع کی بنا پر خیال پڑتا ہے اسی قسم کی تحریکات زیر بحث رہیں اور پیش ہونے والی ہیں۔

ان تحریکات مباحث فیصلہ جات وفتاوے سے جن کا حوالہ میں نے ان وجوہ دلخواہ میں

دیا ہے۔ اس مسودہ کی ضرورت اور اس تحریک کے مقبول عام ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اس قسم کے مقدمات ان غلط فہمیوں کی وجہ سے عدالتوں میں بہت کم رجوع ہوتے ہیں مرد کا یہ خیال کہ وہ عورت کو نکاح میں بلا لحاظ اپنے اعمال کے روک سکتا ہے ملک کے لیے اس قدر خوفناک ہوگیا ہے کہ عورتوں نے اس مشورہ کی بنا پر کہ مظالم شوہری و عدم ادائی نفقہ سے مذہب اسلام میں ان کو خلاصی نہیں۔ تبدیل مذہب کر لیا۔ ایک طلب زوجہ کے مقدمہ میں مجھ سے اس قسم کا مشورہ لیا گیا تھا اتفاق سے زوجہ ایرانی تھی۔ میں نے اس کو ایران چلے جانے کا مشورہ دیا انہوں نے اس پر عمل کیا۔ فی الواقع تبدیل مذہب کی نیت نہیں ہوتی بلکہ ایک حیلہ نکالا جاتا ہے۔

گذشتہ سال ایک مقدمہ میں دارالقضا ربلدہ نے ایسے ارتداد کو جو صرف اس نیت سے کیا گیا ہو حقوق شوہری کے زائل ہونے کے لیے کافی تصور نہیں فرمایا۔ دفعہ (۷) انہیں صورتوں کے لیے مسودہ ہذا میں وضع کی گئی ہے اصول مندرجہ دفعہ مذکور کی تائید شرع شریف و نیز نظائر برٹش انڈیا و عام اصول قانون سے بھی ہوتی ہے کہ کسی شخص کو اپنے ایسے فعل سے دوسرے کے حقوق کے مقابلہ میں فائدہ نہ پہونچنا چاہیئے جو نیک نیتی پر مبنی نہ ہو اور جو صرف بطور حیلہ کیا گیا ہو۔ اور نہ اس صورت میں عدالت ہائے نصفت دادرسی عطا کرتی ہیں۔ دوسری طرف مرد پر بھی اس غلط فہمی کے اچھے اثرات نہیں پڑے۔

قیس بن ثابت کی بیوی سے جبکہ وہ خلع چاہتی تھی آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم ان کا شوہر کا مہر واپس کردوگی اس نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے قیس سے فرمایا کہ باغ قبول کرو اور انہیں طلاق دو۔ اس کے متعلق پروفیسر مولانا عبدالقدیر صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے ان کو طلاق کا حکم دیا اسی طرح قاضی مناسب سمجھے گا تو شوہر کو خلع کرنے اور مہر کے عوض طلاق دینے کا حکم کریگا اور اس کی تعمیل کرائیگا۔ روایت لعان کی ہے۔ آنحضرتؐ کے احکام موجود ہیں کہ شوہر پر واجب ہے کہ خرچ دے۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نفقہ دے یا اگر نفقہ دینے کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو الگ کر دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں زن و شوہر جھگڑتے ہوئے آئے ہر ایک کے ساتھ ان کی طرفدار جماعت تھی آپ نے وجوہ معلوم کر کے طرفین کو حکم مقرر کرنے کا حکم دیا اور جب ہر ایک کے حکم مقرر ہو گئے تو ہدایت کی کہ اگر حالات کا اقتضا ہو تو دونوں کو ملا دو اور اگر تفریق بہتر ہو تو تفریق کرا دو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی ایسے احکام ہوئے ہیں۔ جن سے ان احکام کی تائید ہوتی ہے۔

احکام شرع شریف مسلمانوں کے لیئے ہمیشہ کے واسطے کافی ہیں۔ ان میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہے مگر کسی کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اختلاف کا خوف پیدا کر کے اغراض شرع شریف کی تکمیل و تعمیل میں مزاحم ہو۔ یہ مسودہ ان مسودوں کی طرح نہیں ہے جن سے مسلمانوں کو اختلاف ہو اگر کسی ایسے قانون پر جو مسلمانوں کو احکام شریعت کی تائید کرے اعتراض ہو سکتا ہے تو اس پر بھی سارد اایکٹ جو اس وقت عارضی طور پر ملتوی ہے ایک خاص نقطۂ نظر پر مبنی تھا اور صحیح یا غلط طور پر بعض مسلمانوں کو بعد میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس میں کوئی چیز احکام اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن یہاں اس مسودہ کی غرض ہی صرف تعمیل احکام شرع شریف ہے۔ تفریق اور طلاق اگر ناپسند ہے تو ظلم حرام ہے۔ اگر نتائج قیام و فسخ ازدواج کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے سورۃ مائدہ آیت ۲۸ و ۲۹ متعلق ہے جہاں پر حکم ہے کہ دو شروں میں خفیف تر شر اختیار کیا جائے۔

اس مسودہ کے منظور ہو جانے سے اس بارے میں دوسرے توانین کے وقت بے وقت نافذ ہو جانیکا اندیشہ نہ رہیگا۔ جو احکام شرع کے مطابق نہ ہوں یا ان کی تعمیل کرنا ان کا مقصود نہ ہو سارد اایکٹ بھی بہ لحاظ دفعات (۵) و (۶) مسلمانوں کی حد تک غیر متعلق ہو جاتا ہے۔

معاشرتی و تمدنی ترقی کے لیئے عورت کا مرد سے ہم خیال رہنا ایک زبردست نشان اولاد کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کی ترقی کا ہو سکتا ہے۔ اگر عورت خواہ کسی مرد سے اولاد رکھتی ہو یا

نہیں مرد کے مظالم سے بے جا پریشان ہے تو یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ اگر وہ صاحب اولاد ہے تو اولاد کی بدبختی بھی اس کے ساتھ لگی رہے گی اور اگر صاحب اولاد ہونے سے پہلے اس ظلم ناروا کا شکار ہوگئی ہے تو اس کی پر الم زندگی دلخراش ہوگی۔ ازدواجی زندگی اور اولاد کا اثر سوسائٹی پر اس قدر زبردست ہے کہ ایسی سوسائٹی کمزور اور بے اثر ہو جاتی ہے۔

مردوں کو اس وجہ سے کہ وہ اس صنف کی حفاظت ناموس وصحت و آسائش کے ذمہ دار ہیں اور سینیر پارٹنر (SENIOR.PARTNER) کی حیثیت رکھتے ہیں شرع شریف نے ہدایت دی ہے کہ حسن سلوک سے انہیں اپنا بنا لیں اور اگر ان میں کسی وقت اسباب ناراضگی کا پیدا ہونا ناقابل اندفاع ہو تو اسباب معقول کے پیش نظر اُن کو عقد کی پابندیوں سے آزادی دی جائے۔

میرے خیال میں اہل سنت والجماعت میں تعبیر احکام میں جو طریقہ خیال کیا جاتا ہے اس کا سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شرعی قاضی کو ایسے شوہر کا ظلم دور کرنے کا حکم بتا جو زوجہ پر مظالم کرے اور یہ شرعی قوانین تعزیری کی رو سے وہ کر سکتا تھا جواب باقی نہیں رہا اور نہ وہ صورت اب متعلق ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ شوہر تعزیر سے بچکر اپنے آپ کو ان معاملات میں عقاب کی حد تک آزاد سمجھنے لگا۔

سنت والجماعت کے ائمہ کبار میں ان ائمہ کا اجتہاد جس سے مرد کے مظالم کا انسداد کیا گیا ہو زیادہ پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور یہ بھی ایک اصول ہے کہ بصورت اختلاف فتاوے ایسے فتاوی پر عمل کیا جائے جنسے ظلم دور ہو یا جن سے کمتر مضرت پہونچے (آیات سورۃ مائدہ تذکرۂ صدر)

فقہا نے ایسی بندشوں سے خلاصی کیلئے جو نکاح سے عائد ہوتی ہیں۔ ظلم ناروا۔ مرض لاعلاج و بدسلوکی۔ دمفقود الخبری وغیرہ اشکال میں اس امر کی اجازت دی ہے کہ ان میں طلاق

وخلع وتفریق کی سہولتیں پیدا ہوں

اس مسودہ کے مرتب کرنے میں تفصیلات کو عمداً ترک کیا گیا ہے اور ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ عدالتیں انصاف حاصل کرسکیں اور مظالم کا انسداد ہو۔ اس کا موقع نہ رہے کہ حیلے حوالے سے دشواریوں یا لفظی مباحث پر احکام شرع شریف کی تعمیل میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں۔

خیار بلوغ وتبدیل مذہب کے متعلق دفعات بھی اس لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔

عدالت کے اختیارات ایسے محدود یا مبہم نہ ہونا چاہیئے کہ کسی خاص حالت میں جو واضعان قانون کے اس وقت پیش نظر نہ ہوں عدالتیں انصاف نہ کرسکیں۔ بلکہ عدالتوں کو نہایت آزادی کے ساتھ حسب احکام شرع شریف ان امور میں فیصلہ کے ذریعہ انصاف کرنے کا موقع ملنا چاہیئے اور یہ رعایا کا حق اور حکومت اور واضعان قانون کا فرض ہے۔ چنانچہ شرع شریف نے قاضی باعمل یعنی ایسے قاضی کے جو فی الواقع فصل خصومات کا کام کرتا ہو فتاوی کو زیادہ قابل عمل خیال کیا ہے۔ ایسی بنا پر امام ابویوسف کے فتاوی مرجح سمجھے گئے۔

اس مسودہ میں کوئی مکمل ضابطہ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے اس معنی میں کہ دوسرے اشکال تفریق مثلاً لعان وغیرہ کی صراحت نہیں ہے۔ مہر۔ نفقہ۔ عدت۔ رضاعت۔ ولایت۔ حضانت کے نتائج جو احکام قانون ہذا سے متعلق پیدا ہوں گے ان کی بھی صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے لیے احکام شرع شریف کافی ہیں۔

دفعہ (۶) یعنی خیار بلوغ کی صورت میں عورت کو حق مہر نہ ہوگا۔ دفعہ ۳ میں اس کی حفاظت کی گئی ہے کہ عدالتیں عورتوں کے یک طرفہ بیانات پر تجاویز صادر نہ کریں۔

ایک خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ چونکہ نکاح کی گرہ کا منقطع کرنا نہایت ناپسندیدہ نظر سے دیکھا جاتا ہے اور زوجین میں بصورت نزاعات صلح احسن ہے۔ اس لیے کافی موانع اور مدت تصفیہ نزاعات

باہمی کا ملنا چاہیئے جس کی تائید روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے اور نہ اس سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ مسودہ ہذا میں اس کی جملہ حالات کے اعتبار سے کافی گنجائش ہے۔ الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں کہ کسی انفرادی واقعہ یا محض چند واقعات سے جب آئندہ بہتری کی توقع قوی ہو ان اختیارات کا نفاذ نہ کیا جائے۔ تعبیر قانون کے اصولوں سے جو واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کو محسوس کرینگے یہ بھی مدنظر رہے کہ موجودہ تنظیم و ضابطہ عدالتی میں عدالت کا کوئی ذاتی دلچسپی لینا پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا لیکن ضابطہ اور مدالتہائے مرافعہ کی جکڑ بندیاں موجود ہیں جو پہلے نہ تھیں۔

عدالتی تجربہ کی بنا پر بلا شبہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر مقدمہ میں عدالت ضلع بیرون عدالت کو موجودہ ضابطہ کے تحت نہ صرف پسندیدہ نظر سے دیکھتی ہے بلکہ جب بلا مزید طوالت فیصلہ پر آمادہ ہو جاتی ہے تو اس وقت بھی اس بنا پر کہ فریقین میں مصالحت کا امکان ہے مواقع دینے سے انکار نہیں کیا جاتا

موجودہ ضابطہ نے مقدمات کا دوران لازمی طور پر لمبا رکھا ہے اور ایسے مواقع فریقین کو ایک دوسرے کا مقدمہ معلوم کرنے۔ جوابدہی کرنے شہادت پیش کرنے وغیرہ کے دیئے ہیں کہ اس بارے میں شکایات کی گنجائش نہیں ہے۔ ضابطہ مقدمات دیوانی ابتدائی مرافعہ نگرانی تجویز ثانی کے ایسے مختلف مدارج ہیں کہ مقدمہ بازی کو ایک قیمتی شوق بھی کہا گیا ہے جہاں امکان صلح ہو اول تو مقدمہ دائر کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی نوٹس و ترتیب عرضی دعوے کی نوبت ہی پر نزاع ختم ہو جائے گی یا کم سے کم مقدمہ مدارج آخری طے نہ کر سکیگا۔ البتہ جہاں پر درخواست یا استغاثہ گذرتے ہی فوراً کسی کارروائی کے قطعی طور پر طے ہو جانے کا اندیشہ ہو وہاں پر ایسے قیود ضروری ہیں۔ ایسے قیود میری دانست میں احکام قانونی اضافی یعنی ضابطہ ہیں نہ کہ جزو قانون اصلی۔

بہمہ وجوہ اس مسودہ کے پیش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے فقط ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء

خلیل الزماں صدیقی بیرسٹر (رکن مجلس وضع قوانین وغیرہ)

بھوپال کا ضابطۂ تحفظ حقوق زوجین

تقریباً دو سال ہوئے کہ سرکار بھوپال نے "تحفظ حقوق زوجین" کے نام سے ایک قانون اپنی مملکت میں نافذ کیا تھا جس کی نوعیت بھی قریب قریب وہی تھی جو مولوی خلیل الزماں صدیقی صاحب کے پیش کردہ مسودہ کی ہے لہذا مناسب ہوگا کہ صدیقی صاحب کے مسودہ پر غور کرتے وقت اس قانون کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

(ایڈیٹر)

ملک میں ایک عرصہ سے اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ جب کبھی نزاع باہمی اختلاف طبائع یا دیگر وجوہ سے مسلمان عورتیں بدرجہ مجبوری رشتۂ نکاح سے آزادی حاصل کرنا چاہتی ہیں تو اُن کو اس میں ایسی دشواریاں پیش آتی ہیں کہ اُن کے سبب سے بسا اوقات نہ صرف اُن کی بلکہ ایک جماعت کثیر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مذہب اسلام نے تمام افراد کے حقوق کا یکساں خیال رکھا ہے اور ہر ایک کی جائز و بجا خواہشات کی مساویانہ و منصفانہ رعایت کی ہے اور کبھی کسی حال میں کسی کی حق تلفی نہیں فرمائی اور اسی اصول کے مطابق فقہائے کرام نے بربنائے ضرورت و مصلحت وقت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کو جائز رکھا ہے اور اسی لحاظ سے قبل ازیں ریاست محروسہ بھوپال میں ایک حکم نافذ و جاری ہو چکا ہے (حکم نمبر ۹ مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۲۳ ہجری مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۰۵ء مطبوعہ ہدایات سلطانی حصہ نمبر ۳) چنانچہ اس سے اس قسم کی مشکلات کا ایک حد تک حل ہوگیا لیکن اس کے سوا اور بہت سی صورتیں ہیں جن کے تدارک مناسب کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔

چونکہ مذہب حنفی میں اس بات کی اجازت دیگئی ہے کہ باقتضائے ضرورت حاکم کے حکم کے[1] مطابق دیگر ائمہ کے مسلک کو اختیار کیا جا سکتا ہے[2] اس اصول کے تحت میں حالات حاضرہ اور ضروریات موجودہ کی بنا پر منظوری اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ و ملحوظی احکام شرعیہ مندرجۂ ذیل ضابطہ منظور کیا جاتا ہے۔

مختصر نام و تعلق نفاذ و تاریخ نفاذ	دفعہ (۱) جائز ہے کہ یہ "ضابطہ" از نام تحفظ حقوق زوجین موسوم کیا جائے۔

(الف) یہ ضابطہ محکمات شرعیہ ریاست بھوپال سے متعلق ہوگا اور

(ب) فوراً نفاذ پذیر ہوگا۔

شوہر مفقود الخبر	دفعہ (۲) جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور لاپتہ ہو[3] اور اس نے

اپنی زوجہ کے نان نفقہ کا کچھ انتظام نہ کیا ہو اور زوجہ بوجہ مفقودی شوہر خود استدعائے تفریق پیش کرے تو محکمۂ قضا ثبوت مفقودی[4] و عدم کفالت نان و نفقہ و عدم نشوز کے متعلق زوجہ مفقود سے حلف لینے کے بعد تین ماہ تک تین اشتہار حسب ذیل مضمون کے شائع کریگا۔

"چونکہ فلاں شخص اتنے عرصہ سے لاپتہ ہے اور اس نے اپنی اہلیہ مسماۃ فلاں کی خبرگیری نہیں کی نہ اس کے نان و نفقہ کا کچھ انتظام کیا، لہذا وہ جلد سے جلد اپنی جائے قیام وصحیح پتہ سے محکمہ ہذا کو اطلاع دیکر اپنی زوجہ مسماۃ فلاں کی شکایت کا مناسب انتظام کرے ورنہ حسب مسلک امام مالکؒ اس کا نکاح فسخ کر دیا جائیگا۔"

توضیح (۱) مسلک امام مالکؒ یہ ہے کہ اگر مفقود[5] نے مال بقدر کفالت نان و نفقہ

---

[1] شامی جلد نمبر ۱ صفحہ ۶۵ [2] شامی جلد ۱ ص ۲۰۷ [3] قاضی خاں جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۵ [4] قاضی خاں جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۸ [5] صغیری حاشیہ کفایت الطالب جلد نمبر ۲ صفحہ ۷۰ و ۷۱

چھوڑا ہو تو یوم مرافعہ سے چار سال گذرنے کے بعد نکاح فسخ ہو جائیگا۔ ورنہ فوراً طلاق ہو جائے گی۔

(۲) اعلان مذکورہ بالعموم جریدہ بھوپال میں یا کسی اور طریقہ سے جو محکمۂ قضا بلحاظ حالات متعلقہ مناسب سمجھے شائع کیا جائیگا۔

(۳) حسب طریقۂ بالا جو اعلانات[1] شائع ہوں گے ان کے مصارف بشرط امکان شخص مذکور کی جائداد سے وصول کیے جائیں گے۔ ورنہ عورت بصورت استطاعت ادا کرے[2] گی۔ بصورت دیگر معاملہ گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے جریدہ میں مفت اشاعت کا انتظام کیا جائیگا۔

نمبر ۴۔ اگر یہ ثابت ہوگا کہ مفقود نے مال بقدر کفالت زوجہ چھوڑا ہے۔ تو محکمۂ قضا سے زوجۂ مفقود کو تاریخ درخواست سے چار سال تک انتظار شوہر مفقود کا حکم دیا جائیگا۔

نمبر ۵۔ بصورت عدم ذرائع کفالت تاریخ اشاعت اشتہار آخر سے تین ماہ گذرنے کے بعد اگر پتہ شخص مذکور کا نہ معلوم ہوگا تو محکمۂ قضا سے ان زوجین میں تفریق کرا دی جائے گی

نمبر ۶۔ اگر چار سال کے انتظار کے بعد بھی شوہر کا پتہ نہ معلوم ہوگا تو محکمۂ قضا سے حکم فسخ نکاح صادر کیا جائے گا۔

نمبر ۷۔ بعد صدور حکم فسخ نکاح زوجہ چار ماہ دس دن ایام عدت گزار کر نکاح ثانی کر لینے کی مجاز ہوگی

نمبر ۸۔ اگر شخص مذکور بعد فسخ نکاح و مرور ایام عدت واپس آئے اور اس عورت پر دعوے کرے تو ایسی صورت میں اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا

تفریق بصورت عدم ادائے نان ونفقہ	دفعہ ۳۔ جن مستورات کے شوہر ان کا نان ونفقہ دینے

---

[1] صعیدی جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۰۰ [2] صعیدی نمبر ۲ صفحہ ۰ ، [3] قاضی خاں جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۹۔
[4] عبارت سند مندرجہ دفعہ (۱) توضیح نمبر ۴ و ۵ ، ۶ کے لیے کافی ہے [5] صعیدی جلد ۲ صفحہ ۰۔

عاجز ہوں اور بوجہ عدم استطاعت ایسا نہ کر سکتے ہوں یا باوجود[1] مقدرت و استطاعت ایسا نہ کرتے ہوں اور اُس پر آن کا اصرار ہو تو مستورات آخر الذکر بھی نان و نفقہ سے محروم ہونے کی وجہ سے اہل عسرت شوہروں کی زوجات کے مثل سمجھی جائیں گی اور ان کی ایسی شکایات پیش ہونے پر شوہروں کو حکم ادائے نان و نفقہ میعادی سہ ماہ محکمہ قضا سے دیا جائے گا اور یہ حکم صادر کیا جائے گا کہ بصورت عدم تعمیل فلاں تاریخ مقررہ کے بعد فیما بین اوس شوہر اور اُس کی زوجہ کے تفریق کر دی جائیگی"

توضیح ۔ اس تفریق کے بعد ایسی عورت کا نکاح ثانی حسب[2] قواعد شرعیہ ہو سکیگا ۔

نان و نفقہ کا تعین | **دفعہ** (۴) نان و نفقہ کی مقدار کا تعین ہر صورت میں نفقہ دہندہ کی حیثیت[3] اور ذرائع آمدنی کے لحاظ سے محکمہ قضا کریگا ۔ اور آیندہ ذرائع آمدنی کی کمی و بیشی پر بصورت مذکورہ داری مقدار مقررہ میں کمی بیشی ہو سکے گی ۔

تفریق بصورت امراض | **دفعہ** (۵) اگر کسی عورت کی جانب سے اُس کے شوہر کی نسبت یہ شکایت پیش ہو کہ اُس کا شوہر عنین[4] یا مجذوم یا مبروص ہے اور اس بنا پر استدعا تفریق کی جائے تو حسب قواعد شرعیہ ایک[5] سال کی مہلت علاج کے واسطے شوہر کو دیجائے گی اگر اس مدت میں شوہر صحتیاب نہ ہو تو حسب استدعا زوجہ محکمہ قضا سے فیما بین[6] تفریق کر دی جائے گی ۔

توضیح (۱) بصورت بالا تفریق کے لیے شرط ہے کہ عورت اپنی درخواست میں لکھدے کہ وہ اپنے زر[7] مہر اور ایام عدت کے صرفہ سے دست بردار ہوتی ہے اور اُس کا مطالبہ نہ کریگی ۔ بشرطیکہ یہ امراض نکاح کے بعد پیدا ہوئے ہوں اور عورت بھی رتقا و قرنا نہو[8]

---

[1] منہاج مع شرح المحلی صفحہ ۱۸۹ و ۸۷ و صفحہ ۴ سطر ۱ [2] ہدایہ اولین صفحہ ۱۰۴ ۔ [3] شرح کفایت الطالب جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۸ ۔ [4] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۰ [5] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱ [6] صعیدی جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۸ ۔

(۲) اگر امراض مذکورہ مرد میں قبل نکاح تھے اور بوقت نکاح چھپائے گئے تو اس صورت میں عورت تفریق کے ساتھ مہر پانے کی مستحق ہوگی لیکن اگر قبل نکاح مرد کے ان امراض میں مبتلا ہونیکا عورت کو علم تھا تو عورت کو تفریق حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا۔

تفریق بصورت نفرت زوجین | دفعہ (۶) اگر کسی عورت کی جانب سے اس کے شوہر کے مجبوب ہونے کی بنا پر استدعا تفریق پیش ہو اور شوہر نکاح کے بعد مجبوب ہوا ہو یا قبل نکاح تھا اور عورت کو اس کا علم نہ ہوا تھا تو ثبوت مجبوبیت پر بلا مہلت تفریق کردی جائے گی اور مہر بھی بذمہ شوہر واجب الادا ہوگا۔ اس کے علاوہ ہر وہ عیب جو باعث نفرت زوجین ہو اور اس سے مقصد نکاح حاصل نہ ہوتا ہو۔ اختیار فسخ کو واجب کردیگا۔

توضیح:- اگر باوجود علم کے کہ شوہر مجبوب ہے عورت نکاح پر بیان دے چکی ہو تو عورت کا حق تفریق باطل ہوگا۔

قاضی کا اختیار تفریق | دفعہ (۷) محکمۂ قضا کو تفریق کرانے کا اختیار ان وجوہ کے علاوہ کہ شوہر زوجہ سے ہمیشہ بدسلوکی کرتا ہے یا اس نے شرائط نکاح کی تکمیل نہیں کی یا زوجین باہمی رحمت و مودت نہیں رکھتے، اس صورت میں بھی ہے کہ قبل نکاح احد الزوجین امراض لاعلاج میں مبتلا تھے۔

عورت کو طلاق مانگنے کا حق | دفعہ (۸) اگر زوجہ اس بنا پر استدعائے تفریق پیش کرے کہ اس کا شوہر چار سال یا اس سے زائد مدت کی سزا پاکر قید ہوگیا ہے اور بوجہ تنگدستی و افلاس شخص مقید اپنی زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ کی کفالت نہیں کرسکتا تو اسکی حالت معسر کی سی سمجھی جائے گی اور اسی کے مطابق تحت احکام شرعیہ محکمۂ قضا سے ایسے زوجین کے مابین تفریق کردی جائے گی اور زوجہ کو

---

[۱] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱۔

[۲] کتاب زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۳۴، ۱۲۷۔ [۳] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱۔

حسب احکام شرعیہ اجازت نکاح ثانی دیدی جائے گی۔

توضیح۔ (۱) صرف مفلسی کے عذر پر کوئی شخص اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ شخص محنت کر کے معاش حاصل کر سکتا ہے اور ضعیف و نحیف نہیں ہے تو اس پر اپنی زوجہ کے لیے نفقہ مہیا کرنا فرض ہے بصورت دیگر عورت طلاق کی مستحق ہو گی

(۲) حسب ذیل صورتوں میں جو مانع رحمت و مودت[1] ہیں عورت طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاتی ہے

(الف) جبکہ شوہر کا شرائط نکاح پورا کرنے سے قولاً و عملاً انکار پایا جائے۔

(ب) جب اس کو معلق کردے اور نفقہ نہ دے۔

(ج) جب اس سے بھیک منگوائے۔

(د) جب کسی طرح اس کے پاس نہ جائے۔

(ہ) جب اس سے ایسی مزدوری کرائے جو اس کی کسرشان یا آبروریزی کا باعث ہو۔

(و) جب وہ متعدد زوجات رکھتا ہو اور سب سے برابری و انصاف نہ کرتا ہو۔

(ز) جب وہ ہمیشہ زوجہ پر ظلم و جور کرتا ہو اور مار کر ضرر جسمانی پہنچاتا ہو۔

توضیح نمبر ۳۔ مذکورۂ بالا صورتوں میں فیصلہ کنندہ کی رائے یا تجویز پر انحصار ہوگا اور وہ مجاز ہوگا کہ کسی ایک وجہ کو جو حقوق زوجیت کی ادائی میں مانع ہو بلحاظ احکام شرعیہ سبب فسخ قرار دے۔

عورت کا مرد سے طلاق لینا یا مرد کا عورت کو طلاق دینا

دفعہ ۹۔ اگر کسی شخص کی ایسی شکایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ جس عورت سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ قبل نکاح مرض جنون یا مرض جذام یا برص یا مرض اندام نہانی میں مثل قرن یا رتق کے مبتلا تھی اور شوہر کو ایسے کسی مرض کا علم نہ تھا۔ نہ وہ اس پر رضامند تھا۔ تو بصورت طلاق شوہر حسب مسلک امام مالکؒ صرف ایک ربع دینار عائد ہوگا

[1] کتاب زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۳۳

بقیہ مہر ساقط ہوگا۔

توضیح (۱) امام احمدؒ کے بعض شاگردوں نے زن و شوہر کے چند دیگر امراض کو بھی ان ہی امراض میں شامل کیا ہے، جن کے سبب سے مرد زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے یا زوجہ مرد سے طلاق لے سکتی ہے اور وہ امراض حسب ذیل ہیں :-

۱۔ نتن الفرج (اندرونی گندگی)۔

۲۔ نتن الفم۔ (گندہ دہنی)

۳۔ انخراق مجری البول

۴۔ اندام نہانی کے بہنے والے زخم

۵۔ بواسیر۔

۶۔ ناسور

۷۔ استحاضہ

۸۔ استطلاق البول

۹۔ احد الزوجین کا خنثیٰ مشکل ہونا

توضیح (۲) مذکورہ بالا صورتوں میں طرفین کو بہ تعیین اختیار تنسیخ نکاح حاصل ہے یعنی جب زوجہ و شوہر کو معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک اس قسم کے کسی مرض میں مبتلا ہے تو مرافعہ باستدعا[1] تنسیخ نکاح محکمۂ قضا میں پیش ہوگا، لیکن لازم ہے کہ ایسا مرافعہ بہت جلد عمل میں لایا جائے۔ اگر تاخیر بیجا[2] ہوگی تو گمان غالب ہوگا کہ طرفین نے اس حالت کو قبول کر لیا تھا۔ یا حق تنسیخ سے دست بردار ہو گئے تھے

(۳) مجانب مرد یا زوجہ بتقاضائے حالات استدعائے تفریق پیش کئے جانے پر اگر محکمۂ قضا کی

---

[1] و [2] قاضی خان جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۸۸

رائے میں باتباع تصریحات مذکورہ تفریق ضروری متصور ہو تو محکمہ مذکور حسب حکم شرعی تحت ضابطہ نافذ الوقت گورنمنٹ سے حکم حاصل کرکے تنسیخ نکاح کا حکم صادر کرنیکا مجاز ہوگا۔

ضابطہ بصورت عدم حاضری

دفعہ (۱۰) اگر کوئی شخص بضرورت تکمیل اغراض انصاف محکمہ قضا کی طلبی پر حاضر نہ ہو یا تعمیل سمن سے گریز کرے یا روپوش ہو تو ایک نوٹس اس مضمون کا رجسٹری شدہ دیا جائیگا کہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر جواب دہی کرے، بصورت دیگر یکطرفہ فیصلہ کیا جائیگا۔

محکمہ قضا کے فیصلہ کی نظر ثانی

دفعہ (۱۱) محکمہ قضا کے فیصلہ کی نظر ثانی تاریخ فیصلہ سے ساٹھ دن کے اندر محکمہ قضا میں بعیت محکمہ افتا ہوسکے گی۔ قاضی صاحب و مفتی صاحب کے اتفاق رائے کی صورت میں فیصلہ ناطق ہوگا، بصورت اختلاف موصوف الیہم معاملہ مجلس العلماء میں پیش ہو کر کثرت رائے سے اس کا فیصلہ کیا جائیگا۔

تنازعات زوجین کے لیے حکم کے مقرر کرنیکا ضابطہ

دفعہ (۱۲) محولہ بالا صورتوں کے علاوہ زوجین کے دیگر تنازعات باہمی کے تصفیہ کے لیے ایک ایک حکم ملحوظی[1] احکام شرعیہ اور ایک ثالث محکمہ قضا سے مقرر کیا جائے گا، جسکا تصفیہ ناطق اور واجب التعمیل ہوگا اور ضابطہ حسب دفعہ (۱۰) یہ ہوگا کہ نوٹس رجسٹری شدہ دیا جائے گا کہ فریق ثانی تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر خود جواب دہی کرے بصورت دیگر یکطرفہ فیصلہ کیا جائے گا، اور کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔

---

[1] شامی جلد نمبر ۲ صفحہ ۵۹ ۔ [2] بحکم قرآن فابعثوا حکما الخ ۔ [3] بیضاوی شریف صفحہ ۱۸۳

کلام القرآن

از

جناب مولوی ابوالرشید محمد عبد اللہ صاحب وکیل ہائیکورٹ ۔ ناندیڑ

ماہ رجب ۱۳۵۲ھ کے ترجمان القرآن میں دکن کے مشہور مضمون نگار مولانا ابوالخیر خیر اللہ صاحب نے عنوانات بالا کے تحت چند آیات قرآن شریف نمونتاً پیش فرما کر یہہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ ان آیات شریفہ کا استعمال روزمرہ کے طور پر کیا جائے تو نا واقف بھی قرآن شریف کے معانی و مطالب سے واقف ہوجائیں گے ۔ فی الحقیقت یہہ ایک عمدہ رائے ہے ۔ میں بھی ایک عرصہ سے اس رائے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا ہوں ۔ چنانچہ میں نے قرآن شریف کے بیشتر حصہ سے ایسی آیات کا انتخاب کرلیا ہے ۔ اور میرا ارادہ ہے کہ خاص خاص عنوانات کے تحت ان آیات کو ایک رسالہ کی شکل میں ترتیب دوں تاکہ یہہ آیات تبرکاً عوام میں رائج ہوں ۔ مولانا ابوالخیر صاحب نے انہی آیات کا انتخاب فرمایا ہے جو روزمرہ کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کو وسعت دیکر اس میں ایسی آیات کا انتخاب بھی کیا جانا مناسب ہوگا جن سے اخلاق کی اصلاح ہوسکتی ہے ۔ میرے انتخاب میں یہہ امر بھی پیش نظر رہا ہے میں اپنی منتخب کردہ چند آیات نمونتاً پیش کرتا ہوں ۔ آپ مناسب سمجھتے ہوں تو ترجمان القرآن میں اسکو طبع فرمادیجے ۔

۱۔ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ	اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے
۲۔ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ	اچھا اور برا برابر نہیں ہوسکتے ۔

۳۔ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ	یہ ایسا وعدہ ہے جو ہرگز جھٹلایا نہیں جائیگا
۴۔ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ	کیا تم میں کوئی عقلمند آدمی نہیں ہے۔
۵۔ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ	ہم جو چاہتے ہیں وہ تم کو معلوم ہے
۶۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ	صبر اچھی چیز ہے۔
۷۔ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ	تم نے جو مانگا وہ اُس نے تم کو دیا۔
۸۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ	جس بات کا تم کو علم نہو اُس کے پیچھے مت پڑو
۹۔ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ	جس کو اللہ ذلیل کرے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں
۱۰۔ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ	وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔
۱۱۔ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ	تم جو چاہو کرو۔
۱۲۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ	اس میں وہ سب کچھ ہے جو دل چاہتا ہے۔
۱۳۔ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ	اگر تم بھلائی کروگے تو اپنے ہی لیے کروگے۔
۱۴۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا	زمین پر اکڑ کر مت چلو۔
۱۵۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ	فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔
۱۶۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ	اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔
۱۷۔ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ	اپنی آواز کو پست کرو۔

قواعد و نرخنامۂ اشتہارات

مقدار	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
صفحہ	عـہ	۸عـہ	۸للعہ	لـہ
عف صفحہ	لـے	۸عـہ	۸عـہ	۸للعہ
ن صفحہ	للعہ	عـہ	۱۶عـہ	۸عـہ

کوئی خلاف شریعت یا خلاف تہذیب اشتہار شائع نہ کیا جائے گا۔

اشتہار کی اشاعت سے پہلے اجرت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔

صرف وہی چربے قبول کئے جائیں گے جو اس رسالہ کی وضع وہیئت کا لحاظ رکھ کر تیار کئے گئے ہوں۔

نرخنامہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جائے گی۔

ٹائیٹل کے صفحات کی اجرت عام نرخنامہ کی بہ نسبت ۲۵ فیصدی زیادہ ہوگی۔

Registered No. M. 2880 رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۰ تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینہ کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے

منیجر "ترجمان القرآن"

(خیریت آباد (حیدرآباد دکن))

طابع و ناشر

ابوالاعلیٰ مودودی

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

جلد (۳) عدد (۴)
شوال ۱۳۵۵ھ

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (عہ) بیرون ہند کے لئے (سے) قیمت فی پرچہ ۸/

فہرست مضامین

نمبر		صفحات
۱	اشارات .... ابوالاعلیٰ مودودی	۱۹۴
۲	اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی　〃	۲۰۰
۳	غرانیق علیٰ　مولنا عبداللہ العمادی	۲۲۱
۴	مسودۂ قانون ازدواج اہل اسلام　مولنا ضیا احمد صاحب قدوسی	۲۲۸
۵	مسئلۂ جبر و قدر　ابوالاعلیٰ مودودی ..	۲۳۹
۶	نقد و نظر　〃　〃	۲۵۵

اشارات

۱۹۳۳ء کے گذشتہ ماہ دسمبر کی ابتدا میں امریکہ کے قانونِ تحریم خمر (Prohibition Law) کی تنسیخ کا باقاعدہ اعلان ہوگیا، اور تقریباً چودہ برس کے بعد نئی دنیا کے باشندوں نے پھر "خشکی" سے "تری" کے حدود میں قدم رکھا۔ جمہوریہ امریکہ کی صدارت پر مسٹر روزولٹ کا فائز ہونا خشکی پر تری کی فتح کا پہلا اعلان تھا اس کے بعد اپریل ۱۹۳۳ء میں ایک قانون سے ۲ء۳ فی صدی الکحل کی شراب کو جائز کیا گیا اور چند مہینے نہ گذرے تھے کہ دستورِ جمہوریہ امریکہ کی اٹھارویں ترمیم ہی منسوخ کر دی گئی جس کی رو سے ریاستہائے متحدہ کے حدود میں شراب کی خرید و فروخت درآمد و برآمد اور ساخت و پرداخت حرام قرار دی گئی۔

قانون کے ذریعہ سے اخلاق و معاشرت کی اصلاح کا یہ سب سے بڑا تجربہ تھا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اٹھارویں ترمیم سے پہلے کئی سال تک اینٹی سیلون لیگ (Anti-saloon League) رسائل و جرائد، خطبات، تصاویر، میجک لینٹرن، سینما اور بہت سے دوسرے طریقوں سے شراب کی مضرتیں اہل امریکہ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ اور اس تبلیغ میں اس نے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تحریک کی ابتدا سے لے کر ۱۹۲۵ء تک نشر و اشاعت پر ساڑھے چھ کروڑ ڈالر صرف ہوئے، اور شراب کے خلاف جس قدر لٹریچر شائع کیا گیا وہ تقریباً ۹ ارب صفحات پر مشتمل تھا۔

اس کے علاوہ قانون تحریم کی تنفیذ کے مصارف کا جس قدر بار گذشتہ چودہ سال میں امریکی قوم کو برداشت کرنا پڑا ہے اس کی مجموعی مقدار ۔۔۔۔۔۔ ۵۴ پونڈ بتائی جاتی ہے۔ اور حال میں ممالک متحدہ امریکہ کے محکمۂ عدل نے جنوری ۱۹۲۰ء سے اکتوبر ۱۹۳۳ء تک کے جو اعداد و شمار شائع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی تنفیذ کے سلسلہ میں ۲۰۰ آدمی مارے گئے، ۵۳۴۴۳۵ قید کئے گئے ۔۔۔۔ ۱۶ پونڈ کے جرمانے عائد کئے گئے اور ۔۔۔۔ ۴۰۰ پونڈ مالیت کی املاک ضبط کی گئیں۔

جان و مال کے یہ ہولناک نقصانات صرف اس لئے برداشت کئے گئے کہ بیسویں صدی کی اس "مہذب ترین" قوم کو جس کا آفتاب علم و دانش نصف النہار پر پہنچا ہوا ہے، ام الخبائث کی بے شمار روحانی، اخلاقی، جسمانی، اور مالی مضرتوں سے آگاہ کیا جائے اور محفوظ رکھا جائے۔ لیکن تحریم سے پہلے کئی سال اور تحریم کے بعد کئی سال کی مسلسل کوششیں جن میں حکومت امریکہ کی طاقت بھی شریک تھی امریکی قوم کے عزم مےخواری کے آگے ناکام ہو گئیں اور "تاریخ عالم کا سب سے بڑا اصلاحی مجاہدہ" آخر کار بے سود ثابت ہوا۔

تحریم خمر کی یہ ناکامی اور قانون تحریم کی یہ تنسیخ کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ شراب کی جو مضرتیں اس قانون کے وضع کرنے اور دستور جمہوریہ میں اٹھارویں ترمیم کے منظور کرنے کی باعث ہوئی تھیں وہ اب منفعتوں سے بدل گئی ہیں، یا کسی نئے علمی اکتشاف نے ان خیالات کو غلط ثابت کر دیا ہے جو پہلے قائم کئے گئے تھے۔ برعکس اس کے آج پہلے سے بھی زیادہ وسیع و کثیر تجربات کی بنا پر یہ حقیقت تسلیم کی جاتی ہے کہ قحبہ گری، زنا، لواطت، چوری، قمار بازی، قتل و خون اور ایسے ہی دوسرے اخلاقی مفاسد اس ام الخبائث کے قریب ترین رشتہ دار ہیں، اور مغربی اقوام کے اخلاق، صحت، معیشت اور معاشرت کی تباہی میں

اس کا باعث ہے لیکن اس کے باوجود جس چیز نے آج حکومت امریکہ کو اپنا قانون واپس لینے اور حرام کو حلال کردینے پر مجبور کر دیا وہ صرف یہ ہے کہ امت امریکہ کی عظیم اکثریت کسی طرح شراب چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی، اور وہی ملک جس کے ووٹ نے اب سے چودہ برس پہلے یہ چیز حرام کی تھی، اب اس کو حلال کرنے پر اصرار کرنے لگی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے شراب خواری کے نقصانات سے کسی بڑے سے بڑے حامی شراب نے بھی کبھی انکار نہیں کیا، اور نہ کبھی مخالفین تحریم نے شراب کے محاسن کی کوئی ایسی فہرست پیش کی جو ان قبائح کے مقابلہ میں کچھ بھی وزن رکھتی ہو جس وقت امریکن کانگریس کے سامنے رائے عام کی تائید سے اٹھارویں ترمیم پیش ہوئی تھی، اس وقت "خشکی" اور "تری" کے درمیان پوری طرح موازنہ کر لیا گیا تھا، اور انہی تمام مضرتوں اور خرابیوں کا لحاظ کرتے ہوئے کانگریس نے وہ ترمیم منظور کی تھی، ۴۶ ریاستوں نے اس ترمیم کی توثیق کی تھی، دار المبعوثین (House of Representatives) اور مجلس شیوخ (Senate) نے اس ترمیم کے مطابق قانون تحریم Volstead Act) پاس کیا تھا۔ یہ سب کچھ امریکی قوم کی مرضی سے ہوا، اور جب تک تحریم کا معاملہ کاغذ اور زبان تک رہا قوم خوش خوش اس کی تائید کرتی رہی۔ مگر جونہی کہ یہ تحریم عالم معاملہ میں آئی، تمام امت امریکہ کا رنگ بدل گیا۔ ام الخبائث کے ہجر میں پہلی رات بسر کرتے ہی دنیا کی سب سے زیادہ متمدن، ذی علم، ذی ہوش حقائق پسند اور ترقی یافتہ قوم دیوانی ہو گئی، اور اس نے جوش جنون میں وہ حرکتیں شروع کر دیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ قوم شرقی شاعری کے خیالی عاشقوں کی طرح فی الواقع اپنا سر پھوڑ ڈالے گی۔

اجازت یافتہ شراب خانوں کے بند ہوتے ہی تمام ملک میں کھوکھا خفیہ شراب خانے (Speak easies and 'Blind pigs') قائم ہو گئے، جن میں قانون کی گرفت سے بچ کر شراب پینے پلانے بیچنے اور خریدنے کے عجیب عجیب طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔ کسی شخص کا اپنے کسی دوست یا غیر کو

کسی خفیہ شراب خانے اور اس کے مقررہ اشارے (Password) کا پتا بتا دینا ایک خاص مہربانی کا فعل سمجھا جاتا تھا۔ پہلے حکومت ان شراب خانوں کی تعداد، ان کی شرابوں کی نوعیت اور ان میں آنے جانے والوں کے حالات کی نگرانی کر سکتی تھی مگر اب وہ اس کی نگرانی کے حدود سے آزاد تھے۔ اس لئے ان کی تعداد قبل تحریم کے اجازت یافتہ شراب خانوں سے کئی گنی زیادہ ہوگئی۔ ان میں ہر قسم کی بدترین شرابیں فروخت ہونے لگیں جو صحت کے لئے غایت درجہ مضر تھیں، اور ان میں کمسن لڑکوں اور لڑکیوں کی آمدورفت بہت بڑھ گئی جس کے ہولناک نتائج سے ریاستہائے متحدہ کے اہل فکر میں عام اضطراب برپا ہوگیا۔

اٹھارویں ترمیم کی برکت سے امریکہ میں شراب کی قیمت پہلے سے کئی گنی زیادہ ہوگئی۔ اس طرح مے فروشی کا پیشہ ایک بڑا پُرمنفعت پیشہ بن گیا، اور ہزاروں لاکھوں آدمی یہی کاروبار کرنے لگے۔ خفیہ مے خانوں کے علاوہ بکثرت پھیری لگانے والے مے فروش (Boot legger) پیدا ہوگئے جو گویا پھرتے چلتے مے خانے تھے۔ یہ لوگ مدرسوں، دفتروں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں، حتیٰ کہ لوگوں کے گھروں تک پہنچ کر شراب بیچنے اور نئے نئے گاہک پیدا کرنے لگے۔ کم سے کم اندازہ یہ ہے کہ زمانہ قبل تحریم کی بہ نسبت بعد تحریم کے زمانہ میں امریکہ کے مے فروشوں کی تعداد دس گنی زیادہ ہوگئی تھی۔

شہروں سے گذر کر دیہات تک میں یہ کاروبار پھیل گیا تھا۔ اور گاؤں گاؤں شراب کشید کرنے کے خفیہ کارخانے قائم ہوگئے تھے۔ تحریم سے پہلے امریکہ میں عرق کشی کے اجازت یافتہ کارخانوں کی تعداد کل چار سو تھی تحریم کے بعد سات سال کے اندر ۷۹۴۳۷ کارخانے گرفتار ہوئے۔ ۹۳۸۳۱ بھٹیاں پکڑی گئیں، پھر بھی شراب فروشی کے کاروبار میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی محکمہ تحریم کے ایک سابق کمشنر کا اندازہ ہے کہ "ہم کل کارخانوں اور بھٹیوں کا صرف دسواں حصہ پکڑ سکے"۔

اس طرح شراب کی [illegible] میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا تخمینہ کیا گیا کہ تحریم کے زمانے میں امریکہ کے باشندے

جہاں ۲۰ کروڑ گیلن شراب پی جاتے تھے یہ مقدار استعمال قبل تحریم کی مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

پھر جو شراب اس قدر کثیر مقدار میں استعمال کی جاتی تھی وہ حد درجہ خراب اور مضر صحت تھی۔ اطبا کا بیان ہے کہ "اس چیز کو شراب کے بجائے زہر کہنا زیادہ صحیح ہے۔ اس کے حلق سے اترتے ہی معدے اور دماغ پر اس کے زہریلے اثرات مترتب ہونے شروع ہوجاتے ہیں، اور دو دن تک اعصاب اس سے متاثر رہتے ہیں۔ اس کے نشے میں انسان کسی خوش باشی اور خوش فعلی کے مطلب کا نہیں رہتا، بلکہ اس کی طبیعت عربدہ ہنگامہ آرائی اور ارتکاب جرم کی جانب مائل ہوجاتی ہے"۔

اس قسم کی شرابوں کی کثرت استعمال نے اہل امریکہ کی جسمانی صحت کو تباہ کر ڈالا۔ مثال کے طور پر شہر نیویارک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریم سے پہلے ۱۹۱۸ء میں جہاں الکحل کے اثر سے بیمار ہونے والوں کی تعداد (۳۰۴۱) اور مرنے والوں کی تعداد (۲۵۲) تھی، وہاں ۱۹۲۶ء میں بیمار ہونے والوں کی تعداد گیارہ ہزار اور مرنے والوں کی تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچ گئی۔ ان کے علاوہ جو لوگ بالواسطہ شراب کے اثرات سے متاثر ہو کر ہلاک یا زندہ درگور ہوگئے۔ ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح جرائم خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے جرائم میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔ امریکہ کے ججوں کا بیان ہے کہ ہمارے ملک کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کبھی اتنی کثیر تعداد میں بچے بحالت نشہ گرفتار ہوئے ہوں"۔ جب کم سنی کے جرائم حد سے بڑھ گئے تو اس کی تحقیقات کی گئی اور ثابت ہوا کہ ۱۹۲۰ء سے نوجوانوں کی مے خواری اور عربدہ جوئی میں سال بسال زیادتی ہوتی جارہی ہے، حتیٰ کہ بعض شہروں میں ۸ سال کے اندر دوسو فی صدی اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں امریکہ کی (National crime council) کے ڈائرکٹر کرنل موس (Moss.) نے بیان کیا کہ اس وقت

امریکہ کے ہر تین سو آدمیوں میں سے ایک آدمی جرائم پیشہ ہے۔ اور ہمارے ہاں قتل کے جرائم میں ساڑھے تین سو فی صدی اضافہ ہوا ہے۔

غرض چودہ سال کے اندر امریکہ میں تحریم خمر کے جو نتائج ظاہر ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے:-

قانون کا احترام دلوں سے اٹھ گیا اور سوسائٹی کے ہر طبقے میں خلاف ورزی قانون کی بیماری پھیل گئی۔

تحریم خمر کا اصل مقصد بھی حاصل نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس یہ چیز حرام ہونے کے بعد اس سے بھی زیادہ پی جانے لگی جتنی حلال ہونے کے زمانہ میں پی جاتی تھی۔

قانون تحریم کی تنفیذ میں حکومت کا اور خفیہ طریقہ سے شراب خریدنے میں رعایا کا بے حساب مالی نقصان ہوا۔ اور اس کے معاشی حالات تباہ ہو گئے۔

اس پر مزید امراض کی کثرت، صحت کی بربادی، شرح اموات میں اضافہ، اخلاق عامہ کا فساد، سوسائٹی کے تمام طبقات، خصوصاً نوخیز نسلوں میں ذمائم اور قبائح کا بکثرت شائع ہونا، اور جرائم میں غیر معمولی ترقی۔

یہ نتائج اس ملک میں حاصل ہوئے جو بیسویں صدی کے روشن ترین زمانہ میں مہذب ترین ملک سمجھا جاتا ہے جس کے باشندے اعلیٰ درجے کے تعلیمیافتہ ہیں جن کے دماغ علم و حکمت کی روشنی سے منور ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ نتائج اس حالت میں ظاہر ہوئے جبکہ کروڑہا روپیہ صرف کر کے اور کئی ارب رسالے اور کتابیں شائع کر کے تمام قوم کو شراب کے نقصانات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

یہ نتائج اس کے باوجود ظاہر ہوئے کہ امریکی قوم کی ایک بڑی اکثریت تحریم کی ضرورت کو تسلیم کر چکی تھی، اور تحریم کا قانون اس کی مرضی سے پیش اور پاس ہوا تھا۔

پھر ان نتائج کا ظہور ایسی حالت میں ہوا جبکہ امریکہ کی عظیم الشان سلطنت بیسویں صدی کی بہترین تنظیم کے ساتھ کامل چودہ سال تک شراب نوشی اور شراب فروشی کا قلع قمع کرنے پر تلی رہی۔

جب تک یہ نتائج ظاہر نہ ہوئے تھے، حکومت اور رعیت دونوں کی اکثریت شراب کو حرام قرار دینے پر متفق تھی اس لئے شراب حرام ہوگئی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ قوم کسی طرح شراب چھوڑنے پر راضی نہیں ہے، اور زبردستی شراب چھڑانے کا نتیجہ پہلے سے بھی خراب نکلا ہے، تو اسی حکومت اور رعیت کی اکثریت نے شراب کو حلال کر دینے پر اتفاق کر لیا۔

اب ذرا ایک نظر اس ملک کی حالت پر ڈالئے جو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے تاریک ترین زمانے میں سب سے زیادہ تاریک ملک شمار ہوتا تھا، باشندے جاہل، علم و حکمت کا نام و نشان نہیں، تمدن و تہذیب کا پتہ نہیں، پڑھے لکھوں کا شمار انگلیوں پر ہو، اور وہ بھی ایسے کہ آج کل کے کم سواد بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہوں گے، موجودہ زمانے کے تنظیمی ادارات اور وسائل یکسر مفقود، حکومت کا نظام بالکل ابتدائی حالت میں، اور اس کو بھی قائم ہوئے چند سال سے زیادہ نہ ہوئے تھے۔ باشندوں کا حال یہ کہ شراب کے عاشق ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ڈھائی سو نام پائے جاتے ہیں جس کی مثال شاید دنیا کی کسی زبان میں نہ ملے گی۔ یہ شراب کے ساتھ ان کے غیر معمولی شغف کا ثبوت ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت ان کی شاعری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور لازمۂ حیات سمجھی جاتی تھی۔

اس حالت میں وہاں شراب کا مسئلہ پیش ہوتا ہے، اور رسول خدا سے ......

کے لئے کسی کی مزاحمت کرے، نہ سرمایہ دار اور مزدور کا سوال پیدا ہو، اور نہ کسان و زمیندار کا، نہ کروگراؤ
بیسل زہاروف پیدا ہوں، نہ لینن اور اسٹالین۔ نہ معاشی اور تمدنی مشکلات کو حل کرنے کے لئے استعانت
حل اور منع حل کی طرف رجوع کیا جائے، اور نہ اللہ کے انتظام میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔

یہ اور ایسے ہی بیشمار اخلاقی اور عملی فوائد ہیں جو قضا و قدر کی اسلامی تعلیم سے حاصل ہوتے ہیں
اور انہی فوائد کا حصول اصل مقصود بھی تھا۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ ہم نے اس کے عملی اور اخلاقی پہلو کو نظرانداز
کرکے اپنی ساری توجہات فلسفیانہ پہلو کی طرف پھیر دیں، اور اپنے مذاق طبیعت کے مطابق کلام اللہ
اور کلام رسولؐ سے ان مسائل فلسفہ کو حل کرنے لگے جو کلام الناس سے ہم نے اخذ کئے تھے۔ حالانکہ نہ قرآن
مجید ہم کو مابعد الطبیعیات کی تعلیم دینے کے لئے اتارا گیا تھا۔ نہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کا مقصد یہ تھا کہ آپ فلسفہ کے پروفیسر کا کام انجام دیں، اور نہ خدا اور رسول نے کبھی اس کو پسند کیا کہ ہم
اپنی زندگی کے عملی معاملات کو چھوڑ کر ان مابعد الطبیعی مسائل میں الجھ جائیں جن سے دین یا دنیا کا کوئی فائدہ
حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

تناقض کی تحقیق یہ مقدمہ ذہن نشین کر لینے کے بعد اب اس سوال کی طرف آیئے کہ قرآن مجید میں خاص
تقدیر کے مسئلہ سے بحث کئے بغیر جو مختلف اشارات ضمناً دوسرے مباحث کے سلسلہ میں اس کی جانب
کئے گئے ہیں آیا ان میں حقیقۃً کوئی تناقض ہے یا نہیں؟

اگر کسی شئے کو مختلف علتوں کی جانب منسوب کیا جائے تو اس پر تناقض کا حکم صرف اس صورت
میں لگایا جا سکتا ہے جب کہ اس شئے کی صرف ایک ہی علت ہو سکتی ہو۔ لیکن اگر اس کی متعدد علتیں ہوں تو
ایسی صورت میں اس کو کبھی ایک علت کی جانب اور کبھی دوسری علت کی جانب نسبت دینے میں کوئی
تناقض نہ ہوگا۔ مثلاً اگر ہم کبھی یہ کہیں کہ کاغذ کو پانی نے تر کیا اور کبھی یہ کہ اسے آگ نے تر کیا۔ اور کبھی
یہ کہ اسے مٹی نے تر کیا۔ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم نے تناقض باتیں کہی ہیں، کیونکہ کاغذ کی تری کا ایک

علت کی طرف منسوب ہو سکتی ہے لیکن اگر ہم کبھی یہ کہیں کہ ملک کو بادشاہ نے فتح کیا، اور کبھی یہ کہ ملک کو سپہ سالار نے فتح کیا، اور کبھی یہ کہ اسے فوج نے فتح کیا، اور کبھی یہ کہ اسے سلطنت نے فتح کیا، اور کبھی اس فتح کو فرداً فرداً ہر سپاہی کی طرف منسوب کریں، تو ان مختلف اقوال پر تناقض کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ فتح کا واقعہ مجموعی طور پر ان سب کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہے، اور ایک ایک وجہ سے، ان علتوں میں سے ہر علت کی طرف بھی۔

پھر اگر کسی شئے میں متعدد علتوں کی تاثیرات اس طرح خلط ملط ہوں کہ مخاطب کی عقل کسی طور سے اس کے اندر ہر علت کی تاثیر کو جدا جدا کر کے، ہر ایک کا حصہ الگ الگ متعین نہ کر سکتی ہو، اور نہ ایسے کسی تجزیہ و تحلیل، اور اس طرح کے کسی حساب کو سمجھ سکتی ہو، تو اس صورت میں متکلم کے لئے صحیح انداز بیان یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اجمال کے طور پر اس شئے کو ایک ایک علت کی طرف منسوب کرے، اور اگر مخاطب کسی غلط فہمی کی بنا پر اس شئے کو صرف ایک ہی علت کی جانب نسبت دے رہا ہو تو اس کی تردید کر دے۔ مثال کے طور پر اسی فتح کے واقعہ کو لیجئے۔ اس میں بادشاہ، سپہ سالار، فوج، سلطنت۔ اور فرداً فرداً ہر سپاہی کی قوتیں شریک ہیں۔ مگر وہ اس طرح باہم ملی جلی ہیں کہ ہم کسی تجزیہ و تحلیل اور کسی حساب سے یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اس واقعہ کے اندر ہر ایک کا حصہ کس قدر ہے۔ اس لئے زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ اس واقعہ کو ان میں سے ہر ایک کی طرف بر سبیل اجمال نسبت دی جائے۔ اور اگر کوئی شخص ان میں سے محض کسی ایک کی طرف اس کو حصر و تعیین کے طور پر منسوب کر رہا ہو۔ تو کہہ دیا جائے کہ اس کا قول غلط ہے۔

یہی حال انسان کے افعال کا ہے۔ ہر فعل جو انسان سے سرزد ہوتا ہے اس میں متعدد اسباب شامل ہوتے ہیں، اور اس کے ظہور و صدور میں ہر سبب کا کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر میں اس وقت لکھ رہا ہوں، میرے اس فعل کتابت کا تجزیہ کیجئے تو اس میں اسباب کا ایک پورا سلسلہ آپ کو نظر آئے گا۔ مثلاً لکھنے کے لئے میرا اختیار و ارادہ، میرے اندر جو بے شمار ذہنی اور جسمانی قوتیں موجود ہیں ان سب کا اس

ارادہ کے تحت کام کرنا۔ اور خارجی قوتوں کا جو بے حد حساب ہیں اور جن میں سے بہت سی قوتیں میرے علم میں بھی نہیں ہیں، میری مساعدت کرنا۔

پھر ان اسباب کی الگ الگ تحلیل کیجئے۔ یہ بے شمار خارجی قوتیں جو اس وقت اس فعل میں میری مساعدت کر رہی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہ میں نے بنایا ہے، نہ فراہم کیا ہے، نہ میں ان پر اتنی قدرت رکھتا ہوں کہ انہیں اپنی مساعدت پر مجبور کر سکوں۔ وہ خدا ہی ہے جس نے ان کو اس طور پر بنایا اور اس طرح فراہم کر دیا ہے کہ جب میں لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہ ساری قوتیں میری مساعدت کرنے لگتی ہیں۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ میری مساعدت نہ کریں تو میں لکھ نہیں سکتا۔

اسی طرح جب میں خود اپنے اوپر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میرا موجود اور زندہ ہونا، میرا احسن تقویم پر ہونا، میرے جسم کے ان اعضار کا جو کتابت کے فعل میں حصہ لیتے ہیں، صحیح و سلامت ہونا میرے اندر ان طبعی قوتوں کا موجود ہونا جن سے میں اس فعل میں کام لیتا ہوں، اور میرے دماغ میں حافظہ، تفکر، علم اور دوسری بہت سی چیزوں کا پایا جانا، ان میں سے کوئی امر بھی نہ میری کاریگری کا نتیجہ ہے، نہ میرے اختیار میں ہے۔ ان سب کو بھی اسی خدا نے اس طور پر بنایا ہے کہ جب میں لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہ سب چیزیں میرا ساتھ دیتی ہیں، اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شئے میرا ساتھ نہ دے تو میں کتابت کے فعل میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

رہا میرا اختیار و ارادہ تو اس کی حقیقت بھی میں نہیں جانتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ پہلے کچھ خارجی اسباب اور کچھ باطنی اسباب سے میرے اندر لکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے پھر میں غور کرتا ہوں کہ لکھوں یا نہ لکھوں۔ پھر دونوں پہلوؤں کے درمیان موازنہ کرنے کے بعد میں لکھنے کے پہلو کو اختیار کرتا ہوں، اور جب میرا میلان فعل کی جانب قوی ہو جاتا ہے تو فعل کا ارادہ کرکے اپنے اعضار کو اس کے لئے حرکت دیتا ہوں۔ اس خواہش سے لے کر اقدام فعل تک جتنی چیزیں ہیں ان میں سے

کسی چیز کا بھی میں خالق نہیں ہوں بلکہ مجھے ابتک یہ بھی پوری طرح معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ خواہش اور اقدام فعل کے درمیان کتنی باطنی قوتیں کام کرتی ہیں۔ اور اس کام میں ان کا کتنا کتنا حصہ ہے۔ مگر یہ بات وجدانی طور پر میں اپنے اندر پاتا ہوں کہ خواہش اور اقدام فعل کے درمیان کوئی مقام ایسا ضرور ہے جہاں میں فعل اور ترک فعل میں سے کسی ایک چیز کو آزادانہ اختیار کرتا ہوں اور جب میں آزادی کے ساتھ کسی ایک پہلو کو اختیار کر لیتا ہوں تو مجھے یہ قدرت اپنے اندر محسوس ہوتی ہے کہ جس پہلو کو میں نے اختیار کیا ہے اس کے لحاظ سے اپنے وسائل داخلی اور اسباب خارجی کو استعمال کروں میں اپنے اس اختیار اور آزادیِ ارادہ کو کسی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتا۔ مگر کوئی دلیل میرے اور کسی انسان کے ذہن سے اس وجدانی احساس کو دور نہیں کر سکتی حتیٰ کہ جو شخص انتہا درجہ کا جبریہ ہے۔ اس کا وجدان بھی اس احساس سے خالی نہیں ہے خواہ وہ اپنے فلسفیانہ مسلک کی خاطر کتنی ہی شدت کے ساتھ اس کا انکار کرتا ہو۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ فعل کتابت کے صدور میں جتنے اسباب و علل کام کرتے ہیں ان کو تین جدا جدا سلسلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ خارجی اور داخلی اسباب جن کا فراہم ہونا کتابت کا ارادہ کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

۲۔ میرا کتابت کو اختیار کر کے اس کا ارادہ کرنا۔

۳۔ وہ خارجی اور داخلی اسباب جن کی ساعدت کے بغیر لکھنے کے فعل کا صادر ہونا ممکن نہیں ہے۔

ان تینوں سلسلوں میں سے پہلے اور تیسرے سلسلہ میں جتنے اسباب ہیں ان کے متعلق تو اوپر کہا جا چکا ہے کہ ان کو خدا نے فراہم کیا اور ساز گار بنایا ہے، اور ان میں سے کسی پر بھی میری حکومت نہیں ہے۔ اس لئے ان کے اعتبار سے میرا فعل کتابت خدا ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ جس کی "توفیق" اس کام میں میرے شامل حال ہوی ہے۔ رہی بیچ کی کڑی تو وہ ایک وجہ سے میری طرف منسوب ہوگی کیونکہ وہاں

میں نے ایک طرح کا آزادانہ اختیار اور ارادہ استعمال کیا ہے، اور ایک وجہ سے وہ خدا کی طرف منسوب ہوگی جس نے اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر مجھ میں یہ قوت پیدا کی کہ ارادہ کروں اور آزادی کے ساتھ اپنا اختیار استعمال کروں[1]۔

یہ تو تھا مجرد فعل کا حال جو اپنی حقیقت میں بجز ایک حرکت کے اور کچھ نہیں ہے لیکن انسانی افعال بعض اضافی اور اعتباری حیثیتوں سے اپنے دو پہلو رکھتے ہیں۔ ایک خیر کا پہلو اور دوسرا شر کا پہلو۔ مجرد فعل پر نہ خیر کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور نہ شر کا۔ البتہ انسان کی نیت اس کو شر بھی بنا سکتی ہے اور خیر بھی (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات) مثال کے طور پر میں راستے میں ایک اشرفی پڑی ہوئی دیکھتا ہوں اور اسے اٹھا لیتا ہوں۔ میرا اس کو اٹھا لینا محض ایک حرکت ہے جو نیک اور بد دونوں حیثیتوں سے خالی ہے۔ لیکن اگر اس اٹھا لینے کے فعل میں میری نیت یہ ہے کہ میں دوسرے کے مال سے بلا کسی حق کے خود فائدہ اٹھاؤں تو یہ شر ہے۔ اور اگر میری نیت یہ ہے کہ اس کے مالک کو تلاش کرکے اسے واپس دیدوں تو یہ خیر ہے۔ صورت اول میں میری نیت کے ساتھ ایک اور قوت کی تحریک بھی شامل ہوگی

---

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں ان تمام امور کو جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور خود انسان کے اختیاری افعال کو بھی بسا اوقات خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اس لئے کہ انسان جن افعال کو اپنے اختیار و ارادہ کے تحت انجام دیتا ہے وہ بھی خدا کی توفیق کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ خواہش بھی جو تمام افعال انسانی کا مبدا ہے، انسان کے اپنے بس کی چیز نہیں ہے۔ وہ ان اسباب و علل کے اثر سے پیدا ہوتی ہے جو مشیت الٰہی کے تحت حرکت کرتے ہیں یہی معنی ہیں وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ کے، اسی طرح جن افعال میں انسان اپنی قوت تمیز، قوت فیصلہ اور قوت ارادی کو استعمال کرتا ہے، اور جن افعال کو وہ خوب سوچ سمجھ کر تمام پہلوؤں کو جانچ تول کر انجام دیتا ہے ان کے اندر بھی اس کی پیدائشی سرشت، ماحول کے اثرات، وراثت اور تعلیم و تربیت کی تاثیرات اور فراہم شدہ اسباب و علل کی ہیئت اجتماعی کا بہت کچھ دخل ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں مل جل کر اس کے اختیار تمیزی کو (جو خالصۃً اس کا اپنا ہے) اس حد تک متاثر کر دیتی ہیں کہ عمل کا جو راستہ بھی وہ انتخاب کرتا ہے وہ محض اس کے اپنے انتخاب کا نتیجہ نہیں ہوتا اب یہ ظاہر ہے کہ ان عوامل کا ہر شخص کی زندگی میں ہر موقع پر ایک خاص ہیئت کے ساتھ مجتمع ہونا جس پر اس شخص کی ہدایت و ضلالت کا میابی و ناکامی کا بہت کچھ انحصار ہے، خدا ہی کی مشیت پر موقوف ہے پس یہ خدا کا عین انصاف اور اپنے بندوں پر اس کا عین فضل ہے کہ اس نے انسان کے خطا و صواب، گمراہی اور راست روی، فلاح اور خسران کی ذمہ داری تنہا انسان پر نہیں ڈالی ہے۔ بلکہ ایک وجہ سے ان تمام امور کو اپنی مشیت پر بھی مبنی قرار دیا ہے۔

جس کو شیطان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور میرا فعل تین علتوں کی طرف منسوب ہوگا۔ ایک خدا، دوسرے شیطان، تیسرا خود میں۔ صورت دوم میں اس فعل کی نسبت دو علتوں کی جانب ہوگی۔ ایک خدا دوسرا میں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم ہر انسانی فعل کو دو یا تین علتوں کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ فعل میں ان دو یا تین علتوں کی تاثیر کس کس مقدار میں ہے خصوصاً یہ حساب اس حیثیت سے اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ ان تاثیرات کا تناسب تمام انسانوں کے افعال میں یکساں نہیں ہے، بلکہ ہر انسان کے فعل میں جداگانہ ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کے اندر اس کے آزادانہ اختیار اور اس کی مجبوریوں کی مقادیر مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی مبدأ فیاض سے زیادہ زبردست قوت تمیز، زیادہ صحیح قوت فیصلہ، ملکوتیت کی جانب زیادہ قوی میلان، اور شیطانی وساوس کا مقابلہ کرنے کی زیادہ طاقت لے کر آیا ہے، اور کوئی کم۔ اور اسی کمی و زیادتی پر جس کا تناسب ہر شخص کے اندر مختلف ہے، افعال میں انسان کی شخصی ذمہ داری کے کم یا زیادہ ہونے کا انحصار ہے۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ افعال میں انسان، خدا، اور شیطان کی تاثیرات کا کوئی ایسا تناسب بتایا جا سکے جو عمومیت کے ساتھ تمام انسانی افعال میں پایا جاتا ہو۔

پس جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، انسانی افعال کو ان کی علتوں کی طرف نسبت دینے کی صحیح صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اجمال کے طور پر ان کو یا تو بیک وقت تمام علتوں کی طرف منسوب کیا جائے یا کبھی ایک علت کی جانب اور کبھی دوسری علت کی جانب، اور اگر کوئی شخص غلط فہمی سے ان کو صرف ایک علت کی طرف نسبت دے کر دوسری علتوں کی نفی کرتا ہو تو اس کی تردید کر دی جائے۔

ٹھیک یہی طریقہ ہے جو قرآن مجید میں اختیار کیا گیا ہے اگر آپ ان اشارات کا تتبع کریں جو قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کی طرف کئے گئے ہیں۔ تو ان کو حسب ذیل عنوانات کے تحت مرتب کر سکتے ہیں

نسبت کل افعال الی اللہ (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو بقرہ ۱۲۔۱۴۔۲۰۔۲۶۔ آل عمران ۱۶۔ ۱۷۔ نسار۔ ۱۱۔ انعام ۳ رعد۔ ۲۔ ابراہیم ۔۱۔ فاطر ۲۔ شوریٰ ۔۲۔۳۔ فتح۔ ۲)

نسبت خیر الی اللہ (بقرہ ۱۷۔۳۴۔ نسار۔ ۱۱۔ مائدہ ۔۸۔ انعام۔ ۱۵)

نسبت خیر الی العباد (بقرہ ۳۸ ۔ آل عمران ۶۔ فاطر ۳۔ زمر ۴۔ احقاف ۲۔ نجم ۳۔ دہر ۲۔ نبار ۲۔ مزمل ۱۔)

نسبت شر الی اللہ (نسار ۱۲۔ مائدہ ۶۔ انعام ۱۵۔ بنی اسرائیل ۵)۔

نسبت شر الی الشیطان۔ (بقرہ ۳۴۔ وغیرہ)

نسبت شر الی العباد (بقرہ ۱۔۴۔۵ تا ۹۔۱۳۔۱۵۔۲۱۔ آل عمران ۶۔۷۔۱۲۔ ۱۷۔۱۸۔ نسار۔ ۱۱۔ مائدہ ۔۱۰۔۱۱۔ انعام ۱۔۲۔۱۳۔۱۵۔ اعراف ۲۔ انفال۔ ۷۔ توبہ ۹۔ یونس ۲۔ رعد ۲۔ فاطر ۳۔ زمر ۳۔۴۔۷۔ حم سجدہ ۲۔ حدید ۴۔ تحریم ۱۔ نباز ۲۔ فجر۔ زلزال۔)

ایک ہی شے کی نسبت خدا اور بندہ کی جانب (بقرہ ۲ ۱۔ آل عمران ۷۔ ۱۔ نحل ۳۔ طٰہٰ ۳)

ایک ہی شئے کی نسبت خدا اور شیطان کی جانب (بقرہ ۳)

خیر کی ابتدا انسان کی جانب سے اور تکمیل خدا کی جانب سے (رعد ۴۔ نحل ۱۴۔ حج، عنکبوت ۷۔ محمد ۲۔ تکویر۔ اعلیٰ۔ لیل۔)

شر کی ابتدا انسان کی جانب سے اور تکمیل خدا کی جانب سے (بقرہ ۱۔۲۔ نسار ۲۲۔ اعراف ۱۳۔۱۷۔ انفال ۷۔ توبہ ۱۲۔ رعد ۲۔ صف ۱۔)

پھر جہاں انسان نے اپنے گناہ کی ذمہ داری خدا پر ڈال کر خود بری الذمہ ہونا چاہا وہاں اس کی تردید کر دی گئی۔ مثلاً۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۴۳ : ۲)

اور انہوں نے کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان فرشتوں کی پرستش نہ کرتے لیکن ان کو اس معاملہ (مشیت الٰہی) کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ محض اٹکل سے یہ باتیں کہتے ہیں۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۷ : ۳)۔

اور جب انہوں نے کوئی برا کام کیا تو کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اللہ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تم کو علم نہیں ہے۔

اور جہاں انسان نے اپنی ہی تدبیر کو سب کچھ سمجھا اور تقدیر الٰہی کا انکار کیا وہاں اس کی بھی تردید کر دی گئی مثلاً

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (۶ : ۳)

وہ کہتے ہیں کہ اگر معاملات کے طے کرنے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہوتا تو ہمارے آدمی وہاں (میدان جنگ میں) نہ مارے جاتے۔ اے پیغمبر ان سے کہو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے مارا جانا لکھدیا گیا ہے وہ اپنے پچھڑنے کی جگہوں پر خود جا پہنچتے۔

حقیقت کی پردہ کشائی اس بحث سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کے متعلق جو اشارات مختلف مواقع پر کئے گئے ہیں ان میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے لیکن ایک سوال پھر بھی باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات عالم میں انسان کی وہ کونسی امتیازی حیثیت ہے جس کے لحاظ سے ایک طرف تو وہ تمام موجودات کی طرح خدا کا محکوم ہے قوانین خداوندی میں جکڑا ہوا ہے بندہ ہے

پوچھا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کا ارشاد ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا	تجھ سے شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں
اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَاۤ اَکْبَرُ	ان سے کہدے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں
مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (۲: ۲۷)	کے لئے فائدے بھی ہیں۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے

یہ کوئی حکم نہ تھا۔ بلکہ محض شراب کی حقیقت بتائی گئی تھی کہ اس میں اچھائی اور برائی دونوں موجود ہیں۔ مگر برائی کا پہلو غالب ہے۔ اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ قوم کے ایک گروہ نے اسی وقت سے مے خواری چھوڑ دی۔ تاہم اکثریت بدستور شراب کی خوگر رہی۔

پھر دوبارہ شراب کے بارے میں حکم پوچھا گیا، کیونکہ بعض لوگ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے اور غلطیاں کر جاتے تھے۔ اس پر رسول خدا نے اپنے خدا کی طرف سے یہ حکم سنایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ	اے ایمان لانے والو! نشے کی حالت میں نماز
وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	کے قریب نہ جاؤ (نماز تم کو اس حالت میں پڑھنی چاہئے
(۴: ۷)	جبکہ) تم جان سکو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

یہ حکم سنتے ہی لوگوں نے مے خواری کے لئے اوقات مقرر کرلئے اور عموماً فجر اور ظہر کے درمیان یا عشا کے بعد شراب پی جانے لگی تاکہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئے یا نشے کی وجہ سے نماز نہ ترک کرنی پڑے۔

مگر شراب کی اصلی مضرت ابھی باقی تھی نشے کی حالت میں لوگ فساد برپا کرتے تھے اور خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ اس لئے پھر خواہش کی گئی کہ شراب کے بارے میں صاف اور قطعی حکم

بتایا جائے۔ اس پر ارشاد ہوا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۵:۱۲)

اے ایمان لانے والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے، یہ سب شیطان کی ساختہ و پرداختہ گندگی ہیں۔ لہٰذا تم اس گندگی سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ اس پرہیز سے تم کو فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالدے اور تم کو خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا یہ معلوم ہوجانے کے بعد تم باز آؤگے؟ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ۔ اگر تم نے سرتابی کی تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کا کام صرف اتنا ہے کہ پیغام کو صاف صاف پہنچا دے۔

یہ حکم آنا تھا کہ وہی شراب کے رسیا اور دختِ رز کے عاشق جو اس چیز کے نام پر جان دیتے تھے یک لخت اس سے نفور ہوگئے۔ تحریم شراب کی منادی سنتے ہی شراب کے مٹکے توڑ دیے گئے، مدینے کی گلیوں میں شراب کے نالے بہ گئے۔ ایک محفل میں مے نوشی ہو رہی تھی اور دس گیارہ اصحاب شراب کے نشے میں چور تھے۔ اتنے میں رسول اللہ کے منادی کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی اور اسی نشے کی حالت میں حکم خدا کا یہ احترام کیا گیا کہ فوراً شراب کا دور رک گیا اور مٹکے توڑ ڈالے گئے۔ ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ وہ شراب پی رہا تھا، منہ سے ایک پیالہ لگا ہوا تھا۔ کسی نے آکر تحریم خمر کی آیت پڑھی۔ فوراً پیالہ اس کے لبوں سے الگ ہوگیا۔ اور پھر

قطرہ بھی حلق کے نیچے نہ اترا۔ اس کے بعد جس کسی نے شراب پی اس کو جوتوں لکڑیوں، لات مکوں سے پیٹا گیا، پھر چالیس کوڑوں کی سزا دی گئی، پھر اس جرم کے لئے ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کردی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سے مے خواری کا نام و نشان مٹ گیا اِلّا ما شاء اللہ۔ اور پھر اسلام جہاں جہاں پہنچا، اس نے قوموں کو آپ سے آپ "خشک" اور پرہیزگار" بنادیا۔ حتیٰ کہ آج بھی جبکہ اسلام کا اثر بہت ضعیف ہو چکا ہے، دنیا میں کروروں انسان ایسے بستے ہیں جو کسی "قانون تحریم" اور کسی نظام تعزیری کے بغیر شراب سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔ مسلمان قوم میں اگر مردم شماری کرکے دیکھا جائے کہ مے خواروں کی تعداد کا فی صدی اوسط کیا ہے تو شاید یہ قوم اب بھی دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ پرہیزگار پائی جائے گی۔ پھر اس میں جو لوگ شراب پیتے بھی ہیں، وہ بھی اس کو گناہ سمجھتے ہیں، دل میں اپنے فعل پر نادم ہوتے ہیں، اور بسا اوقات خود بخود تائب ہو جاتے ہیں۔

عقل و حکمت کی مملکت میں آخری فیصلہ تجربہ و مشاہدہ پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ شہادت کبھی جھٹلائی نہیں جاسکتی۔ اب آپ کے سامنے ایک تجربہ امریکہ کا ہے اور دوسرا تجربہ اسلام کا۔ دونوں کا فرق بالکل ظاہر ہے، اور یہ آپ کا کام ہے کہ ان کا تقابل کرکے اس سے سبق حاصل کریں۔

امریکہ میں برسوں تک شراب کے خلاف تبلیغ کی گئی۔ کروروں روپیہ اس کی مضرتوں کے اعلان و اشتہار پر صرف کیا گیا۔ فن طب سے، اعداد و شمار کی شہادتوں سے، عقلی استدلالات سے اس کے جسمانی، اخلاقی، معاشی نقصانات اس طرح ثابت کئے گئے کہ ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تصویروں کے ذریعہ سے شراب کی مضرتیں برائی العین مشاہدہ کرادی گئیں اور پوری کوشش کی گئی کہ لوگ خود اس کی خرابیوں کے قائل ہو کر اس کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ پھر قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت کانگریس نے اکثریت کے ساتھ اس کی تحریم کا فیصلہ کیا، اور اس کے لئے قانون پاس

لیا گیا۔ پھر حکومت نے (اور اس حکومت نے جو اس وقت دنیا کی عظیم ترین طاقتوں میں سے ہے) اس کی خرید و فروخت، ساخت و پرداخت، درآمد و برآمد کو روکنے کے لئے اپنی ساری قوتیں صرف کرڈالیں، مگر قوم (اور وہ قوم جو اس وقت تعلیم یافتہ اور روشن خیال قوموں کی صف اول میں ہے) اس کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی؛ اور جب قوم آمادہ نہ ہوئی تو چودہ پندرہ برس کی قلیل مدت ہی میں قانون حرام کو پھر حلال کردینے پر مجبور ہو گیا۔

دوسری طرف اسلام میں شراب کے خلاف کوئی پروپگنڈا نہیں کیا گیا۔ نشر و اشاعت پر ایک پیسہ بھی صرف نہ ہوا۔ کوئی انٹی سیلون لیگ قائم نہیں کی گئی۔ اللہ کے رسولؐ نے بس اتنا کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے شراب حرام کردی ہے، اور جونہی کہ یہ حکم اس زبان سے نکلا، تمام قوم (اور وہ قوم جو شراب کے عشق میں اہل امریکہ سے بڑھ کر تھی مگر اصطلاحی علم و دانش میں ان سے کوئی نسبت نہ رکھتی تھی) شراب سے باز آگئی، اور ایسی باز آئی کہ جب تک وہ اسلام کے دائرے میں ہے اس کا "خشکی" سے "تری" کی جانب تجاوز کرنا ممکن نہیں ہے۔ "خشکی" کے حصار میں بند رہنے کے لئے وہ کسی حاکمانہ قوت، کسی احتساب اور کسی نظام تعزیری کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر کوئی قوت جابرہ موجود نہ ہو تب بھی اس سے باز رہیں گے، پھر یہ تحریم ایسی تحریم نہیں ہے جس کو کسی طرح تحلیل سے بدلا جاسکتا ہو۔ اگر تمام عالم کے مسلمان بالاتفاق شراب کی تائید میں ووٹ دے دیں، تب بھی یہ حرام کبھی حلال نہیں ہوسکتا۔

آپ اس عظیم الشان تفاوت کے اسباب پر غور کریں گے، تو اس سے چند ایسی باتیں معلوم ہوں گی جو نہ صرف شراب کے معاملہ میں، بلکہ قانون و اخلاق کے تمام مسائل میں اصول کلیہ کا حکم رکھتی ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شئون حیات انسانی کی تنظیم میں اسلام اور دنیوی قوانین کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ دنیوی قوانین کا انحصار سراسر انسانی رائے پر ہے اس لئے وہ نہ صرف اپنے کلیات

بلکہ ہر ہر جزئیہ میں عوام یا خواص کی رائے کی طرف رجوع کرنے پر مجبور نہیں۔ اور انسانی رائے کا (خواہ وہ عوام کی ہو یا خواص کی) حال یہ ہے کہ وہ ہر آن انسانی امیال و عواطف خارجی اسباب و عوامل اور علم و عقل کے تغیر پذیر احکام سے (جو ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ صحیح ہوں) متاثر ہوتی رہتی ہے۔ ان تاثرات سے آرا روا فکار میں تغیر واقع ہوتا ہے، اس تغیر سے لازمی طور پر اچھے اور برے صحیح اور غلط جائز اور ناجائز حرام اور حلال کے معیارات بدلتے رہتے ہیں، اور ان کے بدلنے کے ساتھ ہی قانون کو بھی بدل جانا پڑتا ہے اس طرح اخلاق اور تہذیب کا کوئی پائدار، مستقل، ناقابل تغیر معیار قائم ہی نہیں ہونے پاتا۔ انسان کا تلون قانون پر حکمرانی کرتا ہے، اور قانون کا تلون انسانی زندگی پر۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نومشق آدمی موٹر چلا رہا ہو۔ اور اس کے ناآزمودہ کار ہاتھ بے قاعدگی کے ساتھ اسٹیرنگ کو کبھی ادھر اور کبھی اُدھر گھمار ہے ہوں۔ اس کی ان بے قاعدہ گردشوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موٹر کی حرکت بھی بے قاعدہ اور غیر مستقیم ہوگی۔ وہ استقلال کے ساتھ کسی ایک متعین راستہ پر نہ چل سکیگی، اور جب وہ آڑی ترچھی ہوتی ہوئی چلیگی تو خود چلانے والے حضرت ہی پر اس کا اثر پڑیگا۔ کبھی وہ سیدھے راستہ پر ہوں گے اور کبھی ٹیڑھے راستہ پر، کہیں کسی گڑھے میں جا گریں گے، کہیں کسی دیوار سے ٹکرائیں گے۔ اور کہیں نشیب و فراز کے دھکے کھائیں گے۔

بخلاف اس کے اسلام میں قانون و اخلاق کے کلیات تمام تر، اور جزئیات بیشتر خدا اور رسولؐ کے مقرر کئے ہوے ہیں۔ انسانی رائے کو ان میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے، اور جزئیات میں کسی حد تک دخل ہے بھی تو وہ صرف اس قدر ہے کہ زندگی کے تغیر پذیر حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ان کلی احکام اور جزئی نظائر سے حسب موقع نئے جزئیات مستنبط کرتے رہیں جن کو لازماً اصول شرع کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس الٰہی وضع قانون کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اخلاق اور تہذیب کا ایک مستقل اور غیر تغیر پذیر معیار موجود ہے۔ ہمارے اخلاقی و مدنی قوانین میں تلون کا نام و نشان تک نہیں ہے

ہمارے ہاں کل کا حرام آج حلال اور کل پھر حرام نہیں ہوسکتا۔ یہاں تو جو حرام کردیا گیا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اور جو حلال کردیا گیا وہ قیامت تک حلال ہے۔ ہم نے اپنی موٹر کا اسٹیرنگ ایک ماہر کامل کے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ اب ہم مطمئن ہیں کہ وہ موٹر کو اور ہم کو سیدھے رستے پر چلائے گا۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (۱۴: ۴)

اس میں ایک دوسرا اہم نکتہ بھی ہے۔ دنیوی طاقتیں انسانی زندگی کے لئے ضوابط بنانے اور اخلاق، معاشرت اور تمدن کی اصلاح کرنے کے لئے ہمیشہ اس کی محتاج رہتی ہیں کہ ہر جزئی معاملہ میں پہلے عوام کو اصلاح کے لئے راضی کریں پھر عمل کی جانب قدم بڑھائیں۔ ان کے قوانین کی ہر دفعہ اپنے نفاذ کے لئے عامۂ خلائق کی رضا پر منحصر ہوا کرتی ہے اور جس اصلاحی یا تنظیمی قانون کا نفاذ عوام کی رضا کے خلاف کردیا گیا ہو اسے بعد از خرابیہائے بسیار منسوخ کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ صرف امریکہ کا تجربہ ہے بلکہ تمام دنیا کے تجربات اس پر شہادت دے رہے ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیوی قوانین درحقیقت اصلاح اخلاق و معاشرت کے معاملہ میں قطعاً ناکارہ ہیں۔ کیونکہ جن بگڑے ہوئے لوگوں کی وہ اصلاح کرنا چاہتے ہیں انہی کی رضا پر جو لامحالہ اس بگڑی ہوئی ذہنیت ہی کے زیر اثر ہے ان کا نفاذ منحصر ہے۔

اسلام نے اس اشکال کو ایک دوسرے طریقہ سے حل کیا ہے، اور آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس مشکل کا کوئی حل بجز اس کے نہیں ہے۔ وہ تمدن، معاشرت اور اخلاق کے مسائل کو چھیڑنے، اور قوانین شریعت کی اطاعت کا مطالبہ کرنے سے پہلے انسان کو دعوت دیتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان لے آئے۔ یہ بات یقیناً انسان کی رضا پر منحصر ہے کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے مگر جب

ایمانیات) پر یقین لانے کے لئے طیار ہوں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (۲: ۱) وہ وعظ سے تلقین سے، وعد و وعید سے، بحث و استدلال سے، قصص وحکایات سے اسی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ انسان سے اس کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد وہ تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق اور وضع قوانین مدنی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس کے نزدیک ایمان ہی حق، صدق، علم، ہدیٰ اور نور ہے۔ اور عدم ایمان یعنی کفر کو وہ جہل، ظلم، باطل، کذب، ظلمت اور ضلالت، قرار دیتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایک واضح خط فاصل کھینچ کر تمام دنیا کے انسانوں کو دو گروہوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ ایک گروہ ایمان لانے والوں کا، اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ پہلا گروہ اس کے نزدیک حق پر ہے، علم اور نور سے بہرہ ور ہے، اس کے لئے ہدایت کا راستہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا دروازہ کھل گیا ہے، اور وہی فلاح پانے والا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے نزدیک کافر ہے، ظالم ہے جاہل ہے، تاریکی میں پھنسا ہوا ہے، ہدایت کی راہیں اس کے لئے بند ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اور اس پر خسران و نامرادی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ان دونوں طبقوں کی مثال اس طرح دیتا ہے، کہ ان میں سے ایک اندھا اور بہرا ہے، اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ (۲:۱۱) وہ کہتا ہے کہ ایمان کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲: ۵) اور اس کے سوا جتنے راستے ہیں سب کا چھوڑ دینا ضروری ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (۶:۹) اس نے بلا کسی لاگ لپیٹ کے صاف صاف کہدیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو مانتا ہے اس کے پاس ایک روشن چراغ ہے جس کی مدد سے وہ سیدھے رستے پر چل سکتا ہے اس چراغ کی موجودگی میں اس کے لئے بھٹک جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہے وہ راہ راست کو ٹیڑھے راستوں سے ممتاز کرکے دیکھ لیگا اور بخیریت فلاح کی منزل مقصود تک پہنچ جائیگا۔ اور جو ایمان کی شمع نہیں رکھتا اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہے اس کے لئے سیدھے

اور تیڑھے راستوں کا فرق معلوم کرنا مشکل ہے۔ وہ اندھوں کی طرح اندھیرے میں اٹکل سے ٹٹول ٹٹول کر چلیگا۔ ممکن ہے کہ اتفاقاً اس کا کوئی قدم سیدھے راستہ پر بھی پڑ جائے۔ مگر یہ راہ راست پر چلنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے۔ غالب امکان اسی کا ہے کہ راہ راست سے ہٹ جائے گا۔ کہیں خندق میں گرے گا۔ اور کہیں کانٹوں میں جا پھنسے گا۔ پہلے گروہ کے متعلق اس کا قول ہے کہ۔

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷: ۱۹)

پس جو لوگ رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی دراصل فلاح پانے والے ہیں۔

اور:-

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَآمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (۵۷: ۴)

لوگو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (اگر تم ایسا کروگے تو) اللہ تم کو اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دیگا اور تمہارے لیے ایسی روشنی کردیگا جس میں تم چلوگے اور تم کو بخش دیگا۔

اور دوسرے گروہ کے متعلق کہتا ہے:-

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۱۰: ۷)

جو لوگ خدا کے سوا دوسرے شرکاء کو پکارتے ہیں جانتے ہو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں؟ وہ صرف گمان کی پیروی کرتے اور محض اٹکل پر چلتے ہیں۔

إِنْ يَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ (۵۳: ۲)

وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی ہدایت سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۲۸ : ۵)
اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کی؟ اللہ ایسے ظالموں کو کبھی سیدھا راستہ نہیں دکھاتا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (۲۴ : ۵)
اور جس کو اللہ نے روشنی نہ دی ہو اس کے لئے پھر کوئی روشنی نہیں۔

اس پورے مضمون کی تصریح سورۂ بقرہ میں ملتی ہے۔ جس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ایمان اور کفر کے فرق سے نوع بشری کے ان دونوں گروہوں میں کتنا عظیم فرق واقع ہوجاتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ، فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ، اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (۲ : ۳۴)۔

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے الگ کرکے دکھا دیا گیا ہے۔ اب جو طاغوت کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط تھام رسی لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے مددگار شیطان ہیں۔ وہ ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ وہ دوزخی ہیں۔ اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

عمل پر ایمان کا تقدم | پھر اسی ایمان اور کفر کے بنیادی فرق نے انسانی اعمال کے درمیان بھی فرق کردیا ہے قرآن کے نزدیک نیکوکار اور پرہیزگار وہی شخص ہو سکتا ہے جو ایمان لائے۔ ایمان کے بغیر کسی عمل پر بھی تقویٰ اور صلاح کا اطلاق نہیں ہوتا، خواہ اہل دنیا کی نگاہ میں وہ عمل کتنا ہی نیک ہو

وہ کہتا ہے کہ :-

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۳۹ : ۴)

اور جو شخص سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی تصدیق کی، بس وہی لوگ متقی ہیں۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ (۲ : ۱)

قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے جو غیب کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے اور ہمارے بخشے ہوئے مال کو خرچ کرتے ہیں اور جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تیرے اوپر اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل کی جا چکی ہیں اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں

پس قرآن کی نگاہ میں ایمان ہی تقوی کی جڑ اور پرہیزگاری کی اصل ہے۔ جو شخص ایمان لاتا ہے اس کے نیک اعمال اس طرح پھلتے اور پھولتے ہیں جس طرح اچھی زمین، اور اچھی آب و ہوا میں باغبان کے لگائے ہوئے درخت سرسبز ہوتے اور پھل پھول لاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو شخص ایمان کے بغیر عمل کرتا ہے وہ گویا ایک بنجر پتھریلی زمین اور خراب آب و ہوا میں باغ لگاتا ہے[1] یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے، اور کہیں بھی نرے حسن عمل کو، ایمان کے بغیر، نجات اور فلاح کا ذریعہ قرار نہیں دیا گیا ہے[2] بلکہ اگر آپ قرآن کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے جس قدر اخلاقی ہدایات اور قانونی احکام دیے ہیں ان سب کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں، جو ایمان لا چکے ہیں۔ اس قسم کی تمام آیات یا تو یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہیں یا اثنار بیان میں کسی نہ کسی طور سے تصریح کر دی گئی ہے کہ خطاب صرف مومنین سے ہے۔ باقی رہے

[1] یہ مضمون قریب قریب اسی تمثیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ رکوع ۳۶۔
[2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں آیات : ۲:۲ - ۳:۲ - ۹:۲ - ۳۸:۲ - ۴:۲۴ - ۵:۲ - ۱۱:۲ - ۱۶:۱۳ - ۲۰:۳ - ۲۰:۶ - ۹۵ - ۱۰۳ - ۱۰۔ ان حوالوں میں پہلا نمبر سورہ کا ہے دوسرا رکوع کا۔

کفار تو ان کو حسن عمل کی نہیں، صرف ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور صاف کہدیا گیا ہے کہ جو لوگ مومن نہیں ہیں ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے وہ بے وزن ہیں، بے حقیقت ہیں اور قطعاً ضائع ہو جانے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا (۲۴: ۵)	اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں سراب پیاسا دور سے دیکھ کر سمجھتا ہے کہ پانی ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔
قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاؕ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِىْ وَرُسُلِىْ هُزُوًا (۱۸: ۱۲)	ان سے کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون لوگ سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں بیکار صرف ہوگئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور یہ تسلیم نہ کیا کہ انہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وجہ سے ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن ہم انکے اعمال کو کوئی وزن نہ دینگے اور وہ دوزخ میں جائیں گے یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو مضحکہ بنا لیا۔

یہی مضمون سورۂ مائدہ (رکوع ۱) انعام (۱۰) اعراف (۱۷) توبہ (۳) ہود (۲) احزاب (۲) زمر (۷) محمد (۱) میں بیان ہوا ہے اور سورہ توبہ میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ جو کافر لیکا ہر نیک عمل کرتا ہے وہ مومن کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا:-

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کو آباد

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۹:۳)

رکھنے والے کا مرتبہ اس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں اللہ کے نزدیک ہرگز برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

خلاصہ اس بیان سے اور قرآن مجید کی ان آیات سے جو اس کی تائید میں پیش کی گئی ہیں چند امور غیر مشتبہ طور پر ثابت ہوتے ہیں:-

۱۔ ایمان نظام اسلامی کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی پر اس نظام کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور کفر و اسلام کا امتیاز صرف ایمان و عدم ایمان کے بنیادی فرق پر مبنی ہے۔

۲۔ انسان سے اسلام کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے۔ اس مطالبہ کو قبول کرنے والا دائرۂ اسلام میں داخل ہے، اور تمام اخلاقی احکام اور مدنی قوانین اسی کے لئے ہیں۔ اور جو اس مطالبہ کو رد کر دے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس سے کوئی اخلاقی حکم متعلق ہوتا ہے اور نہ کوئی مدنی قانون۔

۳۔ اسلام کے نزدیک ایمان ہی عمل کی جڑ ہے۔ صرف وہی عمل اس کی نگاہ میں قدر و قیمت اور وزن رکھتا ہے جو ایمان کی بنیاد پر ہو۔ اور جہاں سرے سے یہ بنیاد ہی موجود نہ ہو وہاں تمام اعمال بے اصل اور بے وزن ہیں۔

ایک اعتراض ایمان کی یہ اہمیت بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں کہ چند عقلی نظریات کا ماننا کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کی بنیاد پر نوع انسانی کو دو گروہوں پر تقسیم کیا جا سکے۔ ہمارے نزدیک

اصل چیز اخلاق سیرت اور کردار ہے اور اسی پر اچھے اور برے، صحیح اور غلط کا امتیاز قائم ہے، جو شخص عمدہ اخلاق، پاک سیرت، نیک کردار رکھتا ہو وہ خواہ ان نظریات کو جنہیں اسلام نے ایمانیات قرار دیا ہے، تسلیم کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، بہرحال ہم اس کو نیک کہیں گے متقین کے گروہ میں شمار کریں گے اور جس میں یہ صفات نہیں ہیں اس کے لئے ایمان اور کفر کا اعتقادی فرق بالکل بے اصل ہے۔ وہ خواہ کسی عقیدہ کا قائل ہو، ہم اس کو برا ہی کہیں گے۔ نیک اور متقی کبھی نہ کہیں گے۔ رہی یہ بات کہ اعمال کے وزن اور ان کی قدر و قیمت کا انحصار ایمان پر ہے، اور یہ کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح نہیں ہو سکتا، تو یہ محل نظر ہے، کسی دلیل عقلی کے بغیر یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ محض خدا یا رسول، یا کتاب یا قیامت کے متعلق اسلام سے مختلف عقیدہ رکھنے والے کے فضائل اخلاق اور اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں؟ اگر اسلام کسی عقیدہ کو صحیح سمجھتا ہے تو وہ بلاشبہ اس کی تسلیم کا حق رکھتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتا ہے، اس پر ایمان لانے کی دعوت دے سکتا ہے مگر اعتقاد کے سوال کو اخلاق اور اعمال کے حدود پر وسیع کرنا۔ اور اخلاق کی فضیلت سیرت کی پاکیزگی، اعمال کی بہتری کو ایمان پر منحصر کر دینا کہاں تک درست ہے؟

بظاہر یہ اعتراض اتنا وزنی ہے کہ بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو کر اسلام کے اصول میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، مگر ایمان کی حقیقت، اور سیرت و کردار سے اس کے تعلق کو سمجھ لینے کے بعد یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔

اعتراض کی تحقیق سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ افراد نوع بشری کے درمیان خوب و زشت کا امتیاز در اصل دو جداگانہ بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک پیدائشی سرشت جس کا حسن و قبح انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ دوسرے اکتساب جس کا نیک یا بد ہونا عقل و فکر اور اختیار و ارادہ کے صحیح یا غلط استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ دونوں امور انسانی زندگی میں اپنی تاثیرات کے لحاظ سے باہم اس قدر خلط ملط ہیں کہ ہم ان کو اور ان کی تاثیرات کے حدود کو ایک دوسرے سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ گر نظری صفت ہے

آتنا ضرور جانتے ہیں کہ انسان کی حیات فکر و عمل میں حسن و قبح کی یہ دونوں بنیادیں الگ الگ موجود ہیں
جو حسن و قبح سرشت کی بنیاد پر ہے وہ اپنی اصل کے لحاظ سے میزان عدل میں کسی وزن کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ وزن
صرف اس حسن و قبح کو حاصل ہونا چاہئے جو اکتساب کی بنیاد پر ہے تعلیم، تلقین، تہذیب کے لئے جتنی کوششیں
کی جاتی ہیں ان سب کا تعلق پہلی بنیاد (یعنی پیدائشی سرشت) سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے حسن کو قبح
یا قبح کو حسن سے بدلنا غیر ممکن ہے، البتہ ان کا تعلق دوسری بنیاد (اکتساب) سے ہے جس کی رہنمائی صحیح تعلیم
اور صحیح تربیت کے ذریعہ سے حسن کی جانب، اور غلط تعلیم اور غلط تربیت کے ذریعے سے قبح کی جانب کی جاتی ہے
اس اصل کے لحاظ سے جو شخص انسان کی اکتسابی قوتوں کو حسن کی طرف پھیرنا اور اسی راہ میں ترقی
دینا چاہتا ہو اس کے لئے صحیح طریق کار یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کو علم صحیح بخشے اور اسی علم کی روشنی
میں اس کے لئے ایک ایسا نظام تربیت وضع کرے جو اس کے اخلاق، سیرت، اور کردار کو، جہاں تک
اس کا تعلق اکتساب سے ہے نہ کہ سرشت سے، ایک بہتر سانچے میں ڈھال سکتا ہو۔ اس باب میں علم کا تربیت
پر متقدم ہونا لازمی ہے، اور کوئی صاحب عقل و دانش اس تقدم سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ علم ہی عمل
کی بنیاد ہے علم صحیح کے بغیر کسی عمل کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے۔

اب علم کو لیجئے۔ علم کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق ہماری زندگی کے جزئیات
سے ہے جس کو ہم مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، اور جو بے شمار علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ دوسری قسم وہ ہے
جو علم کلی، اور قرآن کی اصطلاح میں "العلم" کے نام سے موسوم ہے جس کا تعلق ہمارے معاملات سے نہیں بلکہ

ٹھیک یہی بات ہے جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲: ۲۸۶) یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی شئے کا مکلف نہیں قرار دیتا۔ اس نے جو کچھ کسب کیا ہے اسی کا فائدہ اس کو ملے گا۔ اور اس نے جو کچھ اکتساب کیا ہے اسی کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ رہی پیدائشی سرشت تو اللہ نے جس کو جیسی چاہی سرشت بخشی۔ هُوَ الَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (۳: ۱) اور انسان کی زندگی میں اس کی سرشت اور اس کے اکتساب کا جتنا جتنا حصہ ہے۔ اس کو خدا خوب جانتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَیْءٌ۔

ایمان لے آیا تو اس کی رضا و عدم رضا کا کوئی سوال باقی نہ رہا۔ اب خدا کی طرف سے اس کا رسول جو حکم بھی دے، اور خدا کی کتاب جو قانون بھی مقرر کرے وہ اس کے لئے واجب الاطاعت ہے۔ اس ایک اصل الاصول کے قائم ہو جانے کے بعد شریعت اسلامی کے تمام قوانین اس پر نافذ ہو جائیں گے اور کسی جزئی یا کلّی مسئلہ میں اس کی رضامندی یا نارضامندی کا دخل نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں جو کام کروروں بلکہ اربوں روپے کے صرف اور بے نظیر تبلیغ و اشاعت اور حکومت کی زبردست کوششوں کے باوجود نہ ہو سکا وہ عالم اسلامی میں خدا کی جانب سے رسولِ خدا کی صرف ایک منادی سے ہوگیا۔

تیسری سبق آموز بات یہ ہے کہ کوئی انسانی جماعت خواہ کتنی ہی علوم و فنون کی روشنی سے بہرہ ور ہو، اور خواہ عقلی ترقیات کے آسمان ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے، اگر وہ الٰہی قوانین کی تابع فرمان نہ ہو اور ایمان کی قوت نہ رکھتی ہو، تو کبھی ہوائے نفس کے چنگل سے نہیں نکل سکتی اس پر خواہشات نفسانی کا غلبہ اتنا شدید رہے گا۔ کہ جس چیز پر اس کا نفس مائل ہوگا؛ اس کی مضرتیں اگر آفتاب سے بھی زیادہ روشن کرکے دکھادی جائیں، اگر اس کے خلاف سائنس (یعنی پرستاران عقل کے معبود) کو بھی گواہ بنا کر لاکھڑا کیا جائے۔ اگر اس کے مقابلہ میں اعداد و شمار کی بھی شہادت پیش کردی جائے (جو ارباب حکمت کی نگاہ میں ہرگز جھوٹی نہیں ہو سکتی)، اگر اس کی خرابیاں تجربہ و مشاہدے سے بھی ثابت کردی جائیں، تب بھی وہ کبھی اپنے نفس کے معشوق کو نہ چھوڑے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں حاسۂ اخلاقی پیدا کرنا اور اس کے ضمیر کی نہ صرف تشکیل کرنا، بلکہ اس میں اتنی طاقت بھر دینا کہ وہ نفس پر غالب آجائے نہ علم و حکمت کے بس کی بات ہے۔ اور نہ عقل و خرد کی۔ یہ کام بجز ایمان کے اور کسی چیز کے ذریعہ سے انجام نہیں پا سکتا۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۹)

ایمان

شعبان کے رسالہ میں سلسلۂ کلام اس حد تک پہنچا تھا۔ کہ اسلام کی اصطلاح میں ایمان سے مراد اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور یوم آخر پر ایمان لانا ہے اور یہ پانچوں ایمانیات مل کر ایک ناقابل تجزیہ کل بناتے ہیں، جن کے درمیان ایسا ربط ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک جز کا بھی انکار کیا جائے تو اس سے کل کا انکار لازم آتا ہے۔ پھر عقلی تنقید کر کے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام جس قسم کی تہذیب قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف یہی امور ایمانیات بن سکتے ہیں۔ اور انہی ایمانیات کی اس کو ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو عقلی و علمی ترقی کا ساتھ نہ دے سکتی ہو۔

اب ہمیں تیسرے سوال کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں ایمان کی کیا حیثیت ہے؟ اور یہ حیثیت کیوں ہے؟ اس مسئلہ کو سمجھنے میں لوگوں نے بکثرت غلطیاں کی ہیں، اور بعض مشہور اہل علم و فضل اصحاب بھی اس میں ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ اس لئے اس کو ذرا بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

اسلام میں ایمان کی اہمیت اگر سوال کیا جائے کہ قرآن مجید کی دعوت کا اصل الاصول کیا ہے تو اس کا جواب صرف ایک لفظ میں دیا جا سکتا ہے، اور وہ "ایمان" ہے۔ قرآن کے نزول اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی ایمان کی طرف دعوت دینا ہے۔ قرآن اپنے لانے والے کے متعلق صاف کہتا ہے کہ وہ ایمان کا منادی ہے۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ (۳: ۲۰) اور خود اپنے متعلق اعلان کرتا ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھائیگا جو غیب کی باتوں (یعنی انہی

"ہم" سے ہے۔ جو اس سے بحث کرتا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ یہ دنیا جس میں ہم رہتے سہتے ہیں اس میں ہماری حیثیت ہے؟ ہم کو اور اس دنیا کو کس نے بنایا ہے؟ اس بنانے والے سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ ہمارے لئے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ (ہدی اور صراط مستقیم) کیا ہے اور وہ ہمیں کیونکر معلوم ہو؟ ہمارے سفر حیات کی منزل مقصود کونسی ہے؟ علم کی ان دونوں قسموں میں سے یہی دوسری قسم اصل اور بنیاد کا حکم رکھتی ہے، ہمارے تمام جزئی علوم اسی کی فرع ہیں، اور اسی علم کے صحیح یا غلط ہونے پر ہمارے تمام تخیلات اور معاملات کی صحت یا غلطی کا دارومدار ہے۔ پس انسان کی تربیت و تہذیب کے لئے جو نظام بھی وضع کیا جائیگا اس کی بنیاد اسی علم کلی پر قائم ہو گی اگر علم کلی صحیح ہوگا تو تہذیب و تربیت کا نظام بھی صحیح ہوگا اور اگر اس علم میں کوئی خرابی ہو گی تو لازماً اس خرابی سے تہذیب و تربیت کا نظام بھی خراب ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں خدا، ملائکہ، کتب، رسل، اور یوم آخر کے متعلق جو معتقدات پیش کئے گئے ہیں وہ اسی علم کلی سے متعلق ہیں، اور ان پر ایمان لانیکا مطالبہ اس قدر شدت سے اسی لئے کیا گیا ہے کہ اسلام کا نظام تہذیب و تربیت اسی علم پر مبنی ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان کی اکتسابی قوتوں کی تربیت اور تہذیب کا وہی نظام صحیح ہے جو صحیح علم کلی پر قائم ہو۔ کسی علم کلی کے بغیر جو نظام قائم کئے گئے ہیں، یا جن کی بنیادیں صحیح علم پر نہیں رکھی گئی ہیں وہ اصلاً غلط ہیں، ان کے تحت انسان کی اکتسابی قوتیں غلط راستوں پر ڈال دی گئی ہیں اور ان راستوں میں انسان کی جو مساعی صرف ہوتی ہیں وہ بظاہر کتنی ہی صحیح معلوم ہوتی ہوں، مگر حقیقت کے اعتبار سے ان کا مصرف غلط ہے، ان کا رخ صحیح منزل مقصود کی جانب نہیں ہے، وہ کامیابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتیں اس لئے وہ ضایع ہو جانے والی ہیں، اور ان کا کوئی فائدہ انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف اپنے راستے کو "صراط مستقیم" کہتا ہے اور باقی تمام راستوں کو جو بلا علم یا غلط علم کی بنا پر اختیار کئے گئے ہیں چھوڑ دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (۶:۱۹)

اور اسی لئے اسلام کہتا ہے کہ جس کا ایمان صحیح نہیں ہے اس کے تمام اعمال بے نتیجہ ہیں اور وہ آخرکار نامراد رہنے والا ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۱:۵)

اسلام نے جو ایمانیات پیش کئے ہیں وہی اس کے نزدیک عین علم، عین حق، عین صدق، عین ہدایت اور عین نور ہیں، اور جب وہ ایسے ہیں تو لازماً ان کے خلاف جتنے معتقدات ہیں وہ عین جہل، عین باطل، عین کذب، عین ضلالت اور عین ظلمت ہونے چاہئیں۔ اگر اسلام ان کو چھوڑ دینے کا مطالبہ اس قدر شدت کے ساتھ نہ کرتا، اور اگر وہ ان غلط معتقدات کے قائلین کو صحیح ایمان رکھنے والوں کے برابر درجہ دیتا تو گویا وہ اس امر کا اقرار کرتا کہ اس کے ایمانیات عین حق نہیں ہیں، اور اس کو ان کے صدق اور ہدایت اور نور ہونے کا خود ہی پورا یقین نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کا ان ایمانیات کو پیش کرنا، اور ان کی بنا پر تربیت و تہذیب کا ایک نظام وضع کرنا، اور اس نظام میں شامل ہونے کے لئے لوگوں کو دعوت دینا، سب بے معنی ہوتا۔ اس لئے کہ اگر وہ یہ تسلیم کر لیتا کہ اس علم کلی کے خلاف دوسرے علوم بھی اسی کی طرح صحیح ہیں، یا سرے سے کسی علم کلی کے مفقود ہونے میں بھی کوئی مضایقہ نہیں ہے تو اس علم کلی کو پیش کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دینے میں کوئی معنویت باقی نہ رہتی۔ اسی طرح اگر وہ یہ مان لیتا کہ اس علم کے خلاف دوسرے علوم کی بنا پر یا کسی علم کلی کے بغیر تہذیب و تربیت کے جو نظام وضع کئے گئے ہیں، ان کے ذریعہ سے بھی انسان فلاح پا سکتا ہے تو پھر نظام اسلامی کے اتباع کی طرف دعوت دینے میں کوئی زور نہ ہوتا۔

علاوہ بریں اگر وہ بحث آپ کے ذہن میں تازہ ہے جو رجب کی اشاعت میں ایمان کی حقیقت پر کی گئی ہے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے ایمان پر اس قدر زور کیوں دیا ہے؟ تخیل کی دنیا میں رہنے والے ریت پر، پانی پر بلکہ ہوا پر بھی قصر تعمیر کر سکتے ہیں، مگر اسلام ایک حکیمانہ مذہب ہے وہ تہذیب و تربیت کی عمارت بودی بنیادوں پر تعمیر نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے پہلے انسان کی روح اور اس کے قوائے فکری

کی گہرائیوں میں مضبوط بنیادیں قائم کرتا ہے پھر ان پر ایک ایسی عمارت بناتا ہے جو کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتی
وہ سب سے پہلے یہ بات انسان کے ذہن نشین کرتا ہے کہ تیرے اوپر ایک خدا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں
میں تیرا حاکم ہے جس کی حکومت سے تو کسی طرح نہیں نکل سکتا، اور جس کے علم سے تیری کوئی بات چھپی ہوئی
نہیں ہے، اس نے تیری ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے، اور رسول کے ذریعہ سے تجھ کو وہ کتاب اور وہ شریعت
بھیجی ہے جس کے اتباع سے تو اس حاکم حقیقی کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اگر تو اس کے خلاف عمل کریگا تو
خواہ تیری خلاف ورزی کیسی ہی ڈھکی چھپی ہو، وہ حاکم ضرور تیری گرفت کریگا اور تجھے سزا دئے بغیر نہ
رہے گا۔ یہ نقش انسان کے دل پر گہرا بٹھا دینے کے بعد وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ امر ونہی کے احکام
دیتا ہے، اور اسی نقش ایمانی کی قوت سے اپنی تعلیم کا اتباع اور اپنے احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ یہ نقش
جتنا گہرا ہوگا، اتباع اتنا ہی کامل ہوگا۔ اطاعت اتنی ہی مضبوط ہوگی، اور نظام تہذیب و تربیت اتنا ہی
طاقت ور ہوگا۔ اور اگر یہ نقش کمزور ہو، یا سرے سے موجود ہی نہ ہو، یا اس کے بجائے کچھ دوسرے نقوش
دل پر جمے ہوئے ہوں تو تعلیم اخلاق محض نقش بر آب ہوگی، امر ونہی کے احکام بالکل بے زور اور بودے
ہوں گے، تہذیب و تربیت کا سارا نظام بچوں کا ایک گھروندا ہوگا، جس کے قیام و دوام کا کچھ اعتبار
نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ خوشنما ہو، وسیع ہو، بلند ہو، مگر اس میں استحکام کہاں؟ اس بات کو قرآن حکیم میں ایک
مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ كَيْفَ ضَرَبَ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال دی ہے؟ کلمۂ طیبہ (اعتقاد صحیح) گویا ایک اچھا درخت ہے جس کی جڑ خوب جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے ہمہ وقت پھل لاتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ سبق حاصل کریں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ - يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (۱۴: ۴)-

اور کلمۂ خبیثہ (اعتقاد باطل) کی مثال ایک خراب درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھیڑ دیا جاتا ہے، کوئی جماؤ اور مضبوطی ہی نہیں رکھتا۔ اللہ ایمان لانے والوں کو ایک قول ثابت (سچے اعتقاد) کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں استحکام بخشتا ہے اور ظالموں کو یونہی بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

(باقی)

غرانیق علےٰ

(۱)

غرانیق غرنیق یا غرناق یا غرنوق کی جمع ہے جس سے گورے رنگ کے خوبرو نرم و نازک نوجوان مراد ہیں۔

اذا انت غرناق الشباب میال　　ذو دایتین ینحاں اسربال

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں۔

کأنی انظر الی غرنوقٍ من قریشٍ یتشحط فی دمہ۔

بھری جوانی کا مفہوم بھی آتا ہے:۔

الا ان تطلاب الصبیٰ منک زلۃٌ　　وقد فات ریعان الشباب الغرانق

فربہ و جسیم کو بھی کہتے ہیں۔

قلتُ لسعدٍ وھو بالازارقِ　　علیک بالمحض وبالمشارقِ

واللھم عند بادنٍ غرانقِ

ایک طرح کی مرغابی کا نام بھی ہے:۔

اجاز الینا لجۃً بعد لجۃٍ　　ازل کغرنیق الضحول عمُوجُ

اسی نام کا ایک پودا بھی ہے۔

ابن الانباری کہتے ہیں:۔

الغرانیق العُلیٰ ھی الاصنام وھی فی　　غرانیق علےٰ سے بت مراد ہیں اصل میں یہ مرغابیوں کا

الاصل الذکور من طیر الماء وکانوا　　نام ہے مشرکین کو گمان تھا کہ جناب الٰہی میں بت ان کے

یزعمون ان الاصنام تقربهم من اللہ	ذریعہ تقرب ہیں اور اس بارگاہ میں ان کی شفاعت کے
وتشفع لهم الیه فشبهت بالطیور التی تعلو	ہیں اسی بنا پر بتوں کو ان چڑیوں سے تشبیہ دی جو بلند
وترتفع فی السماء ۔	ہوں اور اونچے اڑیں اور آسمان کی خبریں ۔

(۳)

یہ تو لفظ کے معنی ہوئے اب مطلب کو دیکھئے کہ مظہر عجائب و مطلع غرائب ہے ۔

اس لفظ کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کرتے ہیں کہ یوں تو آپ ہمیشہ بتوں کے دشمن تھے لیکن ایک دن شیطان نے قابو پاکر آپ کی زبان سے بھی بتوں کی تعریف کرا ہی دی ۔

کیا شیطان کو اتنی قدرت ہے کہ انبیائے کرام بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکیں ؟ مفسرین اس سوال کے جواب میں مذبذب ہیں اور اس تذبذب کی وجہ سورہ حج کی یہ آیت ہے :۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ	ہم نے تمہارے قبل کوئی رسول و نبی ایسا نہیں بھیجا کہ اس نے
اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ	جب تمنا کی ہو تو شیطان نے اس میں وسوسہ نہ ڈالا
فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ	ہو، خدا شیطانی وسوسہ کو مٹا کر اپنی نشانیوں کو استوار
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۲۲ : ۶ آیت ۴۶)	کرتا ہے اور خدا دانا حکیم ہے ۔

یعنی پیغمبر جب تقرب الی اللہ کے لئے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو شیطان اس کے خلاف وسوسے پیدا کرتا ہے پیغمبر اس صورت میں خدا سے رجوع کرتا ہے ۔

اس کی نظیر ایک دوسری آیت ہے ۔

ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من	پرہیزگاروں کو جب شیطان کے کسی گروہ نے چھولیا ۔
الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون	(یعنی برے خیالات ان کے دل میں آئے ۔ تو انہوں نے
(سورہ ۷ ۔ رکوع ۲۴ ۔ آیت ۲۰۱)	اللہ کو) یاد کیا یاد کرنا تھا کہ ناگاہ بینش والے ہوگئے

ایک اور آیت میں ہے:۔

واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ (۷: ۲۴) شیطان جب تیرے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے تو خدا سے پناہ مانگ۔

غرض یہ ہے کہ پیغمبران مرسل کو خدا نے اگرچہ دانستہ خطا سے معصوم بنایا ہے لیکن جو از سہو اور وسوسۂ شیطانی سے وہ معصوم نہیں۔ اس باب میں جو تمام آدمیوں کا حال ہے وہی انکا بھی ہے بجز ان امور کے جو وہ جان کر کریں۔ سہو میں ان کی پیروی نہ کرنی چاہئے۔ جو کام وہ بالقصد کرتے ہیں استوار و محکم ہیں۔

ابو مسلم کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کے لئے انہیں میں سے پیغمبر بنا کر بھیجے ہیں، فرشتے نہیں بھیجے ہیں۔ اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں کہ وحی کی تلاوت میں شیطانی وسوسہ سے بچا ہو شیطان اس کے ذہن میں وحی کی منافی باتیں ڈال دیتا ہے اور اسے یاد کرنے نہیں دیتا۔ لہذا اللہ تعالی پیغمبر کو وحی اور حفظ وحی پر ثابت قدم کر دیتا ہے اور اسے یہ بتا دیتا ہے کہ یہ امر درست ہے اور شیطان کی جانب سے جو بات ہوتی ہے۔ اس کو مٹا دیتا ہے۔ (رازی ج ۲ ص ۲۵)

(۲)

مفسرین اس کی شان نزول میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب قوم کا بے رخی سے رہنا گراں گذرا تو آپ کے جی میں آیا کہ ایسی وحی نہ اترتی جس سے قریش متنفر ہوں۔ اس لئے کہ آپ کو ان کے ایمان لانے کی بڑی تمنا تھی، ایک روز آپ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ " وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی" اترا آپ نے اس کو پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہنچے۔ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی۔ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی۔ اور وہ خواہش دل میں موجود تھی تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ۔ تلك الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی "۔ (یعنی ان نازک اندام و عالیشان بتوں سے شفاعت کی امید ہے)، قریش نے جب یہ سنا تو خوش ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ

بدستور پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب سورۃ ختم ہوی تو آپ نے آخر میں سجدہ کیا اور ساتھ ہی مجلس میں جتنے مسلمان وکافر تھے سب نے سجدہ کیا۔ قریش کی خوشی کا کیا کہنا۔ کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے معبودوں کو خوبی سے یاد کیا ہے۔ حضرت جبریلؑ آئے اور رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ خدا کی جانب سے میں جو الفاظ نہیں لایا تھا وہ آپ نے پڑھ دئے اس پر رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور بہت ڈرے تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔

اس واقعہ کو ابن ابی حاتم طبری و ابن منذر نے شعبہ کی سند سے اور بزار و ابن مردویہ نے امیہ بن خالد سے روایت کیا ہے اور وہ بھی شعبہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو تفصیلاً سیرۃ النبیؐ میں محمدؐ بن کعب کی سند سے اور موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں ابن شہاب کی سند سے اور ابو معشر نے محمد بن کعب کی سند سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ "معنی سب کے ایک ہیں اور بجز سعید بن جبیر کے یہ حدیث اور جتنے طریقوں سے روایت ہوئی ہے سب یا تو ضعیف ہیں یا منقطع ہیں لیکن کثرت طرق سے پتہ چلتا ہے کہ قصہ کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہے۔ اس کے دو طریقے اور بھی ہیں۔ جو مرسل[1] ہیں اور ان کے راوی ویسے ہی ہیں جیسے صحیحین کے ایک روایت تو وہ ہے جو طبری نے یونس بن یزید کی سند سے ابن شہاب سے روایت کی ہے۔ اور دوسری وہ ہے جو معتمر بن سلیمان و حماد بن سلمہ کی سند سے روایت کی ہے۔ ابو بکر بن العربی نے حسب عادت بڑی جرأت سے کہا ہے کہ طبری نے اس بارے میں بہت سی لغو بے اصل روایتیں درج کی ہیں" اور عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث کو اہل صحت میں کسی ثقہ نے بسند صحیح متصل روایت ہی نہیں کیا ہے۔ اس کے ناقل جتنے ہیں سب ضعیف ہیں روایتیں مضطرب ہیں اور سند منقطع ہے۔ تابعین و مفسرین میں جن لوگوں نے

[1] حدیث مرسل وہ حدیث ہے کہ رسولؐ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے یا یہ کہا ہے اور صحابی جس کے واسطے سے (۲) یہ حدیث روایت کرنی چاہئے اس کا نام نہ لے حدیث مرسل کے قابل استدلال ہونے میں اہل علم مختلف ہیں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر کسی دوسرے درست طریقے سے بھی مرسل کی تقویت ہوتی ہو تو مان لینا چاہئے ورنہ نہیں"۔

مجبور ہے۔ اور دوسری طرف اپنے افعال میں مختار بھی ہے، اپنے اعمال کا ذمہ دار بھی ہے، اپنی حرکات وسکنات کے لئے جواب دہ بھی ہے۔ جزا اور سزا کا مستحق بھی ہے؟ نیز جب انسان کا حال یہ ہے اور اس کی زندگی میں جبر اور اختیار اسی طرح ملے جلے ہیں، تو عدل کیونکر ممکن ہے؟ اس لئے کہ صحیح انصاف کے ساتھ جزا و سزا کا فیصلہ کرنا بغیر اس تحقیق کے ممکن نہیں ہے کہ اس کے افعال کی ذمہ داری خود اس پر کس حد تک ہے؟ اور ذمہ داری کی تشخیص بغیر یہ معلوم کئے نہیں ہو سکتی کہ اس کے افعال میں اس کے آزادانہ اختیار کا کتنا حصہ ہے؟ اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے ہم کو ایک ایسا تشفی بخش جواب ملتا ہے، جو دنیا کی کسی دوسری کتاب، اور دنیا کے کسی انسانی علم وفن سے نہیں ملتا۔

مخلوقات میں انسان کی امتیازی حیثیت

قرآن ہمیں خبر دیتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے کائنات میں مخلوقات کی جتنی انواع موجود تھیں وہ سب اپنی فطرت کے لحاظ سے اطاعت کیش واقع ہوئی تھیں۔ اختیار اور ارادہ کی قوت سرے سے ان کو دی ہی نہیں گئی تھی۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ جس کے سپرد جو خدمت کر دی گئی ہے، اس کو وہ ایک قانون اور ایک نظام کے مطابق، ذرہ برابر سرکشی کے بغیر بجا لاتا رہے۔ ان میں سب سے افضل مخلوق فرشتے تھے جن کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۲۶ : ۱) اسی طرح اجرام فلکی کی عظیم الشان ہستیاں تھیں جن کا حال یہ تھا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ۔ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۶ : ۳)۔ یہی حال آسمان وزمین کی دوسری مخلوقات کا تھا۔ کہ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ (۳۰ : ۳) اور لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ، یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (۲۱ : ۲)۔

پھر اللہ نے چاہا کہ اپنی بنائی ہوئی مخلوقات میں سے کسی کو اپنی وہ امانت سپرد کرے جو اس وقت تک کسی کو نہ دی گئی تھی۔ چنانچہ اس نے وہ امانت آسمان اور زمین کی مخلوقات میں سے ایک ایک کے سامنے پیش کی اور ہر ایک نے زبان حال سے اپنی ناقابلیت اور اپنے عدم تحمل کا اقرار کیا۔ آخرکار اللہ نے اپنی تخلیق کا جدید ترین ایڈیشن نکالا جس کا نام انسان ہے اور اس نے بڑھ کر وہ بار امانت اٹھالیا جس کے اٹھانے کی صلاحیت اور ہمت کسی دوسری مخلوق میں نہ تھی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳: ۹)۔

یہ امانت کیا تھی؟ اللہ تعالیٰ کی ان مخصوص صفات، علم، قدرت، اختیار، ارادہ اور فرمانروائی، کا پرتو جو اس وقت تک کسی مخلوق پر نہ ڈالا گیا تھا۔ جس کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ فرشتوں میں تھی، نہ اجرام فلکی میں، نہ پہاڑوں میں نہ زمین و آسمان کی کسی اور مخلوق میں۔ وہ صرف انسان تھا جو اپنی فطرت کے لحاظ سے اس پرتو کا متحمل ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ بار امانت اٹھالیا۔ اور اسی لئے وہ اللہ کی خلافت و نیابت کے منصب پر سرفراز ہوا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۲: ۴)۔

اس بار امانت کے حامل، اس خلیفۃ اللہ فی الارض کی امتیازی خصوصیت، جس کی بنا پر وہ دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہو گیا ہے، یہ ہے کہ وہ طبعاً اطاعت کیش نہیں بنایا گیا ہے[1]۔ اس کو عام مخلوقات کی طرح نظام کلی کے تحت قوانین و حدود الٰہیہ کا پابند بنانے کے ساتھ، ایک ایسی قوت بھی عطا کی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ بخلاف دوسری مخلوقات کے ایک خاص دائرہ میں مجبورانہ طاعت سے آزاد ہے، اور اتنا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اطاعت کرے اور چاہے سرکشی و نافرمانی کرنے لگے۔ یہ ایسا فرق ہے جو کلام

---

[1] یہ بات متعدد آیات قرآنی سے ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا (۱۰: ۱۰) اور وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا (۶: ۱۳) وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود یہ نہیں چاہتا تھا کہ انسان کو بجبر شرک سے روکے اور ایمان پر مجبور کرے۔

الٰہی میں تدبر کرنے والے کو صاف نظر آتا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو انسان کے سوا کسی اور ایسی مخلوق کا نشان نہ ملیگا جس کی طرف طاعت اور عصیان، فرانبرداری اور نافرمانی، حدود اللہ کی پابندی اور ان حدود سے تجاوز، دونوں کو نسبت دی گئی ہو، اور جس کی طاعت پر جزا اور عصیان پر سزا کے مترتب ہونے کا ذکر کیا گیا ہو۔ وہ انسان ہی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲: ۲۹) وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (۷: ۱۰) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (۴: ۹) مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۷: ۲۰) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ــ ... ... وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔ (۴: ۲) ۔ یہ اور ایسی ہی بے شمار آیات ظاہر کرتی ہیں کہ انسان میں بخلاف دوسری تمام مخلوقات کے ایک ایسی قوت موجود ہے جس سے وہ اطاعت اور سرکشی دونوں پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اسی قوت کے صحیح یا غلط استعمال سے فوز یا خسران ثواب یا عقاب، انعام یا غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

ہدایت وضلالت قرآن اس مسئلہ کو اور زیادہ کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے انسان کی فطرت میں بھلے اور برے دونوں کی تمیز ودیعت فرمادی فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (۹۱) اس کو نیکی اور بدی دونوں کے راستے بتادئے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (۹۰) پھر اس کو اختیار دیدیا کہ جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ (۷۶: ۲) اور فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱۸: ۴) ایک طرف اس کو بہکانے کے لئے اس کا ازلی دشمن شیطان موجود ہے جو بدی کی راہ کو مزین کرکے اسے دکھاتا اور اس کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ

أَجْمَعِينَ (۱۵ : ۳) اور دوسری طرف اللہ کی جانب سے رسول بھیجے جاتے ہیں، کتابیں نازل کیجاتی ہیں تاکہ انسان کو نیکی کا سیدھا راستہ بدی کی راہ سے ممتاز کرکے دکھائیں جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (۲۵ : ۳)۔ اس طرح انسان کے اندر اور اس کے گرد وپیش مختلف قوتیں ہیں جن میں سے کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچنے والی ہے اور کوئی نیکی کی طرف ان قوتوں کے درمیان موازنہ کرنے کے لئے اس کو سمجھ بوجھ دی گئی ہے۔ اپنی راہ آپ دیکھنے کے لئے آنکھیں دی گئی ہیں، اور اتنی قدرت دی گئی ہے کہ وہ جس راہ کو پسند کرے اس پر چل سکے، اگر وہ بدی کی راہ کو اختیار کرتا ہے، تو اللہ اس کی تمام طبیعی قوتوں، اور ان خارجی اسباب کو جو اس کے نصیب میں لکھدئے گئے ہیں اس کا تابع فرمان بنا دیتا ہے، اور یہ راہ اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ راہ بھی اس کے لئے آسان کردی جاتی ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (۹۲) جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اس کے ضمیر میں ایک ایسی قوت پھر بھی موجود رہتی ہے جو اس کو راہ راست کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے، مگر جب وہ اپنی کجروی پر اصرار کرتا ہے تو یہ قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ضلالت کی بیماری بڑھتی جاتی ہے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۲ : ۲) یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے۔ جب اس قوت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور اس شخص کے دل، آنکھوں، اور کانوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ وہ حق بات کو سمجھ نہیں سکتا، حق کی روشنی کا ادراک نہیں کرسکتا، حق کی آواز نہیں سن سکتا، اور ہدایت کے تمام راستے اس کے لئے بند ہو جاتے ہیں، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (۲ : ۱)

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انسان کا اختیار اور اس کی آزادی غیر محدود ہے۔

اور اس کو کلیۃً وہ اختیارات تفویض کردئے گئے ہیں جو قدریہ نے فرض کرلئے ہیں۔ ہرگز نہیں انسان کو جو کچھ اختیار دیا گیا ہے وہ یقیناً ان قوانین کے ماتحت ہے جو اللہ نے تدبیر کلی اور تدابیر جزئیہ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں اور جن کے تحت یہ سارا کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔ کائنات کے نظام میں انسان کی قدرت، اور اس کی روحانی، نفسانی اور جسمانی قوتوں کے لئے جو حدود اللہ نے قائم کردی ہیں ان سے وہ ایک بال برابر بھی تجاوز کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اِنَّا خَلَقْنَا کُلَّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ (۵۴: ۳) اور اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (۶۵: ۱) اور وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ (۶: ۲)

عدل اور جزا و سزا یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ حقیقی عدل کرنے والا بجز خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ حدود جن کے دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہے خدا ہی کی قائم کی ہوئی ہیں اور خدا ہی اس حقیقت کا جاننے والا ہے کہ انسان کے اعمال میں اس کے اپنے اختیار کا حصہ کتنا ہے۔ اس نے جن حدود سے انسان کے اختیار کو محدود کیا ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کے حدود وہ ہیں جو تمام نوع بشری کے لئے من حیث المجموع قائم کئے گئے ہیں۔ اور دوسری قسم کے حدود وہ ہیں جو ہر شخص کے لئے فرداً فرداً مختلف طور پر مقرر ہیں۔ پہلی قسم کے حدود نوعی حیثیت سے تمام اولاد آدم کے اختیار کو محدود کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے حدود ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہیں، اس لئے ان کے اعتبار سے ہر شخص کی زندگی میں اس کے اختیار اور اس کی مجبوری کی مقادیر جدا جدا ہیں۔ اپنے اعمال کے لئے انسان کا ذمہ دار ہونا اور اس ذمہ داری کے لحاظ سے جزا و سزا کا مترتب ہونا اسی مقدار اختیار پر موقوف ہے جس کو ہر شخص نے اپنے افعال میں استعمال کیا ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کو تولنا جانچنا، اور ایسا ٹھیک ٹھیک حساب لگانا کہ ایک ذرہ بھر بھی کمی وبیشی نہ ہو، دنیا کے کسی جج اور کسی مجسٹریٹ کے بس کا کام نہیں ہے یہ محاسبہ و موازنہ نہ صرف

فاطر السموات والارض ہی کرسکتا ہے اور وہی قیامت کے دن اس عدالت کا اجلاس کریگا۔ یہی بات ہے جس کی طرف کلام اللہ میں جگہ جگہ اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ۔ (۱:۷)

اس روز وزن بالکل ٹھیک ٹھیک ہوگا جن کے اعمال کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرکے اپنے آپ کو خود نقصان پہنچایا ہے۔

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۔ (۸۸)

ان کو ہماری ہی طرف آنا ہے اور ان کا حساب وکتاب ہمارے ہی ذمہ ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۹۹)

جو ذرہ برابر نیک عمل کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھیگا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھیگا

قرآن مجید سے مسئلہ جبر وقدر پر بس اسی حد تک روشنی پڑتی ہے اور اس سے وہ گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو علوم طبیعیہ اور علم الاخلاق کے مباحث میں بیان کی گئی ہیں۔ رہے وہ ما بعد الطبیعی مسائل جن میں فلاسفہ اور متکلمین الجھے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ اللہ کے علم اور اس کی معلومات، اس کی قدرت اور اس کے مقدورات، اس کے ارادہ اور اس کے مرادات میں کس نوع کا تعلق ہے، اور اس کے علم سابق، ارادۂ ازلی اور قدرت مطلقہ کے ہوتے ہوئے انسان کس طرح با اختیار اور اپنے ارادہ میں آزاد ہو سکتا ہے، تو ان مسائل سے قرآن نے کوئی بحث نہیں کی ہے، اس لئے کہ انسان ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

نقد و نظر

خطبات از مولنا عبدالصمد صاحب رحمانی مونگیری حجم ۲۶ صفحات قیمت ۲ر۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ سیفیہ مونگیر

یہ خطبات آیۂ شریفہ: ۔ اَلزَّانِی لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً ۔ وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ کی تفسیر ہیں۔ مشہور مناظر مسٹر محمود دھرم پال بی۔اے نے اپنی ایک تقریر میں بیان کیا تھا کہ "جب کوئی مسلمان زنا میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اسپر اس کی باعصمت اور عفیف بیوی حرام ہوجاتی ہے" اور اس قول پر اس آیۂ مطہرہ سے استدلال کیا تھا۔ مولنا موصوف نے اسی غلط خیال کی تردید کی ہے، اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

رہنمائے قرأت مرتبہ جناب سید سردار علی شاہ صاحب۔ حجم ۱۳ صفحات۔ قیمت ۸ر۔ ملنے کا پتہ:۔ سید رحمت علی شاہ مسلم جنرل بک ایجنسی۔ لاہور۔

فن قرارت ان فنوں میں سے ہے جس کا جاننا ہر قرآن خوان کیلئے ضروری ہے۔ یہ فن محض کتابی نہیں ہے لیکن جہانتک اصول و قواعد کا تعلق ہے کتابوں سے کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملتی ہے اردو میں اسی فن پر چند رسالے شائع ہوچکے ہیں۔ یہ رسالہ جناب مرتب نے اس طریق پر مرتب کیا ہے کہ بغیر استاد کے بھی اس فن کی تحصیل میں مدد دے سکے۔

ہدایۃ الورٰی فی تشریح الربوٰا از مولنا محمد نقی صاحب۔ حجم ۲۶ صفحات قیمت ار ملنے کا پتہ: انجمن اصلاح المسلمین مالیگاؤں ضلع ناسک

اس رسالہ میں مولنا ممدوح نے عقلی و نقلی دلائل سے سود کی تمام اقسام کی حرمت پر بحث کی ہے، اور آخر میں دارالحرب و دارالاسلام کی حدود پر کلام کیا ہے کہ جو لوگ سود خواری کے لئے ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہوجائے کہ دارالحرب و دارالاسلام کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

قادیانی مذہب | مولفہ الحاج مولوی محمد الیاس برنی صاحب ایم اے ال ال (علیگ) استاذ معاشیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن مجم ۱۲ صفحات بلاقیمت۔

مذہبی مناظرہ کی کتابوں میں عموماً عیب ہوتا ہے کہ لکھنے والے اپنے مذہبی جوش میں مذہب مخالف کے پیشواؤں پر سب وطعن کرنے لگتے ہیں، اور دل آزار زبان استعمال کرکے اس مقصد (احقاق حق اور ہدایت) کو ہاتھ سے کھو دیتے ہیں جس کے لئے دراصل مناظرہ کیا جاتا ہے خصوصیت کیساتھ مناظرہ کا یہ رنگ ان مباحثات میں بہت ہی زیادہ بدنمائی کے ساتھ دیکھا گیا ہے جو سالہا سال سے قادیانی جماعت اور اہل السنت کے درمیان ہوتے رہے ہیں اب تک اس سلسلہ کی کوئی ایسی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے جس میں متانت سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ احقاق حق کی کوشش کی گئی ہو۔ الحمد للہ کہ جناب برنی صاحب کا یہ رسالہ اس عیب سے بالکل پاک ہے، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس باب میں یہ پہلی تحریر ہے جس کو موافق اور مخالف سب ٹھنڈے دل سے پڑھکر سکون قلب کے ساتھ رائے قائم کر سکتے ہیں جناب مولف نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے۔ زیادہ تر مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے خلفاء اور متبعین کی تحریریں ایک ترتیب خاص کے ساتھ جمع کر دی ہیں، اور ان پر جو کچھ اظہار رائے کیا ہے وہ مختصر ہے اور تہذیب ومتانت کے ساتھ ہے۔ یہ مولف کے حسن نیت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس رسالہ کو بلاقیمت شائع کیا، اور کسی مالی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔

ہدایات حج | از جناب محمد نجدی صاحب۔ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی ضخامت ۴۸ صفحہ۔ غالباً بلاقیمت۔

اس رسالہ میں ۱۳۵۲ھ کے لئے سفر حج کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اگرچہ ابتدا میں ملک ابن سعود کی تعریف وتوصیف کرکے اس کو ایک طرح کی سیاسی دعایت کا رنگ دے دیا گیا ہے جس کی اس قسم کے رسالہ میں ضرورت نہ تھی لیکن آخر میں جو معلومات درج کی گئی ہیں وہ یقیناً حجاج کے لئے مفید ہونگی۔ جو اصحاب اس سال حج کا قصد رکھتے ہوں وہ اس کو مولف سے منگا سکتے ہیں۔

قواعد و نرخنامہ اشتہارات

مقدار	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	عــہ	صعــہ	صعــہ	لــہ
نصف صفحہ	لے	صعــہ	صعــہ	صلعــہ
ربع صفحہ	سعہ	ــہ	اعــہ	صعــہ

۱۔ کوئی خلاف شریعت یا خلاف تہذیب اشتہار شائع نہ کیا جائے گا۔
۲۔ اشتہار کی اشاعت سے پہلے اجرت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔
۳۔ صرف وہی چربے قبول کئے جائیں گے جو اس رسالہ کی وضع و ہئیت کا لحاظ رکھ کر تیار کئے گئے ہوں۔
۴۔ نرخنامہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جائے گی۔
۵۔ ٹائٹیل کے صفحات کی اجرت عام نرخنامہ کی بہ نسبت ۲۵ فیصدی زیادہ ہوگی۔

Registered No. M. 2950
رجسٹر نمبر آصفیہ (...)

قواعد

رسالہ ترجمان القرآن بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۰ تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینے کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے، لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے

منیجر ترجمان القرآن

خیرت آباد۔ حیدرآباد (دکن)

طابع و ناشر
ابوالاعلیٰ مودودی
(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن)

جلد (۳) عدد (۵)

ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

۷۸۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (عہ) بیرون ہند کے لئے (سے) قیمت فی پرچہ ۵ر

قواعد و نرخنامہ اشتہارات

مقدار	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	عــہ	صعــہ	صللعــہ	لــہ
نصف صفحہ	ــے	صلــہ	صلــہ	صللعــہ
ربع صفحہ	للعہ	لــہ	ہوعــہ	صلــہ

۱۔ کوئی خلاف شریعت یا خلاف تہذیب اشتہار شایع نہ کیا جائے گا۔

۲۔ اشتہار کی اشاعت سے پہلے اجرت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔

۳۔ صرف وہی بلاک قبول کئے جائیں گے جو اس رسالہ کی وضع و ہیئت کا لحاظ رکھ کر تیار کئے گئے ہوں۔

۴۔ نرخنامہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جائے گی۔

۵۔ ٹائیٹل کے صفحات کی اجرت عام نرخنامہ کی بہ نسبت ۵۰ فیصدی زیادہ ہوگی۔

فہرست مضامین

اشارات

کچھ مدت ہوئی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے اپنی ناظرات سے سوال کیا تھا کہ "کیا تم کو مردوں پر رشک آتا ہے؟" اس کے جواب میں جتنی فرنگی، اور نئی تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کے خطوط اس کو وصول ہوئے ان سب میں بالاتفاق اس سوال کا جواب اثبات میں دیا گیا تھا۔ کوئی ایک عورت بھی ایسی نہ نکلی جو مردوں پر رشک کرنے سے انکار کرتی۔ ہندوستانی عورتوں کا اقرار تو خیر متوقع تھا۔ مگر مغربی عورتوں کی آزادی اور ان کے ادعائے مساوات کو دیکھتے ہوئے خود ٹائمز کے ایڈیٹر کو بھی امید نہ تھی کہ وہ اس طرح بالاتفاق اپنے رشک کا اقرار کریں گی۔

بعض مغربی خواتین نے اپنے رشک کے وجوہ بھی دل کھول کر بیان کئے ہیں جو ظاہر میں محض دلچسپ مگر حقیقت میں بہت معنی خیز ہیں۔ مثال کے طور پر ایک خاتون لکھتی ہیں:-

> ہر عورت کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسے مواقع ضرور پیش آتے ہیں جن میں اس کا دل چاہتا ہے کہ کاش وہ بھی مرد کو ایک پھوٹی ہوئی آنکھ، ایک دانت ٹوٹا منہ، یا چند ٹوٹی ہوئی پسلیاں دینے کے قابل ہوتی، مگر خواہ وہ کتنی ہی طاقتور ہو غریب اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتی۔ جب مرد سے لڑنے کا اتفاق ہوتا ہے، تو صنف ضعیف، بہر حال صنف ضعیف ہی ثابت ہوتی ہے۔
>
> پھر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے مرد کو بالادستی حاصل رہی ہے، اور ہماری

تمام فتوحات کے باوجود' مرد آج بھی اپنی قوت کی بنا پر ایک برتر ہستی ہے مختصر یہ کہ وہ مرد ہی ہے جو دنیا پر حکومت کر رہا ہے، اور عورت مجبور ہے کہ دوسرے درجہ پر قناعت کرے"

ایک اور خاتون لکھتی ہیں :۔

میں مرد پر رشک کرتی ہوں اس لئے کہ وہ جسمانی قوت رکھتا ہے وہ آزادی کے ساتھ اپنی فکر آپ کرتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ زمانہ کی تاریخ میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے اپنے دل کے حوصلے نکالنے، اور شہرت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع رکھتا ہے وہ اپنے لئے جو میدان بھی انتخاب کرتا ہے' اس میں اپنی برتری کا سکہ جما کر چھوڑتا ہے خواہ وہ کھیل کا میدان ہو' یا علم و فن کا' ادب و تماشا کا ہو' یا ملک داری کا' سیر و سیاحت کا ہو، یا کسی اور ایسی چیز کا جو روئے زمین پر بزرگی رکھتی ہے۔ یہ خیال کہ لوگ کیا کہیں گے" اس کی راہ میں اگر کچھ مزاحم ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ آخر میں مجھے اس بات پر بھی رشک آتا ہے کہ مرد تو اپنی پسند کی لڑکی کو شادی کا پیغام دینے کا حق رکھتا ہے' مگر یہ حق بیچاری حوّا کو کیوں نہیں ہے۔ ؟۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں عورت کے لئے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ اس حصہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، جسے اختیار کرنے کی آزادی مرد کو حاصل ہے۔

یہ اُن عورتوں کے خیالات ہیں جن کو غایت درجہ آزادی کی ہوا میں سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ باوجودیکہ انہوں نے ایک ایسے اجتماعی ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔ جہاں عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات کا ادعا کیا جاتا ہے، اور بالفعل مساوات قائم کرنے کی کوشش بھی بڑے پیمانہ پر کیگئی ہے' مگر پھر بھی مرد کی

بتہ بھی اسی طرح ایک امر واقعہ ہے جس طرح ہبوط آدم سے لیکر اب تک رہا ہے۔ اور اس کا احساس نہ صرف مردوں میں موجود ہے بلکہ عورت بھی اس کی معترف ہے۔

یورپ اور امریکہ کی عورتوں نے زندگی کا کونسا میدان ایسا چھوڑ دیا ہے جس میں مردوں کا مقابلہ نہیں کیا؟ وہ کھیل کود اور ورزش جسمانی کے میدان میں اتریں، کارخانوں اور دفتروں میں ذرایع دماغی اور جسمانی محنت کے تمام پیشیوں میں مردوں سے حصہ بٹایا، فوج اور پولیس تک کے خالص مردانہ شعبوں میں جگہ حاصل کی، عدالت کی کرسی سے لیکر وزارت اور سفارت کی اہم خدمات تک میں اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کی کوشش کی، اور معاشی استقلال حاصل کرکے اس پرانے نظریہ کی دھجیاں بکھیر دیں جو بدو آفرینش سے مسلم چلا آ رہا ہے، یعنی مرد کا کام روزی کمانا اور عورت کا کام گھر سنبھالنا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی مرد بدستور حکمران اور بالادست ہے اور عورت اسی طرح محکوم اور زیردست۔

آپ کسی آزاد سے آزاد سوسائٹی میں چلے جائیے اول نظر میں آپ محسوس کریں گے عورت اور مرد کے درمیان امتیازی برتاؤ ہو رہا ہے۔ کسی کارخانے یا کسی دفتر میں جائیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عورت کو کمتر درجہ کی اور کمتر مہارت و ذہانت کے کام دئیے جاتے ہیں۔ اور ادنیٰ درجہ کی خدمتوں میں بھی عورت کا معاوضہ مرد کی بہ نسبت کم رکھا گیا ہے۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ اس کو چلانے والا ہاتھ مرد کا ہاتھ ہے۔ اس میں حکمران قوت مرد کی قوت ہے عورت اگر اس میں شریک ہے بھی تو مامور و محکوم کی حیثیت سے ہے نہ آمر و حاکم کی حیثیت سے۔ بغرض آپ کو مغربی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس میں ادعائے مساوات کے علی الرغم، اصلی اور حقیقی نا مساوات قائم نہ ہو۔ اور مجموعی طور پر آپ یہی دیکھیں گے ہر جگہ حکومت مرد کی ہے اور عورت کا درجہ ہر جگہ مرد سے فروتر ہے۔

سب سے زیادہ جس ملک میں مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ سوویٹ روس ہے۔ وہاں حکومت نے اپنی پوری قوت ان امتیازی نشانات کو محو کرنے میں صرف کر دی ہے جو زندگی کے معاملات میں مرد و زن کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی روس کی سیاسی پالیسی حکومت کے معاملات صلح و جنگ کے امور، صنعت و تجارت کے کاروبار، علوم و فنون کے ادارے، اسی طرح مرد کے زیر علم ہیں جس طرح انقلاب سے پہلے تھے۔ حتیٰ کہ معاشرت اور خانگی زندگی تک میں بھی عورت کو مرد کی برابری کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ روس کا ایک مشہور مصنف جو مساوات کا پرجوش حامی ہے، بڑے افسوس کے ساتھ لکھتا ہے:۔

اب تک مرد و زن کی نامساوات کے متعلق متعصبانہ خیالات نہ صرف ان طبقوں میں جو ذہنی اعتبار سے ادنیٰ درجہ کے ہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کے سوویٹ تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی نہایت گہرے جمے ہوئے ہیں۔ خود عورتیں بھی ان خیالات سے اس قدر متاثر اور خود گرفتہ ہو چکی ہیں کہ اگر مرد ان سے مردوں کا سا برتاؤ کریں تو وہ اس کو ان کے مرتبہ سے گری ہوئی بات سمجھیں گی۔ بلکہ اسے مردوں کی کمزوری اور نامردی پر محمول کریں گی۔ ہم اس مسئلہ پر خواہ کسی حکیم سے گفتگو کریں، یا مصنف سے، یا کسی مزدور کالج کے طالب علم سے، یا کسی تاجر سے، یا کسی سوتی صدی حامی اشتراکیت سے بہت جلدی ہم پر منکشف ہو جائے گا کہ وہ عورت کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتا دور حاضر کے کسی جدید ترین ناول پر نظر ڈالو۔ خواہ وہ کیسے ہی ترقی یافتہ خیالات رکھنے والے مصنف کا لکھا ہوا کیوں نہ ہو، تم کو جگہ جگہ ایسی عبارتیں یقیناً ملیں گی جن سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ عورت کو مرد کے مقابلے میں ضعیف و لطیف سمجھتا ہے"

ایک دوسری جگہ اس مصنف کو مجبوراً اقرار کرنا پڑا۔

دنیا میں کسی جگہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی اتنی کوشش نہیں کی گئی اور نہ اس باب میں اتنی فراخ حوصلگی کے ساتھ قوانین بنانے کی طرف توجہ

کی گئی جتنی سوویٹ جمہوریت میں کی گئی ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ خاندان میں عورتوں کی واقعی حیثیت اکتوبر کے انقلاب سے اب تک (یعنی ۱۹۳۲ء تک) بہت کم بدلی ہے، کیونکہ اس معاملہ میں انقلابی اصول ایک نہایت اہم حقیقت سے ٹکرا گئے ہیں۔ یعنی یہ کہ حیاتیاتی اعتبار سے دونوں صنفوں کے درمیان مساوات نہیں ہے، اور فطرت نے دونوں پر جو بار ڈالا ہے وہ یکساں نہیں ہے۔"

حیاتیات اور عضویات کے ماہرین مثلاً اشٹائناخ (Steinach) ایٹیاس Atias گوڈل (Goodell) لپ شوٹس (Lipshutz) سانڈ (Sand) زاوادوفسکی (Zavadovsky) وغیرہ نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ عورت اور مرد اپنی جسمانی استعداد کے مساوی (Equipotential) ہیں۔ مگر یہ کسی تجربہ سے ثابت نہیں ہوا کہ فطرت کی طرف سے دونوں کے نظام جسمانی پر بار بھی یکساں ڈالا گیا ہے اس کو آپ خواہ ظلم کہہ لیجئے، یا حکیمانہ تقسیم کار سے تعبیر کیجئے لیکن اس حقیقت سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ فطرت نے عورت اور مرد کی تخلیق دو بالکل مختلف بنیادوں پر کی ہے اور اس لئے بنیادی طور پر دونوں کے مقاصد حیات اور دائرہ عمل بھی الگ الگ ہو گئے ہیں۔ عورت کے نظام جسمانی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسے کلیتاً بقائے نوع کی خدمت کے لئے بنایا گیا ہے، اور اس کے برعکس مرد کو بقائے نوع کی خدمت میں سے ایک تھوڑا سا حصہ دے کر، ان دوسرے آلات و قوٰی کی تکمیل میں زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے جو انسانی زندگی کے دوسرے معاملات میں کام آتے ہیں۔ یہ بنیادی فرق اسی وقت سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ جب رحم مادر میں جنین کے اندر صنفی تشکیل واقع ہوتی ہے۔ اسی لمحہ سے عورت کی تخلیق مرد سے بالکل مختلف اصول پر ہونے لگتی ہے۔ عورت کا سارا جسمانی نظام اس طرح بنایا جاتا ہے کہ وہ بچہ پیدا کرنے اور بچہ کو پرورش کرنے کے لئے مستعد ہو، اور اس کے لحاظ سے اس کے اندر وہ نفسانی خصائص اور رجحانات پیدا

کئے جاتے ہیں جو اس وظیفہ سے مناسبت رکھتے ہیں بخلاف اس کے مرد کے نظام جسمانی میں بہت تھوڑا حصہ بقائے نوع کی خدمت کے لئے رکھ کر اس کے دوسرے جسمانی آلات اور ذہنی قوٰی کی پرورش زیادہ فیاضی کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس کی مناسبت سے اس میں مختلف قسم کے نفسانی خصائص اور رجحانات پیدا کئے جاتے ہیں۔

حیاتی، عضوی اور نفسی اعتبار سے عورت اور مرد کا باہمی فرق ایک فطری فرق ہے فطرت ہی نے عورت کو وہ خدمت سپرد کی ہے جو اندرون خانہ سے زیادہ تعلق رکھتی ہے، اور مرد کو وہ کام دیا ہے جو بیرون خانہ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے، فطرت ہی نے عورت پر بقائے نوع کے وظیفہ کا بار ڈال کر اسے دوسرے وظائف حیات کے لئے کمزور کر دیا ہے، اور وہ فطرت ہی ہے جس نے مرد کو خدمت بقائے نوع کے بار سے ایک حد تک سبکدوش کر کے دوسری خدمات کے لئے زیادہ قوت عطا کی ہے۔ پھر یہ فطرت نہیں تو اور کون ہے جس نے اپنے کارخانے کو چلانے کے لئے مرد میں فعلیت اور عورت میں انفعالیت رکھی ہے، جس نے مرد کو صلابت اور عورت کو نزاکت عطا کی ہے جس نے مرد میں اقدام اور اس کے لئے جسارت کا مادہ رکھا ہے اور عورت کو حجبت اور اس کے لئے جھجک بخش دی ہے، جس نے مرد کو اس کے طبعی وظائف کا لحاظ کرتے ہوئے تندخو، قاہر، حکومت پسند، مستقل مزاج، قوی العزم اور بطی الحس بنایا، اور عورت کو اس کی مخصوص حیثیت کے اعتبار سے نرم دل، متحمل، منقاد، ذکی الحس، متلون، اور عافیت پسند پیدا کیا؟ مرد و زن کے متضاد خصائص ہی دراصل تمدن و عمران کی اس ساری چہل پہل کے ذمہ دار ہیں جو ہم کو دنیا میں نظر آ رہی ہے۔ اسی تضاد و اختلاف کی بدولت عورت اور مرد کے درمیان وہ تعامل ممکن ہوا جو اجتماعی زندگی کی جان ہے اور جس نے آدم و حوا کی اولاد کے لئے زمین کی سکونت کو خوش گوار بنا دیا ہے۔ اگر یہ تضاد نہ ہوتا، اگر مرد و زن کے جذبات، رجحانات، نفسی کیفیات، اور طبیعی خصائص ایک ہی جیسے ہوتے تو تہذیب و تمدن کی پیدائش تو درکنار، شاید نسل آدم کی

افزائش بھی ممکن نہ ہوتی۔ پھر آخر یہ عقل و حکمت، تجربہ و مشاہدہ، اور احساس و وجدان سب کے خلاف مساوات مرد و زن کا ادعا کس بنا پر ہے؟

انسان کے لئے صحیح اجتماعی نظام وہی ہو سکتا ہے جو فطرت کے منشا اور مقصد کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ اس کو سمجھے بغیر، یا سمجھنے کے باوجود عمداً اس کے خلاف جو طریقے بھی زندگی بسر کرنے کے لئے اختیار کئے جائیں گے ان کا نتیجہ بجز آلام و مصائب اور بالآخر کامل تباہی کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ فطرت کا قانون ایک اٹل اور ناقابل تغیر قانون ہے۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات تک میں اس کی رعایت ملحوظ رکھنی ضروری ہے، کجا کہ اس بڑے اور اہم مسئلہ میں، جو انسانی جماعت کے دو مساوی حصوں کے درمیان حدود عمل، فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم، اور حیات اجتماعی میں ان کے درجات و حیثیات کی تعیین سے تعلق رکھتا ہے۔

اس معاملہ میں مختلف تمدنی نظاموں نے فطرت کے خط استوا سے ہٹ کر افراط اور تفریط کی مختلف راہیں اختیار کی ہیں۔ ایک جانب وہ نظامات ہیں جن میں عورت کو اس کے فطری مرتبے سے محروم کر دیا گیا ہے، اسے ذلیل بے روح نجس قرار دیا گیا ہے، معیشت و معاشرت کے دائرے میں اس کے تمام حقوق چھین لئے گئے ہیں، اس کی طبیعت و فطرت کے مقتضیات سے بالکل صرف نظر کر لیا گیا ہے، اور اسے منجملہ ان املاک کے شمار کیا گیا ہے جو مرد کو حاصل ہوتی ہیں۔ دوسری جانب وہ نظامات ہیں جن میں فطرت کی قائم کی ہوئی امتیازی حدود کو نظر انداز کر کے عورت اور مرد کے درمیان ایک غلط اور خالص غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور عورت کو اس دائرے سے نکال کر جس میں رہنے کے لئے فطرت الٰہی نے اس کو بنایا تھا اس دائرے میں کھینچ لایا گیا ہے جو دراصل مرد کا دائرہ ہے۔

یہ افراط و تفریط دونوں اپنے نتائج ظاہر کر چکی ہیں۔ اور کر رہی ہیں۔ جن قوموں نے تفریط کا پہلو اختیار

یا ہے وہ عورت کو ذلیل کرنے کے ساتھ خود بھی ذلیل ہوگئیں، کیونکہ جس جماعت کا نصف حصہ ذلیل ہو وہ بحیثیت مجموعی ذلت کے گڑھے میں گرنے سے کیونکر بچ سکتی ہے؟ پھر یہ نصف حصہ بھی کونسا نصف حصہ؟ وہ جو پوری قوم کی نسلوں کا مصدر و منبع، اور تربیت گاہ ہے جس کی درستی پر نسلوں کی درستی، اور جس کی خرابی پر نسلوں کی خرابی مترتب ہوتی ہے پس جو قوم اپنے ایسے نصف حصہ کو پستی کی حالت میں رکھے جس کے بچے ذلیل و خوار ماؤں کے پیٹ سے نکلیں، اور ذلت و خواری کی آغوش میں پلیں بڑھیں، اس کا احساس عزت سے محروم ہوجانا، اور روحانی، ذہنی، اور اخلاقی بلندیوں سے گر جانا یقینی ہے۔

اسی طرح جن قوموں نے افراط کا پہلو اختیار کیا ہے وہ عورت کو مردوں کے دائرے میں لاکر اپنے پورے نظام تمدن کو درہم برہم کرچکی ہیں، اور کئے جارہی ہیں۔ وہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ حمل وولادت، رضاعت، تربیت اور تدبیر منزل کی ذمہ داریوں میں عورت کے ساتھ مرد کو بھی برابر کا شریک بنادیں۔ وہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں، کہ عورت کی جبلت کو بدل دیں۔ ان کو اس پر بھی قدرت حاصل نہیں ہے کہ فطرت نے عورت میں جو قابلیتیں اور صلاحیتیں ودیعت نہیں کی ہیں وہ اس میں پیدا کردیں۔ مگر اس کے باوجود وہ کوشش کررہی ہیں کہ اس بار گراں کے علاوہ، جو فطرت نے عورت پر ڈال دیا ہے، اور جس میں حصہ لینا مرد کے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے، عورت پر وہ بار بھی ڈالدیں جو فطری تقسیم کے اعتبار سے صرف مرد کے حصہ میں آیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت کے لئے بیک وقت دو مختلف قسم کے بار برداشت کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ ایک طرف وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کے سنبھالنے میں کوتاہی کررہی ہے جو فطرت نے اس پر عائد کئے تھے، اور اس کی وجہ سے نئی نسلوں کی پیدائش کم ہورہی ہے۔ تربیت اطفال کا معیار گرتا جارہا ہے، تدبیر منزل میں خرابیاں واقع ہورہی ہیں، خاندان اور گھر کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہا، زندگی سے وہ سکون، وہ اطمینان، وہ لطف رخصت ہوگیا ہے اور ہوتا جارہا ہے جو عورت اور محض گھر والی عورت کے وجود سے حاصل ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف عورت اپنی نسویت کو ساتھ لئے ہوئے سیاست، صنعت و حرفت، اور تجارتی کاروبار کے ہنگامہ زار میں

اترائی ہے جس کے لئے وہ در اصل پیدا ہی نہیں کی گئی تھی۔ اور اس کی بدولت نظام معیشت میں ایک زبردست اختلال برپا ہو گیا ہے جس نے تمام مغربی ممالک کو پریشان کر رکھا ہے۔ نیز سیاسیات میں ایک ایسے عنصر کا اضافہ ہو گیا ہے جو سراسر غیر مطبوع ہے یعنی استقلال کے بجائے تلون، استحکام کے بجائے سیمابیت اور عقل رزین کے بجائے جذبات حسین۔

افراط اور تفریط کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک مقام توسط و اعتدال کا ہے جو منشاء فطرت کے عین مطابق واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورت کو وہ تمام حقوق دئے جائیں جو نوع بشری کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل ہونے چاہئیں، مگر اس امتیاز کو باقی رکھا جائے جو فطرت الٰہی نے عورت اور مرد کے درمیان قائم کیا ہے، عورت کو عزت دی جائے، معیشت و معاشرت میں اس کو حقوق دئے جائیں اس کے جذبات داعیات، اور طبعی مقتضیات کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، مگر سب کچھ اس دائرہ کے اندر ہو جو فطرت نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے، مرد کے دائرے میں قدم رکھنے، اور مرد کے مقام پر آنے کی اس کو اجازت نہ دی جائے اس فرق مراتب کو ہمیشہ باقی رکھا جائے جو نوع بشری کے ان دونوں حصوں میں ان کے خلقی خصائص ان کی طبعی ذمہ داریوں، اور ان کے فطری حدود عمل کے اعتبار سے رکھا گیا ہے

ٹھیک یہی طریقہ ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ نظام تمدن میں عورت اور مرد کی اضافی حیثیت اور دونوں کے باہمی تعلق کو قرآن مجید نے ایک جامع و مانع فقرے میں بیان کیا ہے جو اختصار کے باوجود ایک پورے قانون کا اصل الاصول ہے:۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲: ۲۸) — عورتوں کے لئے معروف طریقہ سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کہہ کر تفریط کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کہہ کر افراط کی بھی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ان دونوں پہلوؤں کے درمیان یہ متوسط قاعدہ مقرر کیا گیا کہ انسان ہونے اور انسانی زندگی کے فرائض و واجبات ادا کرنے، اور نظام تمدن کو چلانے میں عورت اور مرد دونوں کا حصہ ہے اس لئے عورت کو بھی اسی طرح حقوق ملنے چاہییں جس طرح مرد کو حاصل ہیں۔ لیکن چونکہ زندگی کے تمام معاملات میں مرد کا حصہ فطرۃً عورت سے زیادہ ہے، اور مرد کی حیثیت ایک راعی، ایک صاحب امر، ایک مقدم اور پیشوا کی سی ہے اس لئے مرد کو عورت پر فضیلت کا ایک درجہ ضرور حاصل رہنا چاہیئے جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے:-

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (۴:۶)

یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس لئے کہ مرد ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرمانبردار کرنے والی اور ان کے غیاب میں اس چیز کی حفاظت کرنے والی ہیں جس کی حفاظت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

پس اگر مرد کی فضیلت اس ایک درجہ سے بڑھا کر اس حد کو پہونچا دی جائے گی کہ وہ عورت کے جائز حقوق بھی سلب کرے تو یہ "ظلم" اور "حدود الٰہی سے تجاوز" ہوگا۔ اور اگر عورت کو اس کی جائز حدود سے بڑھا کر مرد کے برابر کر دینے کی کوشش کی جائے گی حتیٰ کہ مرد کے درجۂ فضیلت اور اس کی قوامیت میں فرق آ جائے تو یہ ایک غیر صالح فعل ہوگا اور اس کو بھی حدود الٰہی سے تجاوز قرار دیا جائیگا۔

اسی اصل پر وہ تمام اخلاقی ہدایات اور شرعی قوانین مبنی ہیں جو اسلام نے عورتوں اور مردوں

کے باہمی تعلق کے باب میں مقرر کئے ہیں۔

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کی تفسیر یہ ہے کہ عورت کو اپنے مال پر ملکیت کا حق ویسا ہی ہے جیسا مرد کو اپنے مال پر ہے، عورت اپنے مال میں تصرف کرنے کا ویسا ہی حق رکھتی ہے جیسا مرد کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے عورت کو اسی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے جس طرح مرد کو ملتا ہے، اولاد پر ماں کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح باپ کی ہے، شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا ویسا ہی حکم ہے جیسا کہ بیوی کو شوہر کے ساتھ برتنے کی تاکید کی گئی ہے، عورت اور مرد کے لئے حفظ فروج کا حکم یکساں ہے، اور شریعت نے میاں اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنے کا یکساں حکم دیا ہے۔

اور لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کی تفسیر یہ ہے کہ مرد پر مہر اور نان نفقہ کا بار ہے، عورت پر کوئی بار نہیں، مرد بیک وقت چار نکاح کر سکتا ہے اور عورت صرف ایک، مرد باختیار خود عورت کو طلاق دے سکتا ہے لیکن عورت اگر فسخ و تفریق چاہے تو اس کے لئے قضائے قاضی شرط ہے، عورت پر شوہر کی فرمانبرداری فرض کی گئی ہے، اگر وہ نافرمانی کرے تو شوہر کو سزا دینے کا حق ہے، میراث میں عورت کا حصہ مرد سے کم ہے، قانون شہادت میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ اور آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ عورت کو پردہ کرنے اور گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ مرد کے حدود عمل میں قدم نہ رکھے، اور اپنی تمام توجہ اور کوشش ان فرائض کو ادا کرنے میں صرف کرے جو فطرت نے اس کے سپرد کئے ہیں۔

آج کل مشرقی دماغ، مغرب کے بلند بانگ دعاوی علم و عقل سے اس قدر دہشت زدہ ہو گئے ہیں کہ جس غلط اور سراسر خلاف عقل و حکمت بات کو مغرب نے صحیح سمجھا، اور رواج دے دیا۔ اس کو اہل مشرق نے بھی مسلمات میں داخل کر لیا۔ اور کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے تک کی جرأت نہ ہوئی ہر ت

ز آسمان مغرب سے نازل ہوئی، زمین مشرق میں اسے ایمانیات کا درجہ حاصل ہوگیا۔ چنانچہ عورتوں اور مردوں
کی مساوات، اور عورتوں کی آزادی، اور ان کے حقوق کے متعلق بھی جو خیالات مغرب سے آئے ہیں، ان کو
مشرق والوں، حتی کہ مسلمانوں تک نے اس طرح تسلیم کرلیا ہے، گویا کہ وہ ناقابل تردید مسلمات ہیں۔ اچھے
اچھے پڑھے لکھے آدمی قرآن و حدیث کی تعلیمات کو کھینچ تان کر ان کے مطابق بنانے کی کوششیں کرتے ہیں
اور جو اسلام کے ذرا زیادہ پرجوش وکیل ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ ہر مغربی بدعت کو دیکھ کر بے ساختہ ان
کی زبانوں سے نکلتا ہے "یہ تو ہمارے ہاں پہلے سے موجود ہے"! اسی مرعوبیت کا اثر ہے کہ ہمارے وکلائے
اسلام "لہن مثل الذی علیہن" تو بڑے زور سے کہتے ہیں مگر "للرجال علیہن درجہ" پر پہنچ کر خود ان کی
زبان میں لکنت آجاتی ہے، اور "الرجال قوامون علی النساء" کہنے کے لئے تو آج کل بڑی ہمت درکار ہے
ان آیات کو توڑ مروڑ کر معنوی تحریفات کرنے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں انھیں دیکھ کر عبرت آتی ہے کہ
جس قوم کے پاس تمام دنیا کے قوانین سے بہتر اور سب سے زیادہ مطابق فطرت قانون موجود ہے اس کی
عقل کو ذہنی غلامی نے کس قدر مخبوط کر دیا ہے۔

کتب سماوی پر ایک نظر

از

جناب ذوقی شاہ صاحب

(۱)

دہریت اور لامذہبی کے اس دور تاریک میں اللہ کے فضل و کرم سے اب بھی ایسے لوگ اس دنیا میں بکثرت موجود ہیں جو ہستی حق تعالیٰ کے قائل ضرورت مذہب کے معترف اور کتب سماوی کے منزل من اللہ ہونے کے معتقد ہیں۔ مگر اس طبقۂ مذہبی کے وہ لوگ جو اپنے آبائی یا ملکی مذہب کی رسمًا یا تقلیدًا کورانہ پابندی پر قانع رہنا پسند نہیں کرتے بلکہ ذاتی تحقیقات سے مذاہب مختلفہ کا مطالعہ و مقابلہ کرکے مذہب حقہ کی تلاش کے درپے رہتے ہیں اس تحقیقات کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ جن صحف سماوی کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ اپنے اس دعوی میں کس حد تک صادق ہیں۔ اس تحقیقات کے لئے عقل سلیم مندرجہ ذیل امور قابل غور قرار دیتی ہے۔

۱۔ جس کتاب کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ حقیقت میں منزل من اللہ ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی صورت و کیفیت نزول کیا تھی اور وہ کب اور کس پر نازل ہوئی؟

۲۔ آج بھی وہ اپنی اصلی اور ابتدائی صورت میں محفوظ ہے یا اُس میں لوگوں کی جانب سے ترمیمات و تنسیخات و تغیرات و تبدلات و تحریفات لفظی و معنوی نے دخل پاکر کلام اصلی کی صورت کو بدل ڈالا ہے؟

۳۔ آیا اُس کتاب کی تعلیمات سے اُس کے منزل من اللہ ہونے کی تائید ہوتی ہے اور وہ تعلیمات واضح صاف اور بنی نوع انسان کے لئے مفید اور کافی بھی ہیں یا نہیں؟

مندرجہ بالا معیار سے ہم اُن مشہور و معروف کتابوں پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں جن کی بابت منزل من اللہ ہونیکا کسی نہ کسی طبقہ میں دعویٰ کیا جاتا ہے۔

بائبل سب سے پہلے ہم بائبل کو لیتے ہیں جو علمائے نصاریٰ کے نزدیک مجموعہ ہے اُن صحائف کا جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئے۔ یہ مجموعہ مشتمل ہے عہد عتیق اور عہد جدید پر۔ عہد عتیق میں توریت اور وہ دیگر کتب بھی شامل ہیں جو قبل مسیح علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں۔ عہد جدید میں اناجیل اربعہ اور ان کے ساتھ حواریین کے اعمال، خطوط، اور مکاشفات بھی شامل ہیں۔

مسلمان توریت، زبور، انجیل اور دیگر انبیاء کے صحیفوں کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ تسلیم کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ توریت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور داؤد علیہ السلام پر، اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر جس قرآن کی رو سے انہوں نے ان کتابوں کا کلام الٰہی ہونا جانا اُسی قرآن کی رو سے ان پر یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ بعد میں ان میں تحریفات واقع ہوئیں اور یہ اپنی ابتدائی اور اصلی صورت میں محفوظ نہ رہیں۔

غیر مسلم مذہبی طبقہ کے لئے البتہ اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ پہلے ان کتابوں پر تحقیقی نظر ڈالیں ان کی سرگذشت سنیں، ان کے ساتھ خود اہل کتاب اور اغیار نے جو سلوک کیا اس کی تفتیش کریں، ان کتابوں کے مضامین پر غور و خوض کریں پھر کوئی رائے ان کے متعلق قائم کریں۔

عہد عتیق موجودہ عہد عتیق میں انتالیس (۳۹) کتابیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ستّرہ کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں شامل تھیں مگر اب ان کا کہیں پتہ نہیں گو ان کے حوالے موجودہ بائبل میں اب بھی موجود ہیں تینتیس ۳۳ کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی زمانہ میں بائبل کے اس حصہ میں شامل تھیں مگر اب علماء اہل کتاب نے انہیں جعلی قرار دیکر عہد عتیق سے خارج کر دیا ہے۔ بعض کے نزدیک پچپن ۵۵ کتابیں ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں شامل تھیں مگر اب اس مجموعہ سے خارج ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل سے بعد میں بحث کی جائے گی۔ سردست اون خارجی واقعات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو اب تک بائبل کے ساتھ پیش آچکے ہیں،

سرگذشت توریت اب مسیحیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ توریت پندرہ سو برس قبل مسیح لکھی گئی۔ پیشتر وہ تمام وکمال ایک جلد میں تھی۔ لیکن بقول علمائے عیسوی جب بہتر (۷۲) علمائے ۲۸۵ قبل مسیح میں توریت کا ترجمہ عبرانی سے یونانی زبان میں کیا تو اس ایک کتاب کو پانچ مختلف کتابوں میں تقسیم کر دیا:۔

(۱) پیدایش۔ (۲) خروج۔ (۳) احبار۔ (۴) گنتی۔ (۵) استثنار۔ باب و آیات کی تفصیل مسیح کے بارہ سو چالیس سال بعد کار ونُل ہو گونے کی مگر یہ تقسیم کامل نہیں۔ کیونکہ کہیں کہیں معانی کے لحاظ سے اس تفصیل میں ربط باہمی نظر نہیں آتا اور اسی بنا پر طالب علموں کو عیسائی معلمین کی جانب سے ہدایت کی جاتی ہے کہ ان کتابوں کو پڑھیں تو اپنے کو آیات کی قید میں مقید نہ رکھیں بلکہ ہر بات کو حقیقی معنی و ربط کے مطابق دریافت کریں۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی کہ علمار یہود و نصاریٰ نے خود توریت کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کن کن شکلوں اور صورتوں میں اُسے تبدیل کیا۔ یہاں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت نے اس کتاب کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور خارجی مصیبتیں اس پر کیا کیا نازل ہوئیں۔ متعدد بار توریت کے لکھے ہوئے نسخوں پر ایسی ایسی شدید آسمانی بلائیں نازل ہوئیں کہ یہ کتاب بار بار گم ہوئی اور مدتہائے دراز تک لوگوں کی نظروں سے مخفی رہی۔ ذرا تفصیل سنئے:۔

توریت کی پہلی بربادی بقول مسیحی مصنفین کے توریت کی پہلی گم شدگی ۶۹۸ قبل مسیح منسّی بادشاہ یہود کے عہد میں واقع ہوئی (دیکھو "احوال کتاب مقدس" حصہ اول۔ باب ۴۸ ۔ صفحہ ۱۱۷۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۰ء) تقریباً پچھتر (۷۵) برس کی مفقود الخبری کے بعد ۶۲۴ قبل مسیح بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اچانک اعلان کیا کہ اس نے ہیکل یروشلم میں توریت کی کتاب پائی جس وقت بادشاہ نے اس کتاب کو پڑھوایا تو گھبرا کر اپنے کپڑے پھاڑ دے (دیکھو دوم سلاطین باب ۲۲ ۔ آیات ۸ تا ۱۱)۔

اگرچہ عیسائی مصنفین توریت کے پہلی بار گم ہونیکا زمانہ عہد منسی کو قرار دیتے ہیں مگر بائبل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ منسی نے اگر اپنی بدکاری اور بت پرستی کے دور میں توریت کو غائب کیا بھی ہوتا تو وہ تائب ہونے کے بعد اُسے ضرور ظاہر کر دیتا اور اُس کے تائب ہونے کی تشریح بائبل میں موجود ہے۔ (دیکھو دوم تاریخ۔ باب ۳۳) صحیح تر تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۱ قبل مسیح رحبعام شاہ یہود کی سلطنت کے پانچویں سال سیسق شاہ مصر نے جب یروشلم پر چڑھائی کی اور ہیکل اور یہودی بادشاہ کے گھر کو لوٹا اس وقت توریت ضائع ہوئی۔ اس حساب سے قریب تین سو برس تک توریت غائب رہی (دیکھو اول سلاطین باب ۱۴۔ آیات ۲۵ و ۲۶)۔

بہرحال توریت لوگوں سے ۴۷ یا ۵۷ برس غائب رہی ہو یا قریب ۳۰۰ برس کے اس میں شک نہیں کہ جب کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اُس کے دوبارہ ہاتھ آنے کا اعلان کیا تو قوم میں اس وقت ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو مضامین توریت سے آگاہ ہوتا اور اس امر کی تصدیق کر سکتا کہ اصلی توریت ہاتھ آئی ہے یا کوئی اور کتاب جو غلطی سے توریت سمجھ لی گئی ۔ اس نتیجہ پر آنے کے متعدد اور نہایت قوی وجوہ موجود ہیں۔

اگلے زمانہ میں فن طباعت ایجاد نہ ہوا تھا۔ نہ کاغذ کا وجود تھا۔ پتھر، سیسے، یا لکڑی کے تختوں پر عبارتیں کندہ کی جاتی تھیں۔ کلدانی اور بابلی مٹی کی تختیاں بنائی جاتی تھیں اور اُن پر ایک قسم کا رنگ پھیر کر انہیں آگ میں پکالیا جاتا تھا۔ کالدیا بابل نینوا اور مصر میں لوگ انہیں الواح پر شاہی فرامین قوانین سلطنت، اور مختلف علوم و فنون کے متعلق معلومات لکھ لیا کرتے تھے۔ مصریوں نے نیستان وادی نیل کی ایک خاص قسم کی نئے کے مغز سے ایک کاغذ تیار کیا تھا جسے وہ "پاپرس" کہتے تھے۔ مصر، شام اور یونان میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ لیکن جب مصریوں نے اس کاغذ کا اپنے ملک سے ممالک غیر کے لئے نکاس بند کر دیا تو ممالک غیر کے باشندوں نے چمڑے کو صاف کر کے اس پر لکھنا شروع کیا

اس قسم کے چمڑے کو "پارچمنٹ" کہتے ہیں۔ ولادت مسیح سے ایک صدی قبل تک "پارچمنٹ" کا رواج رہا اور صحائف اسی پر لکھے جانے لگے لیکن چونکہ یہ کاغذ قیمتی ہوتا تھا جدید نسخوں کی تحریر کے لئے اکثر قدیم نسخے چھیل ڈالے جاتے تھے یا پرانی روشنائی کو دھو کر جدید تحریر کے لئے چرمی کاغذ صاف کر لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد خس کی وصلی ایجاد ہوی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں روئی اور ریشم سے کاغذ تیار ہونے لگا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنایا گیا۔ ابتدائی زمانہ میں کتابیں کاغذ کے ایک ہی طرف لکھی جاتی تھیں اور لپیٹکر رکھی جاتی تھیں۔ جن کے کھولنے کے لئے بڑی سی جگہ کی ضرورت ہوتی تھی بعد میں مربع اوراق پر دو طرفہ لکھنے کی رسم جاری ہوی ہے۔ لوہے کے ڈھلے ہوے حروف کے ذریعہ طباعت کا فن یورپ میں پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں ایجاد ہوا، اور پتھر کی چھپائی یعنی لیتھوگرافی اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں ایجاد ہوی۔

مندرجہ بالا حالات کی بنا پر اگلے زمانہ میں کتابوں کا لکھنا اور انہیں حفاظت سے رکھنا بہ نسبت زمانہ حال کے بہت ہی زیادہ دشوار تھا۔ کتابوں کی نقلوں کی وہ کثرت نہ تھی جو آجکل دیکھنے میں آتی ہے۔ ہر کتاب کے نسخے بہت ہی محدود ہوتے تھے اور وہ بھی بڑی دقت سے تیار کئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ توریت کے نسخوں کی بھی اس زمانہ میں وہ کثرت نہیں ہو سکتی جو آجکل طباعت کی آسانیوں کی بدولت بائیبل کے نسخوں کی نظر آرہی ہے خود بائیبل کے مضامین توریت کے نسخوں کی اس زمانہ میں انتہائی قلت پر دلالت کرتے ہیں۔ جو بات یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے یہ ہے کہ صرف ہیکل میں ایک نسخہ توریت کا رہتا تھا اور تمام بنی اسرائیل وہیں آکر اسے سن لیا کرتے تھے اور وہ بھی ہر سال نہیں بلکہ سات سال کے بعد توریت سکو سنائی جاتی تھی (دیکھو استثنار۔ باب ۳۱۔ آیات از ۹ تا ۱۳ و ۲۶ و نحمیاہ۔ باب ۸)۔

توریت کے نہ حافظون کا وجود تھا نہ اس کی کثرت تلاوت کا بنی اسرائیل کو ذوق، نہ اس ذوق کا کوئی سامان۔ بنی اسرائیل کے عام لوگوں کی شرارت اور فتنہ پردازی سے موسیٰ علیہ السلام

خوب اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے توریت کا نسخہ اپنے جانشین یوشع علیہ السلام کو دیا تھا۔ اور فرما دیا تھا کہ اسے ہر ساتویں برس لوگوں کو سنا دیا کریں۔ استثنا رباب ۱۷ - آیت ۱۸ - میں یہ بھی لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ہر بادشاہ توریت کی ایک نقل اپنے پاس رکھا کرے۔ مگر اس حکم کی تعمیل جاری نہ رہی یا جاری نہ رہ سکی۔ یوشع علیہ السلام کے بعد اکثر اسرائیلی بادشاہ اور امرا بت پرست بن گئے، کاہن شراب خور رہ گئے، اور ساری قوم شدید بدکاری میں مبتلا ہو گئی۔ بلکہ بائبل کے بعض مقامات میں تو معاذ اللہ انبیائے بنی اسرائیل کی بھی شان میں ایسے اتہامات اور گستاخانہ کلمات پائے جاتے ہیں جن سے کوئی مسلمان اتفاق نہیں کر سکتا۔ بہر حال بحیثیت مجموعی قوم بنی اسرائیل کی بے ہودگیاں اور بدکاریاں اس حد تک پہنچ گئیں تھیں کہ قوم سے توریت کی حفاظت نہ ہو سکی اور توریت کا کوئی نسخہ نہ ہیکل میں محفوظ رہ سکا نہ بادشاہ کے پاس چنانچہ جب کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے توریت کا نسخہ یوسیاہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو بادشاہ اور ساری قوم کے لوگ مضامین توریت سے اتنے ناواقف تھے کہ مدت کی لکھوئی ہوئی توریت کے مضامین سن کر سب کے سب گھبرا گئے اور بادشاہ نے بدحواسی میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ "تعلیم الایمان" مطبوعہ امریکن مشن عیسائیوں کی ایک مستند کتاب ہے جسے پادری رو ڈلف صاحب نے اپنے اہتمام سے عیسائی عالم و بزرگ ڈاکٹر جان ککڈول صاحب کی انگریزی زبان میں تصنیف کردہ کتاب سے اردو میں ترجمہ کرایا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر صراحت سے یہ ذکر موجود ہے کہ:-

"منسی اور اموں بت پرست بادشاہوں کے عہد میں بائبل کی نقلوں کی اس قدر قلت ہو گئی کہ یوسیاہ بادشاہ نے اپنے سن جلوس کے اٹھارویں برس تک اس کی ایک جلد بھی نہ دیکھی"۔

جب واقعات یہ تھے تو کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ خلقیاہ نے جس کتاب کو پیش کیا وہ حقیقتاً توریت

ہی تھی شریعت موسوی کی رو سے بھی اس تصدیق کے لئے کم از کم دو یا تین گواہوں کی ضرورت تھی (دیکھو استثنار۔ باب ۱۹۔ آیۃ ۱۵) یا تو دو تین شخص ایسے ہوتے جو توریت کے حافظ ہوتے اور گواہی دیتے کہ خلقیاہ کی لائی ہوئی کتاب اصلی توریت سے مطابقت رکھتی ہے۔ یا دو تین گواہ ایسے ہوتے جن کے سامنے خلقیاہ کو وہ کتاب اس طور سے ہاتھ آتی کہ اُس کی صداقت میں کسی شبہ کی گنجایش باقی نہ رہتی۔

یہاں یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ دشمنوں کی برباد کی ہوئی کتاب ۵۰۰ یا قریب ۳۰۰ برس کے بعد خلقیاہ کے ہاتھ کیونکر آگئی۔ اگر کسی خیر خواہ نے اُسے دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے چھپا رکھا تھا تو وہ اُسے اپنے گھر میں رکھتا نہ یہ کہ ہیکل میں کہیں اِدھر اُدھر پھینک دیتا اور وہ اتنی مدت تک سلامت رہتی۔ اگر بت پرست بادشاہوں نے اُسے کینہ سے چھپانا چاہا تھا تو اُس کا جلا دینا آسان تھا بہ نسبت اُسے زمین میں دفن کر دینے کے۔ اگر زمین ہی میں دفن کیا تھا جیسا کہ اکثر عیسائی مصنفوں کا خیال ہے تو اتنی مدت تک زمین میں دفن کی ہوئی چیز بالخصوص ایک کتاب خاک کیوں نہ ہوگئی اگر ساری کتاب نہیں تو چند اوراق ہی اُس کے بوسیدہ اور ضائع ہوگئے ہوتے۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ اس مدت دراز تک کتاب کے بے احتیاط اور لامعلوم طور پر پڑے رہنے کے بعد بھی اُس کے ایک لفظ کے جاتے رہنے کا بھی اہل کتاب اقرار نہیں کرتے۔ اگر زمین میں اُسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ بے پروائی کے ساتھ اُسے ہیکل میں کہیں ڈال دیا گیا تھا تو ہیکل کا ایسا کونسا مقام تھا جہاں سالہائے دراز تک وہ کتاب محفوظ پڑی رہی اور ہیکل کے سینکڑوں ہزاروں خدمتگاروں نے اسے نہ دیکھا۔

ان جملہ امور پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ خلقیاہ کی پیدا کردہ توریت موسی علیہ السلام کی توریت نہ تھی۔ یہ توریت کی پہلی بربادی کا قصہ ہے۔

توریت کی دوسری بربادی تقریباً چھ سو برس قبل ولادت مسیح بخت نصر تاجدار بائبل نے سلطنت یہود پر حملہ کیا۔ یہودیوں کو بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ جو قتل سے بچے انھیں قید کرکے لیگیا اور

بابل میں اسیر رکھا۔ زندہ یہودیوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس اسیری سے بچ رہا ہو۔ یرمیاہ باب ۴۴ میں اس واقعہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

”رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم نے یہ ساری بلائیں جو میں نے یروشلم اور یہوداہ کے سارے شہروں پر نازل کیں دیکھیں اور دیکھو وے آج کے دن ویران ہیں اور ان میں ایک بسنے والا بھی نہیں۔“

دوم تواریخ باب ۳۶ میں یہی واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

”لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹے میں اڑایا اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔ تب وہ کسدیوں کے بادشاہ کو اُنپر چڑھا لایا۔ اُسنے اُن کے مقدس گھر میں اُن کے جوانوں کو تلوار سے مار ڈالا اور اُس نے نہ کنوارے پر نہ کنواری پر اور نہ بوڑھوں پر بلکہ اُس پر بھی جو بہت بوڑھا تھا رحم نہ کیا۔ خدا نے سب اُسکے قابو میں کر دیا اور وہ خدا کے گھر کے سارے چھوٹے بڑے باسنوں کو اور خدا کے گھر کے خزانے کو اور بادشاہ کے اور اس کے امیروں کے خزانے کو سب کے سب بابل لیگیا۔ اور انہوں نے خدا کے گھر کو جلادیا اور یروشلم کی دیوار کو ڈھا دیا اور اُس کے سارے محلوں کو آگ سے جلادیا اور اُس کی ساری قیمتی چیزوں کو برباد کیا۔ اور وہ انہیں جو تلوار سے بچے بابل کو اسیر کر کے لے گیا اور وہاں وے اُس کے اور اُس کے بیٹوں کے غلام رہے جبتک کہ فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی۔“

یہ لوگ ستر (۷۰) برس بابل میں اسیر رہے۔ جب وہاں سے آزاد ہوئے تو اپنی مادری

زبان تک بھول چکے تھے اور کلدانی زبان کے علاوہ جو نواح بابل میں رائج تھی کسی دوسری زبان سے آشنا نہ تھے۔

اس تباہی کا وقوع بسنہ ۶۰۶ قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل خلقیاہ کی پیش کردہ توریت توریت کا نسخہ عبادتخانہ میں رہتا تھا۔ مگر جب بخت نصر نے ہیکل کو لوٹا اور جلایا تو وہ نسخہ بھی ضائع ہو گیا چنانچہ بنی اسرائیل کے بابل سے واپس آنے کے بعد توریت کی تالیف جدید کی ضرورت پیش آئی اور بقول عیسائی علماء کے عزرا کاہن نے صدر مجلس کے مشورہ سے قریب سنہ ۴۵۰ قبل مسیح جدید توریت کو مرتب کرنا شروع کیا۔ توریت کی اس دوسری بربادی کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد جب از سر نو کتاب کی تیاری شروع ہوئی تو کتاب تیار کرنیوالوں نے کچھ اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے کچھ دوسروں کے زبانی بیان پر بھروسہ کر کے جو کچھ فراہم ہو سکا اُس سے توریت کو ایک تصنیف جدید کی صورت میں لکھنا شروع کر دیا۔ اُس وقت اگر توریت کا ایک نسخہ بھی کہیں سے ہاتھ آگیا ہوتا تو اس کی نقل بآسانی ہو سکتی تھی تصنیف جدید کے طور پر اُسے لکھنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی۔ یہ توریت کی دوسری بربادی کا قصہ ہے۔

اسی اسیری بابل کے زمانہ سے یا اس سے بھی پیشتر سے عہدنامے کا وہ صندوق بھی توریت کی طرح گم اور لاپتہ ہے جس میں دو لوحیں جو جناب الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو لکھدی تھیں اور من کا ایک مرتبان اور ہارون علیہ السلام کا عصا جس میں شاخیں پھوٹتی تھیں اور دیگر تبرکات رہتے تھے اور جسے بنی اسرائیل اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ بلکہ توریت کا گم ہونا عہدنامے کے صندوق کے گم ہونے سے بھی قبل سے ثابت ہے۔

توریت کی تیسری بربادی ولادت مسیح سے ایک سو ستر برس قبل انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹیوکس نے یہودیوں کے مذہب اور اُن کی جداگانہ قومیت کو مٹانے کی غرض سے یروشلم پر بار بار حملے کئے

ہیکل کو بے حرمت کیا۔ مقدس صحیفوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلا یا۔ یہودیوں کو بت پرستی پر مجبور کیا جس نے بت پرستی کی رسوم سیکھنے سے انکار کیا اُسے بڑی اذیت سے قتل کیا۔ جن لوگوں نے بادشاہ کے اعلان کو نہ مانا اُن میں سے جتنے گرفتار ہوئے قتل کئے گئے۔ یکدفعہ چالیس ہزار یہودی قتل ہوئے اور اتنے ہی غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ ہیکل کا قیمتی نفیس اسباب جس کی قیمت کا تخمینہ چار کروڑ انسٹھ لاکھ ساٹھ ہزار کیا گیا ہے لوٹ لیا گیا۔ بادشاہ انیٹوکس کے سپہ سالار اپلونیوس نے ایک مرتبہ یوم السبت کو جبکہ سب یہودی عبادت کے لئے ہیکل میں جمع تھے قتل عام شروع کر دیا یہانتک کہ اُن لوگوں کے سوا جو پہاڑوں میں بھاگ گئے یا غاروں میں جا چھپے کوئی سلامت نہ بچا۔ اس موقع پر فوجی سپاہیوں نے سارے شہر کا مال لوٹ لیا اور متعدد مقامات پر آگ لگادی۔ عالیشان عمارات کو توڑ کر اور شہر پناہ کی دیوار کو گرا کر کوہ عکہ پر ایک مضبوط قلعہ بنایا گیا اور اُس پر جو سپاہ متعین ہوئے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ ہیکل میں عبادت کے لئے آنے کی جرأت کریں انہیں بیدریغ جان سے مار دیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہیکل کو جوپیٹر کا مندر بنا دیا اور اُس دیوتا کی سنگین مورت کو سوختنی قربانی کے مذبح پر کھڑا کیا (دیکھو عیسائی تصنیف "مفتاح الکتاب" مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۳۴ وصفحہ ۱۳۵)۔

متعدد عیسائی مورخین نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انیٹوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہد عتیق کے جس قدر نسخے اسے دستیاب ہوئے انہیں پھاڑ کر جلا ڈالا۔ اور حکم دیدیا کہ جس کے پاس اس کتاب کا کوئی نسخہ نکلے یا جو شخص رسم شریعت کو بجا لائے وہ قتل کر دیا جائے چنانچہ اس کی تعمیل ماہانہ تفتیش کے بعد برابر ہوتی رہی۔

یہ تیسری بربادی ہے جو کہ توریت بلکہ جملہ کتب عہد عتیق کی وقوع میں آئی۔ اس فتنے کے فروع ہونے کے بعد جب یہوداہ مقابیس نے ۱۶۵ ق م قبل مسیح میں ہیکل کی مرمت شروع کی اُس وقت اُسنے توریت

وغیرہ کی ایک نقل کسی نہ کسی طرح پیدا کر کے ہیکل میں رکھی۔

توریت کی چوتھی بربادی ۷۰ء میں طیطس (ٹائٹس) شہزادہ روم نے یروشلم کو فتح کر کے غارت کر دیا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کر ڈالا۔ ہزاروں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ تخمینہ ہے کہ کل تیرہ لاکھ ستاون ہزار چھ سو ساٹھ (۱۳۵۷۶۶۰) یہودی اس بلائے عظیم کا شکار ہوے۔ اور توریت تو ایسی بے نام و نشان ہوگئی کہ اب تک اہل کتاب کو یہ گمان ہے کہ اُسے دار السلطنت روم میں پہنچا دیا گیا لیکن یہ گمان ہی گمان ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ کیونکہ جب ہیکل کی آتشزدگی کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور لاکھوں مقتولوں کے خون کا سیلاب انسانی ہوش و حواس کو بہائے لیا جاتا تھا اور حرب و ضرب نے شور قیامت برپا رکھا تھا۔ اُس وقت اتنی فرصت کسے تھی جو اس دہکتی ہوی آگ کے شعلوں میں سے ایک کتاب کو بچا نکالتا۔ پادری مریک "کشف الآثار فی القصص الانبیائے بنی اسرائیل" مطبوعہ ایڈن برگ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ ہیکل کی اس آگ میں چھ ہزار آدمی جل کر ہلاک ہوے۔ پادری اسکاٹ صاحب اپنی رومن تفسیر کے صفحہ ۱۸۵ پر لکھتے ہیں کہ :-

> لڑائی سے پیشتر طیطس نے چاہا کہ اُس کو (یعنی شہر کو) اور خاص کر ہیکل کو بچائے اور اس لئے اُس نے یوسف مورخ کو کئی بار یہودیوں کے پاس بھیجا کہ اپنی بغاوت کو چھوڑ دو اور شہر میرے قبضہ میں کر دو میں تم کو معاف کر دونگا اور تمہارا شہر غارت نہ ہوگا۔ مگر یہودیوں نے اس گھمنڈ پر بھروسہ کر کے کہ خدا ہمارے طرف ہے اور ہماری شہر پناہ بھی مضبوط ہے اُس کی نہ سُنی اور یہاں تک بڑی جانفشانی اور ہمت سے اس کا مقابلہ کیا کہ آخر کو جب شہر اُسکے قبضہ میں آیا تب رومی سپاہ بہت غصہ ہو کر رک نہ سکی اور شہر میں پہنچکر مرد و عورت سبوں کو مار ڈالا اور گھروں میں آگ لگا دی پھر یہودی

لوگ جو پناہ کے لئے ہیکل میں بھاگ گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ نہ بچیگا۔
تب آپ نئی برامدوں میں آگ لگا دی۔ اُس وقت رومی فوج حملہ کرکے ہیکل میں
گھس پڑی اور ایک سپاہی نے بغیر حکم کے ایک مشعل خاص ہیکل کے اندر پھینکی تب
جلد اُس میں آگ لگ اُٹھی طیطس نے اس کے بجھانے کا حکم کیا لیکن اُس زور شور
کی ہلچل میں کون کسکی سنتا تھا۔ سپاہیوں نے ہیکل پر دھاوا کر دیا اور کسی طرح رک نہ سکے"
اس قیامت خیز ہنگامے میں توریت نہ کسی یہودی کے ہاتھ آسکتی تھی نہ پائے تخت روم میں
منتقل ہوسکتی تھی۔ وہ شعلوں ہی کی نذر ہوئی۔ یہ توریت کی چوتھی بربادی کے واقعات ہیں۔

توریت کی پانچویں بربادی واقعات مندرجہ بالا کے تقریباً ۶۰ سال بعد قیصر ہڈرین کے عہد میں یہودیوں
کی پھر شامت آئی اور انہوں نے جابجا اپنا اجتماع کرکے رومیوں کے ساتھ پھر ایک جان توڑ مقابلہ کیا مگر
شکست کھائی۔ قریب پانچ لاکھ کے قتل ہوے۔ بقیہ لوگ شہر سے نکالے گئے اور یروشلم کے ویران کھنڈروں
میں بھی اُنہیں آنے کی اجازت نہ ملی۔ رومیوں کو اُس شہر میں بسا دیا گیا اور ہیکل یعنی بیت المقدس کو
مسمار کرکے وہاں ہل چلوا دیے گئے پھر اُس جگہ جوپیٹر دیوتا کا ایک مندر کھڑا کر دیا گیا اور کوہ کلوری
پر وینس دیوی کی مورت رکھدی گئی۔ شہر تک کا نام بدلکر ایلیہ رکھدیا گیا۔
اس سلسلے میں توریت کی پانچویں تباہی واقع ہوئی۔

توریت کی چھٹی بربادی ۳۰۰ء کے قریب جبکہ رومیوں پر شمال کی جانب سے آئی ہوئی وحشی
قوموں نے غلبہ حاصل کر لیا تو موسویت اور مسیحیت کی انتہا درجہ کی بیخکنی ہوئی۔ یہ قومیں بت پرست اور
پرلے درجے کی جاہل اور وحشی تھیں۔ جہاں جہاں انکا غلبہ ہوا مدرسوں کتبخانوں علم اور دین کے
مکتوبات اور نوشتوں پر تباہیاں اور آتشزدگیاں اور بربادیاں نازل ہوتی گئیں بلکہ ایک مدت تک ہر طرف
تاریکی ہی تاریکی پھیلتی گئی اور پرانے ادیان و مذاہب کی بیخکنی ہوتی رہی حتیٰ کہ دفعتاً عرب میں

آفتاب محمدی طلوع ہوا جس نے یک بیک سارا نقشہ بدل دیا۔

متذکرہ بالا وحشی قوم کے دورِ جہالت میں توریت پر چھٹی مرتبہ تباہی نازل ہوئی۔

توریت کی ساتویں بربادی | ۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کرکے اسے لے لیا اور نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور عیسائیوں کے تمام گرجا گھروں اور متبرک مکانوں کو حتی المقدور ڈھا دیا۔ (دیکھو عیسائی تصنیف "الکتاب کے مقامات المعروف" مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۹ و ۲۰)۔

اس سلسلہ میں توریت کی ساتویں مرتبہ تباہی واقع ہوئی۔ اس موقعہ پر اور اس سے قبل کے موقعہ پر توریت کے ساتھ تباہی میں انجیل بھی شامل ہوگئی و نیز عہد عتیق و عہد جدید کے دیگر صحائف بھی۔

توریت کی آٹھویں بربادی | اس کتاب کی متذکرہ بالا تباہیاں تو وہ ہیں جو اغیار کے ہاتھ سے ہوئیں مگر خود یہودیوں نے بھی اپنی کتابوں کے برباد کرنے میں کمی نہیں کی۔ چنانچہ اس نوع کی بربادیوں کو بحیثیت مجموعی ہم توریت کی آٹھویں بربادی قرار دیتے ہیں۔ پادری گریز اسمتھ صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہوگئیں اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے مذہب دینی بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا دیا۔"

ڈاکٹر کنی کاٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ عہد عتیق کے تمام عبرانی قلمی نسخے جن کا موجود ہونا ہمکو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ساون برس کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ تمام قلمی نسخے جو سات سو یا آٹھ سو برس پیشتر کے لکھے ہوئے تھے یہودیوں کی سینٹ یعنی مجلس امراء کے بعض حکموں کے بموجب معدوم کر دیے گئے تھے بوجہ اس کے کہ ان نسخوں میں بہت اختلاف تھا ان نسخوں کے ساتھ جو اس زمانہ میں خالص گنا جاتا تھا بشپ والٹن صاحب بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سبب سے چھ سو برس کے نسخے ہمارے پاس چند ہیں اور سات سو یا آٹھ سو برس کے نسخے بہت کمیاب ہیں۔

خود اہل کتاب نے بائبل کیساتھ جو سلوک کیا ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ اشاعتوں میں کی جائیگی۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۱۰)

ایمان

اب تک ایمانیات خمسہ پر بحیثیت مجموعی نظر کی گئی ہے اب تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ ان پانچوں امور میں سے ہر ایک کے متعلق اسلام نے کیا عقاید پیش کئے ہیں؟ ہر عقیدہ کی ضرورت و مصلحت کیا ہے؟ انسان کی قوت فکری پر اس کا کیا اثر مترتب ہوتا ہے؟ اور ذہن میں اس کے جم جانے سے کس طرح ایک صالح اور نہایت مستحکم سیرت کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہے

۱۔ ایمان باللہ

ایمان باللہ کی اہمیت اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز ایمان باللہ ہے۔ باقی جتنے اعتقادات و ایمانیات ہیں سب اسی ایک اصل کی فرع ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور تمدنی قوانین ہیں سب اسی مرکز سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے۔ اس کا مصدر اور مرجع خدا کی ذات ہے۔ ملائکہ پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے ملائکہ ہیں، کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کی نازل کی ہوئی ہیں، رسولوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں، یوم آخر پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے انصاف کا دن ہے۔ فرائض۔ اس لئے فرائض ہیں کہ خدا نے ان کو مقرر کیا ہے حقوق اس لئے حقوق ہیں کہ وہ خدا کے حکم پر مبنی ہیں اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کی جانب سے ہیں۔ غرض ہر چیز جو اسلام میں ہے، خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل، اس کی بنا صرف ایمان باللہ پر قائم ہے۔ اس ایک چیز کو الگ کر دیجئے، پھر نہ ملائکہ کوئی چیز ہیں، نہ یوم آخر، نہ رسول اتباع کے مستحق ٹھیرتے ہیں نہ ان کی لائی ہوئی کتابیں نہ فرائض و طاعات میں کوئی معنویت باقی رہ جاتی ہے۔

نہ حقوق و واجبات ہیں، نہ اوامر و نواہی کسی قوت نفاذ کے حامل رہتے ہیں، اور نہ ضوابط و قوانین۔ اس ایک مرکز کے ہٹتے ہی یہ سارا کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ بلکہ سرے سے اسلام ہی کسی چیز کا نام نہیں رہتا۔

ایمان باللہ کا تفصیلی عقیدہ | یہ عقیدہ جو اس عظیم الشان فکری و عملی نظام میں مرکز اور منبع قوت کا کام دیتا ہے، محض اسی قدر نہیں ہے کہ "اللہ تعالیٰ موجود ہے" بلکہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک مکمل اور صحیح تصور (جس حد تک انسان کے لئے ان کا تصور ممکن ہے) رکھتا ہے، اور اسی تصور صفات سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انسان کی تمام فکری اور عملی قوتوں پر محیط اور حکمران ہو جاتی ہے۔ محض ہستی باری کا اثبات وہ چیز نہیں ہے جسے اسلام کی امتیازی خصوصیت کہا جا سکتا ہو۔ اس لئے کہ دوسری ملل و نحل نے بھی کسی نہ کسی طور سے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا ہے۔ البتہ جس چیز نے اسلام کو تمام مذاہب و ادیان سے ممتاز کر دیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس نے صفات باری کا صحیح، مکمل اور مفصل علم بخشا ہے، اور پھر اسی علم کو ایمان بلکہ اصل ایمان بنا کر اس سے تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق، تنظیم اعمال، نشر خیر و منع شر، اور بنائے تمدن کا اتنا بڑا کام لیا ہے، جو دنیا کے کسی مذہب و ملت نے نہیں لیا۔

ایمان باللہ کی مجمل صورت جس کے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کو دخولِ اسلام کی پہلی اور لازمی شرط قرار دیا گیا ہے، کلمہ لا الہ الا اللہ ہے یعنی دل سے اس امر کی تصدیق اور زبان سے اس امر کا اعتراف کہ "الٰہ" بجز اس ایک ہستی کے اور کوئی نہیں ہے جس کا نام اللہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ "الوہیت" کو کائنات کی جملہ اشیاء سے سلب کر کے صرف ایک ذات کے لئے ثابت کیا جائے، اور ان تمام جذبات، تخیلات، اعتقادات اور عبادات و طاعات کو جو "الوہیت" کے لئے مخصوص ہیں، اسی ایک ذات سے متعلق کر دیا جائے۔ اس مجمل کلمہ کے اجزاء ترکیبی تین ہیں۔

ایک الوہیت کا تصور۔

دوسرے تمام اشیاء سے اس کی نفی۔

تیسرے صرف اللہ کے لئے اس کا اثبات۔

قرآن مجید میں خدا کی ذات وصفات کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ سب انہی تینوں امور کی تفصیل ہے۔

اولاً اس نے "الوہیت" کا ایک ایسا مکمل اور صحیح تصور پیش کیا ہے جو دنیا کی کسی کتاب اور کسی مذہب میں ہم کو نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ تمام قوموں اور ملتوں میں یہ تصور کسی نہ کسی طور پر موجود ہے، لیکن ہر جگہ غلط یا نامکمل ہے۔ کہیں "الوہیت" نام ہے محض اولیت اور واجبیت کا، کہیں اس سے محض مبدئیت مراد لی گئی ہے، کہیں اس کو قوت اور طاقت کا ہم معنی سمجھا گیا ہے کہیں وہ محض خوف اور ہیبت کی چیز ہے، کہیں وہ محض محبت کا مرجع ہے کہیں اس کا مفہوم محض رفع حاجات اور اجابت دعوات ہے پھر کہیں وہ قابل تجزیہ وتقسیم ہے، کہیں اس کو تجسیم اور تشبیہ سے آلودہ کیا گیا ہے، کہیں وہ اپنا کام کرکے معطل ہو چکی ہے، کہیں وہ آسمانوں پر متمکن ہے، اور کہیں وہ انسانی بھیس بدل کر زمین پر اتر آئی ہے ان تمام غلط یا ناقص تصورات کی تصحیح اور تکمیل جس کتاب نے کی ہے وہ صرف قرآن ہے۔ اسی کتاب نے الوہیت کی تقدیس وتمجید کی ہے اسی نے بتایا ہے کہ "الٰہ" صرف وہی ہو سکتا ہے جو بے نیاز، صمد اور قیوم ہو، جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، جو قادر مطلق اور حاکم علی الاطلاق ہو، جس کا علم سب پر محیط، جس کی رحمت سب پر وسیع، جس کی طاقت سب پر غالب ہو، جس کی حکمت میں کوئی نقص نہ ہو، جس کے عدل میں ظلم کا شائبہ تک نہ ہو، جو زندگی بخشنے اور وسائل حیات مہیا کرنے والا ہو، جو نفع وضرر کی ساری قوتوں کا مالک ہو، اس کی بخشش اور نگہبانی کے سب محتاج ہوں، اسی کی طرف تمام مخلوقات کی بازگشت ہو، وہی سب کا حساب لینے والا ہو، اور اسی کو جزا وسزا کا اختیار ہو۔ پھر یہ الوہیت کی صفات نہ تجزیہ وتقسیم کے قابل ہیں کہ ایک وقت میں بہت سے "الٰہ" ہوں اور وہ ان صفات یا ان کے ایک ایک حصہ سے متصف ہوں،

نہ یہ وقتی اور زمانی ہیں کہ کبھی ایک "آلہ" ان سے متصف ہو، اور کبھی نہ ہو، نہ یہ قابل انتقال کہ آج ایک "آلہ" میں پائی جائیں اور کل دوسرے میں۔

الوہیت کا یہ کامل اور صحیح تصور پیش کرنے کے بعد قرآن اپنے انتہائی زور بیان کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ کائنات کی جتنی اشیاء اور جتنی قوتیں ہیں ان میں سے کسی پر بھی یہ مفہوم راست نہیں آتا۔ تمام موجودات عالم محتاج ہیں، مسخر ہیں، کائن وفاسد ہیں، نافع وضار ہونا تو درکنار خود اپنی ذات سے ضرر کو دفع کرنے پر قادر نہیں ہیں، ان کے افعال اور ان کی تاثیرات کا سرچشمہ ان کی اپنی ذات میں نہیں ہے بلکہ وہ سب کی سب کہیں اور سے قوت وجود، قوت فعل اور قوت تاثیر حاصل کرتی ہیں، لہذا کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جو "الوہیت" کا شائبہ بھی، اپنے اندر رکھتی ہو، اور جس کو ہماری نیازمندیوں میں سے کسی ایک حصہ کا بھی حق پہنچتا ہو۔

اس نفی کے بعد وہ ایک ذات کے لئے "الوہیت" ثابت کرتا ہے جس کا نام اللہ ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ سب کو چھوڑ کر اسی پر ایمان لاؤ، اسی کے آگے جھکو، اسی کی تعظیم کرو اسی سے محبت کرو، اسی سے خوف کرو، اسی سے امید رکھو، جو کچھ مانگو اسی سے مانگو، ہر حال میں اسی پر توکل کرو، اور ہمیشہ یاد رکھو کہ ایک دن اس کے پاس واپس جانا ہے، اس کو حساب دینا ہے، اور تمہارا اچھا یا برا انجام اسی کے فیصلہ پر منحصر ہے۔

ایمان باللہ کے اخلاقی فواید صفات الٰہی کے اس تفصیلی تصور کے ساتھ جو ایمان باللہ انسان کے دل میں راسخ ہو جائے وہ اپنے اندر ایسے غیر معمولی فوائد رکھتا ہے، جو کسی دوسرے اعتقاد سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

وسعت نظر ایمان باللہ کا پہلا خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کے زاویہ نظر کو اتنا وسیع کر دیتا ہے جتنی خدا کی غیر محدود سلطنت وسیع ہے۔ انسان جب تک دنیا کو اپنے نفس کے تعلق کا اعتبار کرتے ہوئے

دیکھتا ہے اس کی نگاہ اسی تنگ دائرے میں محدود رہتی ہے جس کے اندر اس کی قدرت اس کا علم، اور اس کے مطلوبات محدود ہیں۔ اسی دائرے میں وہ پٹ پیے حاجت روا تلاش کرتا ہے، اسی دائرے میں جو قوت والے ہیں ان سے ڈرتا اور دبتا ہے اور جو کمزور ہیں ان پر فوقیت جتاتا ہے، اسی دائرے میں اس کی دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت، تعظیم اور تحقیر محدود رہتی ہے جس کے لئے بجز اس کے اپنے نفس کے اور کوئی معیار نہیں ہوتا۔ لیکن خدا پر ایمان لانے کے بعد اس کی نظر اپنے ماحول سے نکل کر تمام کائنات پر پھیل جاتی ہے۔ اب وہ کائنات پر اپنے نفس کے تعلق سے نہیں بلکہ خداوند عالم کے تعلق سے نگاہ ڈالتا ہے۔ اب اس وسیع جہان کی ہر چیز سے اس کا ایک اور ہی رشتہ قائم ہو جاتا ہے؛ اب اس کو ان میں کوئی حاجت روا، کوئی قوت والا . . . . . کوئی ضار یا نافع نظر نہیں آتا۔ اب وہ کسی کو تعظیم یا تحقیر، خوف یا امید کے قابل نہیں پاتا، اب اس کی دوستی یا دشمنی، محبت یا نفرت اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے . . . . ہوتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ میں جس خدا کو مانتا ہوں وہ صرف میرا یا میرے خاندان یا میری قوم ہی کا خالق اور پروردگار نہیں ہے بلکہ خالق السمٰوات والارض، اور رب العالمین ہے، اس کی حکومت صرف میرے ملک تک محدود نہیں بلکہ وہ مالک ارض و سما اور رب المشرق والمغرب ہے اس کی عبادت صرف میں ہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اُسی کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا (۳ : ۹) اور سب اُسی کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (۱۷ : ۵) اس لحاظ سے جب وہ کائنات کو دیکھتا ہے تو کوئی اس کو غیر نظر نہیں آتا، سب اپنے ہی اپنے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی ہمدردی، اس کی محبت، اس کی خدمت کسی ایسے دائرے کی پابند نہیں رہتی جس کی حد بندی اس کے اپنے نفس کے تعلقات کے لحاظ سے کی گئی ہو۔

پس جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔ اس کی وسیع المشربی کے لئے بین الملتی کی اصطلاح بھی تنگ ہے۔ اس کو تو حقیقت میں "آفاقی" اور "کائناتی" کہنا چاہئے۔

عزت نفس | پھر یہی ایمان باللہ انسان کو پستی و ذلت سے اٹھا کر خودداری و عزت نفس کے بلند ترین مدارج پر پہنچا دیتا ہے۔ جب تک اس نے خدا کو نہ پہچانا تھا، دنیا کی ہر طاقتور چیز، ہر نفع یا ضرر پہنچانے والی چیز، ہر شاندار اور بزرگ چیز کے سامنے جھکتا تھا اس سے خوف کھاتا تھا، اس کے آگے ہاتھ پھیلاتا تھا اس سے امیدیں وابستہ کرتا تھا۔ مگر جب اس نے خدا کو پہچانا تو معلوم ہوا کہ جن کے آگے وہ ہاتھ پھیلا رہا تھا وہ خود محتاج ہیں، یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ (۱۷: ۶) جن کی وہ بندگی کر رہا تھا وہ خود اسی کی طرح بندے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (۷: ۲۴) جن سے وہ مدد کی امیدیں رکھتا تھا وہ اس کی مدد تو درکنار آپ اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۔ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَا اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ (۷: ۲۴) حقیقی طاقت کا مالک تو خدا ہے، اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (۲: ۲۰) وہی حکمران اور صاحب امر ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۶: ۷) حامی و مددگار اس کے سوا کوئی نہیں وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (۲: ۱۳) مدد اسی کی جانب سے ہوتی ہے، وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ (۳: ۱۳) رزق دینے والا وہی ہے، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (۵۱: ۳) زمین و آسمان کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۲: ۲) مارنے اور جِلانے والا وہی ہے، اس کے اذن کے بغیر نہ کوئی کسی کو مار سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳: ۱۵) وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (۳: ۱۷) نفع و ضرر پہنچانے کی اصلی طاقت اسی کے ہاتھ میں ہے، وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (۱۰: ۱۱) یہ علم حاصل ہونے کے بعد وہ

تمام دنیا کی قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف ہو جاتا ہے۔ خدا کے سوا اس کی گردن کسی کے آگے نہیں جھکتی۔ خدا کے سوا اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا، خدا کے سوا کسی کی عظمت اس کے دل میں نہیں رہتی، اور نہ خدا کو چھوڑ کر وہ کسی دوسرے سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔

انکسار و تخشع لیکن یہ خودداری وہ جھوٹی خودداری نہیں ہے جو اپنی قوت، دولت، یا قابلیت کے گھمنڈ کا نتیجہ ہوتی ہے، یہ عزت نفس وہ عزت نفس نہیں ہے جو ایک بر خود غلط انسان میں نخوت، غرور اور تکبر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ نتیجہ ہے خدا کے ساتھ اپنے اور تمام موجودات عالم کے تعلق کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کا، اس لئے خدا پر ایمان رکھنے والے میں خودداری انکسار کے ساتھ، اور عزت نفس خشوع وخضوع کے ساتھ ہم رشتہ ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا کی طاقت کے سامنے میں بالکل بے بس ہوں۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (۶ : ۸) خدا کی فرمانروائی سے نکلنا میرے اور کسی ہستی کے بس میں نہیں ہے، يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا، لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۵۵ : ۳) میں کیا تمام عالم خدا کا محتاج ہے اور خدا بے نیاز ہے، وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (۴۷ : ۴) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے خدا کا ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (۲ : ۴۰) اور مجھے بھی جو نعمت ملی ہے خدا سے ملی ہے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (۱۶ : ۷) اس عقیدہ کے بعد غرور و تکبر کہاں رہ سکتا ہے ایمان باللہ کا تو خاصہ لازم یہ ہے کہ وہ انسان کو سراپا انکسار بنا دیتا ہے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلٰمًا (۲۵:۹)۔

خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جہلا ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو وہ سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں

غلط توقعات کا ابطال خالق اور مخلوق کے تعلق کی صحیح معرفت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ

اس سے ان تمام غلط توقعات اور جھوٹے بھروسوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو عدم معرفت کا نتیجہ ہیں، الو انسان خوب سمجھ لیتا ہے کہ اس کے لئے اعتقاد صحیح اور عمل صالح کے سوا فلاح و نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جو لوگ اس معرفت سے محروم ہیں۔ ان میں سے کوئی سمجھتا ہے کہ خدا کے کاموں میں بہت سے اور چھوٹے چھوٹے خدا بھی شریک ہیں، ہم ان کی خوشامد کر کے سفارش کرا لیں گے۔ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (۲:۱۰) کوئی سمجھتا ہے کہ خدا بیٹا رکھتا ہے اور اس بیٹے نے ہمارے لئے کفارہ بن کر نجات کا حق محفوظ کر دیا ہے، کوئی سمجھتا ہے کہ ہم خود اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (۵:۳) ہم خواہ کچھ کریں ہمیں سزا نہیں مل سکتی ایسی ہی اور بہت سی غلط توقعات ہیں جو لوگوں کو ہمیشہ گناہ کے چکر میں پھنسائے رکھتی ہیں، کیونکہ وہ ان کے بھروسہ پر اپنے نفس کی پاکیزگی اور عمل کی اصلاح سے غافل ہو جاتے ہیں لیکن قرآن جس ایمان باللہ کی تعلیم دیتا ہے اس میں غلط توقعات کے لئے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی قوم خدا کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتی، سب اس کے مخلوق ہیں اور وہ سب کا خالق بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (۵:۳) بزرگی اور اختصاص جو کچھ ہے تقویٰ کی بنا پر ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۹:۲) خدا نہ اولاد رکھتا ہے نہ کوئی اس کا شریک و مددگار ہے، لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ (۱۷:۱۲)۔ جن کو تم اس کی اولاد یا اس کا شریک سمجھتے ہو وہ سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۲:۴) کسی میں جرأت نہیں کہ اس کے اذن کے بغیر سفارش کرسکے مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲:۳۴) اگر تم نافرمانی کرو گے تو کوئی سفارشی اور کوئی مددگار تمہیں اس کی پاداش سے نہ بچا سکے گا۔ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (۱۳:۲)

رجائیت اور اطمینان قلب اسی کے ساتھ ایمان باللہ انسان میں ایک ایسی رجائی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو کسی حال میں مایوسی اور شکستہ دلی سے مغلوب نہیں ہوتی۔ مومن کے لئے ایمان امیدوں کا ایک لازوال خزانہ ہے جس سے قوت قلب و تسکین روح کی دائمی اور غیر منقطع رسد اس کو پہنچتی رہتی ہے۔ چاہے وہ دنیا کے تمام دروازوں سے ٹھکرا دیا جائے، سارے اسباب کا رشتہ ٹوٹ جائے وسائل و ذرائع ایک ایک کرکے اس کا ساتھ چھوڑ دیں، مگر ایک خدا کا سہارا اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا، اور اس کے بل پر وہ ہمیشہ امیدوں سے لبریز رہتا ہے۔ اس لیے کہ جس خدا پر وہ ایمان لایا ہے وہ کہتا ہے کہ میں تمہارے قریب ہوں اور تمہاری پکار کو سنتا ہوں۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲: ۲۳) مجھ سے ظلم کا خوف نہ کرو کہ میں ظالم نہیں ہوں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (۳: ۱۹) بلکہ میری رحمت کے امیدوار رہو کہ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (۷: ۹) میری رحمت سے مایوس تو وہ ہوتے ہیں جو مجھ پر ایمان نہیں رکھتے اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۱۲: ۱۰) رہا مومن تو اس کے لئے مایوسی کا کوئی مقام نہیں اگر اس نے کوئی قصور کیا ہو تو مجھ سے معافی مانگے، میں اس کو معاف کروں گا۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ (۴: ۱۶) اور قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ (۳۹: ۶) اگر دنیا کے اسباب اس کا ساتھ نہیں دیتے تو وہ ان پر بھروسہ چھوڑ کر میرا دامن تھام لے، پھر خوف و حزن اس کے پاس بھی نہ پھٹکے گا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (۴۱: ۴) میری یاد وہ چیز ہے جس سے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳: ۴)

صبر و توکل پھر یہی رجائیت ترقی کر کے صبر و استقامت اور توکّل علی اللہ کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتی ہے۔ جہاں مومن کا دل ایک سنگین چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے اور ساری دنیا کی مشکلیں، دشمنیاں، تکلیفیں، مضرتیں اور مخالف طاقتیں مل کر بھی اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں یہ قوت انسان کو بجز ایمان باللہ کے اور کسی ذریعے سے حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا اس کا بھروسہ ان مادی یا وہمی اسباب و وسائل پر ہوتا ہے جو خود کسی طاقت کے مالک نہیں ہیں۔ ان کے بل پر جینے والا گویا تارِ عنکبوت کا سہارا لیتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (۲۹: ۴۱) ایسے کمزور سہاروں پر جس کی زندگی کا مدار ہو اس کا کمزور ہو جانا تو یقینی ہے ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (۲۲: ۱۰) مگر جس کا بھروسہ خدا پر ہے جس نے خدا کا دامن تھام لیا ہے، اس کا سہارا ایسا مضبوط ہے کہ وہ کبھی ٹوٹ ہی نہیں سکتا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (۲: ۳۴)۔ اس کے ساتھ تو رب السمٰوٰت والارض کی طاقت ہے اس پر کونسی طاقت غالب آسکتی ہے؟ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (۳: ۷۰) اس کو تو تمام جہان کی مصیبتیں مل کر بھی صبر و ثبات پامردی و استقامت کے مقام سے نہیں ہٹا سکتیں کیونکہ اس کے نزدیک سب برا اور بھلا اللہ کی طرف سے ہے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۴: ۱۱) جو مصیبت بھی آتی ہے تقدیر الٰہی کے تحت آتی ہے اور اس کا ٹالنے والا بھی بجز اللہ کے کوئی نہیں ہے قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (۹: ۷)

انبیاء علیہم السلام نے جس فوق البشری قوت سے دنیا کی ہولناک مصیبتوں کا مقابلہ کیا

تن تنہا بڑی بڑی سلطنتوں اور طاقتور قوموں سے نبرد آزما ہوئے، اسباب دنیوی کے بغیر دنیا کو مسخر کرنے کا عزم لیکر اٹھے، اور مشکلات کے طوفانوں میں بھی اپنے مشن سے نہ ہٹے، وہ یہی صبر و توکل کی قوت تھی حضرت ابراہیم کو دیکھئے اپنے ملک کے جبار فرمانرواسے مناظرہ کرتے ہیں، بے خوف آگ میں کود پڑتے ہیں اور آخر اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهْدِیْنِ کہہ کر کسی سر و سامان کے بغیر وطن سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ہودؑ کو دیکھئے کس طرح عاد کی زبردست قوت کو چیلنج دیتے ہیں۔

فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ — تم سب مل کر اپنی چالیں چل دیکھو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میں تو اس خدا پر بھروسہ کر چکا ہوں جو میرا اور

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ — تمہارا رب ہے۔ کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا — چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔

(۱۱ : ۵)

حضرت موسیٰؑ کو دیکھیے۔ خدا کے بھروسے پر فرعون کی زبردست طاقت سے مقابلہ کرتے ہیں وہ قتل کی دھمکی دیتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ میں ہر متکبر کے مقابلہ میں اس کی پناہ لے چکا ہوں جو میرا اور تم سب کا رب ہے اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ (۴۰ : ۳) مصر سے نکلتے وقت فرعون اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہے ان کی بزدل قوم گھبرا کر کہتی ہے کہ دشمنوں نے ہمکو آلیا اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ مگر وہ انتہائی سکون قلب کے ساتھ کہتے ہیں ہرگز نہیں، اللہ میرے ساتھ ہے، وہی مجھ کو سلامتی کی راہ پر لگا دے گا۔ کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (۲۶ : ۴) سب سے آخر میں نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھئے۔ ہجرت کے موقع پر ایک غار میں تشریف رکھتے ہیں، صرف ایک رفیق ساتھ ہے، خون کے پیاسے کفار سر پر آپہنچے ہیں۔ مگر آپ اس وقت بھی مضطرب نہیں ہوتے۔ اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۹ : ۶) "ہرگز نہ گھبراؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" یہ ناقابل تسخیر قوت، یہ آہنی عزم، یہ پہاڑ کی سی استقامت، بجز ایمان باللہ

کے اور کس چیز سے حاصل ہو سکتی ہے؟

شجاعت | اسی سے ملتی جلتی ایک اور صفت بھی ہے جو ایمان باللہ سے غیر معمولی طور پر پیدا ہوتی ہے یعنی جرأت و بسالت اور شجاعت و شہامت۔ انسان کو دو چیزیں بزدل بناتی ہیں ایک محبت جو وہ اپنی جان، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال سے رکھتا ہے۔ دوسرے خوف جو نتیجہ ہے اس غلط اعتقاد کا کہ نقصان پہنچانے اور ہلاک کر دینے کی قوت در اصل ان اشیاء میں ہے جو محض آلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ ایمان باللہ ان دونوں چیزوں کو دل سے نکال دیتا ہے۔ مومن کے رگ و پے میں یہ اعتقاد سرایت کر جاتا ہے کہ خدا سب سے زیادہ محبت کا حق رکھتا ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲ : ۲۰) اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مال اور اولاد سب دنیا کی زینتیں ہیں جن کا کبھی نہ کبھی ضائع ہونا یقینی ہے۔ کبھی نہ ضائع ہونے والی چیز وہ ہے جو خدا کے ہاں ملے گی۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (۱۸ : ۶) دنیا کی زندگی تو محض چند روزہ ہے۔ اس کو ہم بچانے کی لاکھ کوشش کریں، موت بہرحال ایک دن آکر رہے گی۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ (۶۲ : ۱) اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (۴ : ۱۱) پھر کیوں نہ اس جان کو اس دائمی مسرت کی زندگی کے لئے قربان کر دیں جو اللہ کے ہاں ملیگی؛ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۳ : ۱۷) کیوں نہ دنیا کے چند روزہ لطف اور عارضی فائدوں کو اس خدا کی خوشی پر فدا کر دیں جو در اصل ہماری جان اور مال کا مالک ہے اور جو ان کے بدلے میں اس سے بہتر زندگی اور ان سے زیادہ حقیقی فائدے بخشنے والا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ (۹: ۱۴)

(۱) خوف تو مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نقصان پہونچانے اور ہلاک کرنے کی حقیقی قوت انسان یا حیوان، توپ یا تلوار، لکڑی یا پتھر میں نہیں ہے، بلکہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے تمام دنیا کی قوتیں مل کر بھی اگر کسی کو نقصان پہنچانا چاہیں اور خدا کا اذن نہ ہو، تو اس کا بال تک بیکا نہیں ہوسکتا وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲: ۱۲) موت کا جو وقت خدا نے لکھ دیا ہے اس سے پہلے کسی کے لائے موت نہیں آسکتی وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (۳: ۱۵) اور اگر موت کا لکھا ہوا وقت آن پہنچے تو پھر وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (۳: ۱۶) پس جب معاملہ یہ ہے تو لوگوں سے ڈرنے کے بجائے خدا سے ڈرنا چاہئے فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۳: ۱۸) وہی حقیقت میں ایسی ہستی ہے جس سے ڈرا جائے، وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ (۳۳: ۵) راہ خدا میں لڑنے سے جی چرانا تو ان کا کام ہے جن کے دل میں ایمان نہیں اس لئے کہ وہ خدا سے زیادہ بندوں سے ڈرتے ہیں، یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً (۴: ۱۱) ورنہ جو سچے مومن ہیں وہ تو دشمنوں کے دل بادل دیکھ کر بجائے ڈرنے کے اور زیادہ شیر ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کا بھروسہ دنیوی طاقت پر نہیں خدا پر ہے۔ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (۳: ۱۸)

قناعت و استغناء پھر یہی ایمان باللہ انسان کے دل سے حرص و ہوس اور رشک و حسد کے وہ رکیک جذبات بھی دور کر دیتا ہے جو اس کو طلب منفعت کے لئے ذلیل و ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر ابھارتے اور بنی نوع انسان کے درمیان فساد برپا کراتے ہیں۔ ایمان کے ساتھ انسان

میں قناعت اور استغنا پیدا ہوتا ہے وہ دوسروں سے مقابلہ یا منافست نہیں کرتا۔ ظلم و عدوان کی وادیوں میں دوڑ دھوپ نہیں کرتا۔ ہمیشہ باعزت طریقہ سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے اور جو تھوڑا یا بہت مل جاتا ہے اس کو خدا کی دین سمجھکر قناعت کرلیتا ہے۔ مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ (۳: ۸) رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔ (۱۳: ۳) حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے حکمران بنادے، إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (۷: ۱۵) عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عزیز بنادے اور جسے چاہے ذلیل کردے، تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (۳: ۳) پھر دنیا کا یہ نظام کہ عزت، دولت، قوت، حسن، ناموری، اور دوسرے مواہب کے اعتبار سے کوئی گھٹا ہوا ہے اور کوئی بڑھا ہوا، دراصل خدا ہی کا قائم کردہ ہے خدا اپنی مصلحتوں کو خود بہتر جانتا ہے، اس کے بنائے ہوئے نظام کو بدلنے کی کوشش کرنا نہ تو انسان کے لئے مناسب ہے اور نہ اس میں کامیابی ممکن ہے وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (۱۶: ۱۰) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (۴: ۵)۔

اصلاح اخلاق و تنظیم اعمال ان سب سے زیادہ اہم فائدہ وہ ہے جو ایمان باللہ سے تمدن کو پہنچتا ہے اس سے انسانی جماعت کے افراد میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، نفوس میں پاکیزگی اور اعمال میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے، لوگوں کے باہمی معاملات درست ہوتے ہیں، پابندی قانون کی حس پیدا ہوتی ہے، اطاعت امر اور ضبط و نظم کا مادہ پیدا ہوتا ہے،

اور افراد ایک زبردست باطنی قوت سے اندر ہی اندر سدھر کر ایک صالح اور منظم سوسائٹی بنانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہ دراصل ایمان باللہ کا معجزہ ہے، اور اسی کے لئے مخصوص ہے۔ دنیا کی کسی حاکمانہ قوت یا تعلیم و تربیت، یا وعظ و تلقین سے اصلاح اخلاق اور تنظیم اعمال کا کام اتنے وسیع پیمانے اور اتنی گہری بنیادوں پر انجام نہیں پا سکتا۔ دنیوی قوتوں کی رسائی روح تک نہیں، صرف جسم تک ہے، اور جسم پر بھی ان کی گرفت ہر جگہ اور ہر وقت نہیں ہے تعلیم و تربیت اور وعظ و تلقین کا اثر بھی صرف عقل و فکر تک محدود رہتا ہے، اور وہ بھی ایک حد تک۔ رہا نفس امّارہ تو وہ نہ صرف خود اس سے غیر متاثر رہتا ہے بلکہ عقل کو بھی مغلوب کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ لیکن ایمان وہ شئے ہے جو اپنی اصلاحی اور تنظیمی قوتوں کو لئے ہوئے انسان کے قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، اور وہاں ایک ایسے طاقتور اور بیدار ضمیر کو نشو و نما دیتا ہے جو ہر وقت ہر جگہ انسان کو تقویٰ اور طاعت کی سیدھی راہ دکھاتا رہتا ہے اور شریر سے شریر نفوس میں بھی اپنی ملامتوں اور سرزنشوں کا کچھ نہ کچھ اثر پہنچائے بغیر نہیں رہتا۔

یہ عظیم الشان فائدہ علم الٰہی اور قدرت خداوندی کے اُس اعتقاد سے حاصل ہوتا ہے جو ایمان کا ایک ضروری جز ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ خدا کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور کوئی بات اس سے چھپ نہیں سکتی۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۲: ۱۱۵)	مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے تم جدھر رخ کرو گے ادھر اللہ موجود ہے، یقیناً اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔
أَيْنَمَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲: ۱۴۸)	تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تم سب کو پکڑ بلائے گا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ اللهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ۔ (۳:۱) یقیناً اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (۶:۷) اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں بر و بحر میں جو کچھ ہے سب کو وہ جانتا ہے۔ ایک پتہ بھی اگر زمین پر گرتا ہے تو اللہ کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں اور کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔

وَنَحْنُ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (۵۰:۲) ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے، اور ہم وہ باتیں تک جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کے نفس میں آتا ہے ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۔ (۵۸:۲) کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا خدا نہ ہو، اور کوئی سرگوشی پانچ آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چھٹا خدا نہ ہو۔ اور نہ اس سے کم یا زیادہ آدمیوں کا کوئی اجتماع ایسا ہے جس میں وہ ان کے ساتھ نہ ہو، خواہ وہ کہیں ہوں۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا (۴:۱۶) وہ لوگوں سے پردہ کر سکتے ہیں، اگر خدا سے پردہ نہیں کر سکتے خدا اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ اس کی رضا کے خلاف راتوں کو چھپ چھپ کر باتیں کرتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس پر خدا محیط ہے۔

اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ (۲: ۹)	کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ خفیہ اور علانیہ جو کچھ بھی کرتے ہیں خدا کو اس کا علم ہے۔
وَاِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (۵۰: ۲)	دو ضبط کرنے والے فرشتے ہر شخص کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کر رہے ہیں، کوئی بات زبان سے ایسی نہیں نکلتی کہ کوئی نگرانی کرنے والا اس کو لکھنے کے لئے تیار نہ ہو۔
سَوَآءٌ مِّنْکُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَہَرَ بِہٖ وَمَنْ ہُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّہَارِ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (۱۳: ۳)	خواہ تم میں سے کوئی چھپا کر بات کرے یا بآنگ دہل اور خواہ کوئی رات کی تاریکیوں میں پوشیدہ ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو بہرحال اس کے آگے اور پیچھے خدا کے جاسوس لگے ہوئے ہیں جو خدا کے حکم سے ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی خوب اچھی طرح انسان کے ذہن نشین کر دی گئی ہے کہ ایک دن ضرور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ (۲: ۲۸) وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ (۲: ۲۵) اور اس کو ہر چیز کا حساب دینا ہے، اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا (۴: ۱۱) اور اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے، اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (۸۵)

یہ عقیدہ جس کو طرح طرح سے دل میں بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اصل اسلام کے پورے قانون کی قوت نافذہ ہے۔ اسلام نے حرام و حلال کے جو حدود بھی مقرر کئے ہیں۔ اخلاق معاشرت اور معاملات کے متعلق جو احکام بھی دیے ہیں۔ ان کے نفاذ کا اصلی انحصار نہ فوج اور پولیس اور عدالت پر ہے، اور نہ تعلیم و تلقین پر بلکہ وہ نفاذ کی قوت اس عقیدہ سے حاصل کرتے ہیں کہ

ان کا مقرر کرنے والا وہ زبردست فرمانروا ہے جس کی قدرت اور جس کا علم ہر شئے پر حادی ہے اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا نہ اپنے جرم کو چھپانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور نہ اس کے محاسبہ سے کسی طرح بچ سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ احکام دینے کے بعد یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں۔ خبردار ان سے تجاوز نہ کرنا، تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (۲: ۲۹) یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے خدا دیکھ رہا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲: ۳۰)۔

(باقی)

مسلم ریویو

یہ نہایت درجہ مبارک مفید اور بیحد معلومات سے لبریز ماہانہ رسالہ ہے جو زبان انگریزی میں لکھنو سے شائع ہوتا ہے۔ علمائے اسلام و مشاہیر عالم کے پر مغز اور مدلل تحقیقات جدیدہ سے مرصع اور مقبول خاص و عام مضامین اسمیں عین وقت پر شائع کئے جاتے ہیں مغربی دنیا میں اس کے مضامین نے شمع ہدایت کا کام کیا ہے اور ہزاروں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے۔ یورپ امریکہ اور انگلستان کے کتب خانوں میں اور نادار طالبان حق اور غیر مسلم حضرات کو مفت ہزاروں کی تعداد میں ماہانہ دیا جاتا ہے۔ فرق اسلامیہ کے اختلافات میں اپنا دامن نہیں الجھاتا۔ دور جدید کے پیغمبروں کا یہ ہم نوا نہیں نہ ان کی امت سے اس کو تعرض ہے۔
اس کی سرپرستی کرنا اور اس کو کثیر الاشاعت بنانا بلالحاظ فرقہ سب مسلمانوں کا دینی فرض ہے

قیمت سالانہ صرف صہ اور طلبا سے (سے)

پتہ۔ منیجر مسلم ریویو ۱۶ کنگ اسٹریٹ لکھنو۔ (یوپی)

تعظیم کلام اللہ الکریم

از مولانا عبداللہ العمادی

(۱)

آج کی تلویحات کا مفاد یہ ہے کہ کلام اللہ جو حیات انسانی کے لئے سرمایۂ سعادت ہے مسلمان اس کی دل سے تعظیم کریں اور یہ تعظیم ان کی جان و تن سے نمایاں ہو، اس کے لئے تعظیم کا مفہوم سمجھنے کی بھی ضرورت ہے، جس کے آغاز سے پہلے ایک تمہید کا انجام دیکھنے کے قابل ہے۔

علامہ تقی الدین احمد بن عبدالقادر المقریزی ایک شہرہ آفاق مورخ ہیں جن کی کتاب "الخطط والآثار" مصر کی جغرافی تاریخ میں ماخذ مانی گئی ہے، ان کی ایک اہم تالیف "النقود الاسلامیہ" بھی ہے جس میں اسلامی سکے کی تاریخ دی ہے، ۱۲۹۸ھ میں یہ کتاب شیخ احمد فارس شدیاق کے مطبعۃ الجوائب (قسطنطنیہ) میں چھپی تھی اس تلویح کی تمہید اسی کتاب پر مبنی ہے۔

(۲)

ہجرت نبوی کے اٹھارہویں سال جو خلافت فاروقی کا آٹھواں سال تھا، اسلامی سکے مضروب ہوئے، یہ سکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرب کرائے ان میں کسی کا نقش درم الحمد للہ تھا، کسی کا محمد رسول اللہ اور کسی کا لا الہ الا اللہ وحدہٗ۔ [۱]

خلافت راشدہ میں اسی قسم کے سکے رائج تھے، بنی امیہ کے عہد میں عبدالملک بن مروان نے اس کی

---

[۱] النقود الاسلامیہ۔ ص ۴ و ۵۔

تجدید کی اور حجاج بن یوسف نے اس کو ترقی دی، اس ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

کان مما ضرب الحجاج الدراهم البیض ونقش علیها "قل هو الله احد" فقال القراء قاتل الله الحجاج ای شئ صنع للناس الآن یاخذه الجنب والحائض وکانت الدراهم قبل منقوشة بالفارسیة فکره ناس من القراء مسها وهم علی غیر طهارة وقیل لها "المکروهیة" فعرفت بذلک۔

حجاج نے جو سکے ضرب کرائے ان میں چاندی کے درہم بھی تھے جن پر "قل ہو اللہ احد" نقش تھا، قاریان کلام اللہ کہنے لگے کہ "اللہ حجاج کو غارت کرے، لوگوں کے لئے یہ کیا بنا رکھا ہے، جو مرد نجس ہوں اور حائض عورتوں کو طہر کی نوبت نہ آئی ہو اب تو وہ بھی اسے لیں گے" اس سے پہلے جو درہم تھے ان پر فارسی میں نقش ہوتا تھا قاریان کلام اللہ کی ایک جماعت نے بے طہارتی کی حالت میں ان سکوں کا چھونا مکروہ قرار دیا، ان کا نام "مکروہیہ" پڑ گیا اور عرف عام نے اسی نام کو شہرت دی۔

ووقع فی المدینة ان مالکا رحمه سئل عن تغییر کتابة الدنانیر والدراهم لما فیها کتاب الله عزوجل فقال۔

مدینہ منورہ میں یہ واقعہ پیش آیا، کہ آیات قرآنی کے باعث نقش دینار و درہم کو بدل دینے کے لئے امام مالک علیہ الرحمہ سے استفتا کیا گیا، امام موصوف نے فرمایا۔

"اول ما ضربت علی عهد عبد الملک بن مروان والناس متوافرون، فما انکر احد ذلک وما رأیت اهل العلم انکروه ولقد بلغنی ان ابن سیرین کان یکره ان یبیع بها ویشتری، ولم ار احداً منع ذلک هٰهنا" یعنی رحمه الله اهل المدینة النبویة

اس طرح کے سکے پہلے پہل عبد الملک بن مروان کے عہد میں ضرب ہوئے تھے، اس زمانے میں بہتیرے بزرگان دین موجود تھے لیکن کسی ایک نے بھی اس کو برا نہ جانا میں نے دیکھا تک نہیں کہ اہل علم نے اس کی برائی کی ہو۔ البتہ مجھے یہ خبر ملی تھی کہ ابن سیرین ایسے سکوں سے خرید و فروخت کروہ قرار دیتے تھے اگر یہاں تو میں نے کسی ایک کو

اس کی ممانعت کرتے نہیں دیکھا"۔ "یہاں" سے امام مالک کی مراد اہل مدینہ منورہ ہیں۔

وقیل لعمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ: "هذہ الدراهم البیعض فیها کتاب الله یقبلها الیهودی والنصرانی والجنب والحائض فان رأیت ان تامر بمحوها۔	حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ جب خلیفہ ہوئے تو ان سے گذارش کی گئی کہ "چاندی کے ان درہموں پر کلام اللہ کی آیتیں نقش ہوتی ہیں، یہودی بھی ان سے معاملت کرتے ہیں، نصرانی بھی، نجس مرد بھی اور ناپاک عورتیں بھی اگر آپ کی رائے ہو تو نقوش آیات کے مٹانے کا حکم دیجئے۔
فقال۔	حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا:۔
"اردت ان تحتج علینا الامم ان غیرنا توحید ربنا واسم نبینا صلی اللہ علیہ وسلم"	اس کہنے سے تمہاری غرض یہ تھی کہ دنیا کی قومیں ہم پر اعتراض کریں کہ خود ہم نے اپنے پروردگار کی توحید اور اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مٹا دیا۔

(۳)

اس طویل اقتباس سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ تعظیم کلام اللہ کے متعلق۔

اہل مدینۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل کیا تھا؟

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فتویٰ کیا ہے؟

حضرت عمر بن عبد العزیز کیا کہتے تھے؟

اور عصر تابعین میں کہ خیر القرون کا جزو ثانی تھا، کلام الٰہی کے ادب کی نسبت مذہبی رائے کیا تھی؟

بے شبہ ہر مسلمان کا مقدس فرض ہے کہ اس مجموعۂ برکت و رحمت کو ادب و احترام کی نظر سے دیکھے اجلال و اکرام کے ساتھ اس کے لئے گوش بر آواز رہے، یہ بھی تعظیم ہے، لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟

لہ النقود الاسلامیہ۔ ص۹۔

آپ ظاہری تعظیم پر زور دیجئے چشم ما روشن۔

آپ مس مصحف کے لئے طہارت شرط کیجئے، دل ما شاد۔

لیکن عمل بھی تو ایک شرط تعظیم ہے، اس کو کیوں بھول جائیے؟

نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

تعظیم و تکریم کلام اللہ کے اگر یہی معنی ہیں۔ کہ بغیر طہارت کے تلاوت نہ کی جائے۔ بے وضو کوئی اس کو چھونے نہ پائے۔ تہ بہ تہ ریشمی جزدان اس پر چڑھے رہیں بے ادبی کے خوف سے رسالوں اور اخباروں میں اس کی آیتیں نہ لکھی جائیں۔ تو کیا اتنا کر لینے سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے؟

فرض کرو ایک شخص کا عمل قرآن پر نہیں ہے اور اس کے کردار و گفتار سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی عزت سے اس کا دل بے بہرہ ہے۔ مگر ظاہری تعظیم میں وہ نہایت مبالغہ کرتا ہے اور ہمیشہ سے جو رسم و رواج چلا آتا ہے۔ اس کے مطابق مروجہ عظمت کا بڑی سختی سے پابند ہے۔ کیا تم ایک لحظ کے لئے بھی اس کی تعظیم کو قرآن کریم کی اصلی تعظیم پر محمول کر سکتے ہو؟

اصلی تعظیم ظاہرداریوں سے بے نیاز ہے اس کا منشا محض اس قدر ہے کہ آسمانی کتاب جن تعلیمات کو دنیا میں عام کرنا چاہتی ہے اور نوع انسان کی بھلائی کے لئے جو احکام اس نے مقرر کر رکھے ہیں کہ ان کی پابندی کی جائے۔

قرآن اس لئے نہیں اترا تھا کہ لوگ اس کو آنکھوں سے لگانے اور سر پر رکھنے کو کافی سمجھیں قرآن کے نازل ہونے کی خاص غرض یہ تھی کہ دنیا اس کی روشنی سے منور ہو اور اہل دنیا اس کو اپنے معاملات کا دستور العمل بنائیں۔

---(۴)---

ظاہری عظمت کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ خود قرآن کریم نے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ۔

پاکوں کے سوا کوئی اس کو چھونے نہیں پاتا ، کی تاکید کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آیت کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ کفار کو اعتراض تھا۔ کہ قرآن منجانب اللہ نہیں ہے۔ یہ بنائی ہوئی باتیں ہیں خدا نے اس وہم کی تکذیب کی اور فرمایا کہ :-

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۔ (سورہ واقعہ۔ رکوع ۳ آیت ۷۷ء)

یہ قرآن تو بڑی بزرگی کا قرآن ہے۔ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔ پاکوں کے علاوہ کوئی اس کو چھونے نہیں پاتا پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا تم اس کلام سے منکر ہو اور تم نے اپنا راتب باندھ لیا ہے کہ (اس کو) جھٹلاتے ہی رہوگے۔

آیت میں صاف مذکور ہے کہ کفار کو اس پاک کلام کے کلام اللہ ہونے سے انکار تھا اور انہوں نے اس کے جھٹلانے کو اپنا فرض قرار دے رکھا تھا جس کے جواب میں بتایا گیا۔ کہ یہ لوح محفوظ میں بڑی احتیاط سے لکھا ہوا موجود ہے۔ اور خدا کے پاک نفس بندوں کے علاوہ کوئی اس کو چھونے تک نہیں پاتا پھر اس میں کمی و بیشی کی گنجائش کہاں رہی۔ اور کوئی اس کو جھٹلا کیونکر سکتا ہے ؟

———— (۵) ————

اس آیت کی تفسیر میں متعدد حدیثیں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس و جابر بن زید و ابو نہیک سے روایت ہے کہ ”وہ قرآن جو آسمان پر ہے پاکوں کے علاوہ کوئی اور اسے نہیں چھو سکتا۔“

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ”مطلب یہ ہے کہ قرآن ایسی محفوظ کتاب ہے کہ اس پر غبار تک نہیں آسکتا۔“

ضحاک کہتے ہیں کہ یہ کفار کو گمان تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر شیاطین نے قرآن نازل کیا ہے

اس کا جواب ملا کہ وہ تو محفوظ کتاب ہے۔ پاکوں کے علاوہ تو اس کو کوئی چھو تک نہیں سکتا۔ وہاں کسی کی دسترس کہاں ہے۔

سعید ابن جبیر و عیسیٰ ابو نہیک و جابر بن زید و مجاہد نے۔ لا یمسہ الا المطھرون۔ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "اس سے مراد فرشتے ہیں"۔

ابو العالیہ و ابن زید و قتادہ نے روایت کی ہے کہ "یہ مطلب کہ پاکوں کے سوا کوئی قرآن کو چھونے نہیں پاتا۔ اس میں پاکوں سے خدا کے پاک فرشتے، مقدس پیغمبر اور پاکیزہ خصال و پرہیزگار بندے مراد ہیں اور قرآن سے وہ قرآن مراد ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے؛ ورنہ دنیا میں تو اس کو ناپاک مجوسی اور گندے منافق بھی چھوتے ہیں"۔

اسی طرح کی اور بہت سی روایتیں تفسیر ابو جعفر ابن جریر۔ جلد ۲۷ صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶ ایسی تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

آیت میں نہ صیغہ نہی وارد ہے اور نہ معنوی نہی کی صورت نکلتی ہے بات صرف اتنی تھی کہ قرآن کریم کے محفوظ و منجانب اللہ ہونے کا یقین دلانا تھا۔

(۶)

ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں کہ قرآن کریم کی ظاہری تعظیم ترک کر دی جائے۔ مدعا صرف اس قدر ہے

(۱) مسلمانوں کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے حیف ہے کہ ظاہر میں تو قرآن کریم کا ہم اس قدر ادب کریں کہ جبتک وضو و غسل نہ ہو اس کو چھونا اور اس کے الفاظ کا زبان پر لانا ممنوع سمجھیں اور باطن کا یہ حال ہو کہ تعلیمات قرآنی سے ہماری روش اتنی مخالف رہے کہ گویا دل کو یہ بھی یقین نہیں۔ کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے اور اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ہم پر فرض ہے۔

۲۔ اصل تعظیم یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام پر ہمارا عمل ہو، اور ظاہری تعظیم یہ ہے کہ کلام اللہ

ِل کرنے کے ساتھ کلام اللہ کے مروج احترام میں بھی کوئی دقیقہ رہ نہ جائے باطن وظاہر دونوں حیثیتوں سے ہم پر وہ دونوں حدیثیں صادق آئیں جن میں ایک سے کان عملہ القرآن کی ترغیب نکلتی ہے اور دوسری تخلقوا باخلاق اللہ کی ہدایت کرتی ہے ظاہر ہے کہ اخلاق اللہ سے تخلق بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہم کلام اللہ سے رجوع کریں اور باطن وظاہر ہر حیثیت سے اس کی تعظیم بجا لائیں

۳۔ یہ نہایت مخدوش استدلال ہے کہ "فلاں بزرگ جو تنکا نظر آتا تھا اس کو اٹھا لیتے تھے کہ یہ الف کی شکل اور یہ ب کی صورت ہے۔ فلاں بزرگ نے سن کے کھیت میں داخل ہوتے ہی جوتا اتار لیا کہ اس کا کاغذ بنتا ہے اور اس پر قرآن شریف لکھا جاتا ہے میں اس میں جوتا پہنے کیوں کر چلوں" بے شبہ یہ واقعات ان بزرگوں کے کمال احترام کا نتیجہ ہیں۔ مگر جہاں وہ اس ظاہری ادب کے پابند تھے وہاں کلام اللہ کی اصلی عظمت بھی ان کے دل میں اس قدر تھی کہ تمام عادات واطوار اسی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسی کے نمونے بنے ہوئے تھے۔

۴۔ ظاہری تعظیم یعنی بے طہارت نہ چھونے کے لئے قرآن کریم سے جو دلیل پیش کی جاتی ہے اس سے یہ مقصد نہیں ثابت ہوتا۔

۵۔ جو لوگ خدانخواستہ آیات قرآنی کی بے حرمتی کرتے ہیں وہ خود گنہگار ہونگے لیکن اس خوف سے یہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں کی تحریر و تقریر میں آیتیں آنے ہی نہ پائیں۔ خدائے تعالیٰ کے احکام میں تو ابھی تک اس ممانعت کی تصریح نظر نہیں آئی۔

۶۔ یہ فتویٰ کہ "بجائے آیت نقل کرنے کے سورہ و آیہ کا نمبر لکھ کر اس کے ترجمہ کا حوالہ دیدیا کریں" شاید ان راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے لئے تشفی بخش نہ ہو جن کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے کسی جزو کا ترجمہ بغیر اصل عبارت کے لکھنا اس لئے قابل احتراز ہے کہ ممکن ہے کسی وقت میں یہ رواج عام ہو جائے۔ انجیل و توراۃ کی طرح قرآن کے لئے بھی لوگ صرف ترجمہ کافی سمجھنے لگیں اور انہیں کی طرح مبادا اس پے

بھی تحریف کی گنجائش نکل آئے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ کیا تعظیم صرف قرآن کے الفاظ کی ہونی چاہئے اس کے مطالب کی نہ ہونی چاہئے۔ لفظ کی عظمت میں اگر معنے کا دخل ہے تو کیا وجہ ہے کہ کلام اللہ کے صرف الفاظ مقدس مانے جائیں۔ لفظ و معنی اگر دونوں مقدس و متبرک ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ آیات قرآنی کے الفاظ تو اس لئے نہ لکھے جائیں کہ ان کی بے ادبی ہوگی اور معانی ترجمہ کرکے اس لئے لکھدے جائیں۔ کہ اس کی بے ادبی ہوئی بھی تو کچھ مضایقہ نہیں۔

تفسیر سورۂ کوثر

از

مولنا عبدالقدیر صدیقی استاد کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

ولید بن مغیرہ جس کی اولاد بھی بہت تھی، مال بھی بکثرت تھا، جس کے متعلق ہے وجعلت لہٗ مالا ممدودا۔ وبنین شھودا، حضرت کے صاجزادوں کے انتقال پر حضرت کو طعنہ دیتا کہ۔ ان کی اولاد تو ہے ہی نہیں کہ آگے ان کا نام چلتا ان کی یادگار رہتی۔ حضرت کو اس کے یہ طعنے ناگوار گذرتے۔ حضرت کی تسلی کے لئے اللہ تعالی نے چھوٹی سی جامع سورت اتاری جس میں اس کا کافی شافی جواب ہے۔

واضح ہو کہ اولاد تین قسم کی ہوتی ہے:۔

(۱) سپوت جو باپ سے زیادہ کام کرے۔ اس سے زیادہ نامور ہو۔ اس سے زیادہ کمالات رکھتا ہو

۲۔ پوت جو باپ کے برابر کمالات رکھے جس کا کارنامہ باپ کے برابر ہو۔

۳۔ کپوت جس کے کام باپ کے کام کے مساوی نہ ہوں نہ باپ کی خوبی ہو۔ نہ اس کی عظمت ہو۔ ایسا بیٹا باپ کے لئے مایہ ناز نہیں ہوسکتا۔ ایسی اولاد باپ کے کس کام کی ؟ ایسی اولاد ہو بھی تو کیا حاصل؟

اب ذرا بولو۔ جو بے نظیر ہو۔ تمام کمالات کا جامع ہو۔ جس کا کارنامہ ناقابل زیادت ہو۔ جس کی یادگاریں تو قیام قیامت تک رہنے والی ہوں۔ جس کے آثار مٹنے والے نہ ہوں۔ اس کی اولاد نہ سپوت ہو سکتی ہے نہ پوت۔ رہی کپوت اولاد وہ ناقابل فخر ہے۔ ناقابل اعتداد ہے۔

ولید بن مغیرہ کا یہ سمجھنا کہ نام باقی رہنے کے لئے اولاد ضرور ہے۔ غلط ہے۔ بالکل لغو ہے۔

عالم کا نام اس کی کتابوں سے۔ سپاہی کا نام اس کے شجاعانہ کارناموں سے۔ مصلح کا نام اس کی اصلاحات کی وجہ سے۔ بادشاہ کا نام اس کی فتوحات سے۔ خداپرست کا نام اس کی عبادت و تقویٰ کے ذکر سے باقی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ اے حبیب کریم ہم نے تو تم کو سب کچھ دیدیا ہے۔ کونسی خوبی ہے کونسا کمال ہے جو تم کو نہیں ملا۔ کونسی ما بہ الافتخار صفت ہے جو تم میں موجود نہیں۔ تم فخر دو عالم ہو۔ سید ولد آدم ہو۔ آدم و من دونہ تحت لوائی۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔ ہم نے تمہارے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا۔ اول ما خلق الله نوری۔ تم کافۃ الناس کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تمہارا دین نہ کسی خاندان سے مخصوص ہے نہ کسی ملک سے۔ وما ارسلناك الا كافة للناس تم طالبین کو ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں قوم کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور بیٹوں کی روٹی کتوں کے سامنے نہیں ڈالتا۔ تمہارا دروازہ سب کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ تم سب کے روحانی باپ ہو سب کی روحانی پرورش تمہارے فرائض میں سے ہے انا من نور الله وكلهم من نوری۔ وما يدريك لعله يزكی۔ او يذكر فتنفعه الذكری۔ تمہارا دین محدود زمانہ کے لئے نہیں بلکہ ابدالآباد کے لئے ہے۔ تمہارا دین کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ تم خاتم الانبیا ہو تمہارے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ دجال ہوگا جو ایسا دعویٰ کرے گا ولکن رسول الله وخاتم النبيين۔ (قال لعلی) انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ لو كان بعدی نبی لكان عمر بن الخطاب۔ جہاں تمہارا دین ابدی ہے وہاں تمہارا معجزہ یعنی قرآن مجید بھی ابدی ہے۔

جب تمہارا کمال خود تمہاری اولاد کی بقا کا منافی ہے ؎

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے — آئینہ کیا مجال جو صورت دکھا سکے

تو کیا پروا تمہارا دین تمہاری یادگار ہے قرآن مجید تمہاری یادگار ہے۔ تمہاری تعلیم تمہاری یادگار ہے۔ تمہارے امتی تمہارے نام لیوا۔ تمہارے دامن گرفتوں کی کیا کمی ہے؟ وہی تمہاری یادگار ہیں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ ذرا اپنے پروردگار کے لئے نماز اور حج و قربانی تو کر دیکھو کتنے لوگ جمع ہوتے ہیں اور تمہاری یادگار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مکہ کے رہنے والے مہاجرین ابوبکرؓ۔ عمرؓ عثمانؓ۔ علیؓ۔ مدینے کے رہنے والے انصار انس بن مالک۔ سعد بن عبادہ۔ ابو ایوب۔ قدیم اہل کتاب ابی بن کعب۔ عبداللہ بن سلام۔ ایران کے سلمان۔ حبش کے بلال۔ شام کے صہیب۔ تمہارے نام لیوا ہیں۔ ملک ملک کے باشندے۔ قوم قوم کے افراد۔ رنگ رنگ کے آدمی سب تمہارے احکام کے پابند۔ تمہارے چشمۂ تعلیم سے سیراب۔ تمہارے فیض تربیت سے سیر ہیں۔ دنیا میں کون ہے جس کی یادگار اتنی عظیم الشان ہے جسمانی اولاد نہیں نہ سہی۔ روحانی اولاد ہے اور کس کثرت سے ہے دن دونی رات چوگنی ترقی پر ہے۔ نمازیں اور حج و قربانی میں۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ تمہارے بیری تمہارے دشمن، تم کو طعنے دینے والے ولید بن مغیرہ ہی کا انجام برا ہے۔ علی بن ابی طالب کے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ اس کا مال رہے گا نہ اس کی اولاد نہ کوئی نام لیوا باقی رہے گا۔ نہ یادگار۔ ہاں اس کی شرارت و خباثت کی داستان زبان زد خلائق رہیگی برائی میں بھی اس کا نام لیا جائیگا تو اے حبیب تیرے نام کے طفیل سے۔ ورنہ ہزار ہا کفار مر گئے کوئی ان کا نام تک نہیں جانتا۔

اب ذرا ایک ایک لفظ پر غور کرو کہ ہر لفظ اپنے مقام پر کیا پیوستہ ہے۔ کہ ہلانے سے ذرا نہیں ہلتا جس طرح نگینہ انگشتری میں جڑا جاتا ہے ہر لفظ اپنے محل پر جڑا ہوا ہے۔ اِنَّ بیشک۔ ضرور۔ یقیناً۔ البتہ زور پیدا کرنے اور تاکید کے لئے آیا ہے۔ جب کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ لوگ مشکل اس کا یقین کرسکتے

ہوں تو اس پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ چونکہ اس میں مستقبل کی پیش گوئی ہے۔ حضرت کی یادگار کا باقی رہنا، ان کے دین کا، ان کے نام لیواؤں کا سلسلہ قیام قیامت تک جاری رہنا، اور ولید بن مغیرہ کا بد انجام بے نسل ہو جانا اس صورت میں بیان کیا گیا ہے لہذا تاکید کے لئے ان سے ابتدا کی گئی ہے۔

اعطینٰک۔ ہم نے تمکو دیا یا علو کے معنے ہیں پکڑنا۔ امرؤ القیس کہتا ہے۔

وتعطو برخص غیر شثن کانہ اساریع ظبی او مساویک اسحل

اتینا کے معنے بھی "ہم نے دیا" کے ہیں۔ مگر اعطینا کے معنے میں قبضہ کرا دینا متضمن ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے اور وہی ہبہ مکمل ہوتا ہے جس میں موہوب پر قبضہ کرا دیا جائے۔

اعطینا میں نسبت اعطیت کے عظمت و جبروت زیادہ ہے جس سے خدائی لہجہ، آسمانی دبدبہ ظاہر ہوتا ہے۔

الکوثر۔ بہت کچھ۔ خیر کثیر۔ اس کا مادہ کَثُرَ و کَثرۃ ہے۔ کسی نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ کوثر ایک حوض ہے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے قیامت کے دن شدت گرمی میں تشنہ لبوں کو حضرت اس حوض سے پانی پلائیں گے۔ حضرت عباس نے کہا کہ خیر کثیر میں وہ حوض بھی داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں ایک نہر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد شفاعت ہے۔ ولید بن مغیرہ کو قیامت کے دن شفاعت محمدی دیکھکر معلوم ہوگا کہ کون صاحب خیر کثیر ہے؟ کس کے متعلقین زیادہ ہیں؟ اور کون بد انجام بے نام و نشان ہے؟ بہر حال کوثر ہے تو ایک لفظ۔ مگر ہر قسم کے خیر کو متضمن، اور انواع عطایا کو شامل ہے۔

فصل لربک۔ ف۔ پس۔ جب ہم نے تم کو سب کچھ دیدیا تو تم بھی کچھ کام کرو۔

صَلِّ۔ نماز پڑھو۔ لِرَبِّکَ۔ اپنے رب کے لئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رب کے معنی ہیں۔ پرورش کر

کمال کو پہنچانا جب اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے تو وہ ضرور تم کو کمال کو پہنچائے گا۔ خیر کثیر سے سرفراز کریگا۔ قیامت تک تمہارا نام باقی رکھے گا۔ تو اپنے رب کی عبادت تم کو کرنی چاہئے۔

فوراً عبادت کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا۔ کہ ہبہ کا فوراً معاوضہ کر دیا جائے تو وہ ہبہ نا قابل رد ہو جاتا ہے۔

لفظ رب میں علت عطار خیر کثیر بھی ہے اور علت اقامت صلوٰۃ و حج بھی فضل اللہ کہنے سے یہ لطیفہ وفائدہ نہیں نکلتا۔

وانحر۔ قربانی دے۔ نحر کے معنے ہیں اونٹ کی قربانی کے۔ نحر جزو ارکان حج ہے یہاں جزو لکھکر کل مراد لیا گیا ہے اور نحر کنایہ ہے حج سے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ و حج کو اس لئے ذکر فرمایا۔ کہ زکواۃ و صوم انفراداً ادا کئے جاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ و حج اجتماعاً صلواۃ و حج سے حضرت کی تعلیم حضرت کی یادگار کے قائم ہوجانے /مکے مدینے پر حکومت اور کافروں کی شکست پر دلالت نکلتی ہے۔ آج اگر ولید بن مغیرہ ہوتا یا حضرت کے آخر زمانے میں ہوتا تو اس پیش گوئی کو آنکھوں سے دیکھ لیتا۔ گرنہیں قیامت قریب ہے میرے سرکار کی کامیابی، اور انتہائی اعزاز، کثرت تابعین کی نمائش کا دن تو قیامت ہی کا دن ہے۔ خود پسند خود سر ولید وہاں حضرت کے اعزازات کو دیکھ ہی لے گا۔

ان شانئك۔ بیشک تمہارا دشمن تم کو حقیر جاننے والا طعنے دینے والا۔

ھوالابتر۔ بتر کے معنے ہیں آخر سے کاٹنا۔ اس سے مراد ہے، بےنسل، لاولد بے یادگار، بد انجام۔ مغیرہ حضرت کو ابتر کہا کرتا تھا۔ وہی لفظ اس پر لیٹایا گیا ہے کہ وہی ہے ابتر۔ ذرا دیکھو انّ حرف تاکید ہو ضمیر فصل۔ الابتر کا ال کس طرح قصر قلب پر دلالت کرتے ہیں۔ اس جملے میں کتنی تاکید ہے کیا زور ہے۔

شانئ کے عوض اگر مغیرہ کا لفظ رہتا تو حضرت سے شنآن یعنی عداوت و تحقیر کا اظہار نہ ہوتا، ابتر ہونے کی علت ظاہر نہ ہوتی۔ نیز اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ کچھ مغیرہ کی خصوصیت نہیں جو حضرت سے عداوت کرے گا، حضرت کی تحقیر کرے گا، وہ بے خیر ہوگا، اس کا انجام یقیناً برا ہوگا، وہ تباہ ہوگا برباد ہوگا۔

کلام القرآن

از جناب مولوی اکرم علی محمدی صاحب

قرآن مجید کی آیات کو روزمرہ کی بول چال میں رواج دینے کی تجویز، ایک عمدہ تجویز ہے جسے بعض احباب نے ترجمان القرآن میں پیش کیا ہے۔ اب اس چیز کا رواج مسلمانوں سے اُٹھ گیا ہے۔ مگر ایک زمانہ میں جب کہ قرآن سے مسلمانوں کا شغف بہت بڑھا ہوا تھا قرآنی آیات اور قرآنی الفاظ کثرت زبانوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور عام طور پر بول چال میں استعمال ہوتے تھے بعض بزرگوں کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ آیات قرآن ہی میں بول چال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن المبارک نے خود اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ایک ضعیفہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سفر حج سے واپسی پر ایک سن رسیدہ خاتون سے میری ملاقات ہوئی میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

ابن المبارک۔ آپ کس شغل میں ہیں؟

ضعیفہ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (اعراف) یعنی جس کو اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لئے کوئی رہبر نہیں۔ (مطلب یہ تھا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں)۔

ابن المبارک۔ آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہیں؟

ضعیفہ۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى (بنی اسرائیل) یعنی پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ وہ حج سے فارغ ہو کر بیت المقدس جانا چاہتی تھیں)۔

ابن المبارک۔ آپ یہاں کتنے روز سے مقیم ہیں؟

ضعیفہ۔ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (مریم) یعنی مسلسل تین راتیں گذر گئی ہیں۔

ابن المبارک۔ میں آپ کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دیکھتا؟

ضعیفہ۔ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ۔ (شعراء) یعنی خدا ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

ابن المبارک۔ اس جنگل میں وضو کیسے کرتی ہو گی؟

ضعیفہ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا (مائدہ) یعنی حکم ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

ابن المبارک۔ میرے پاس کھانا ہے۔ آپ نوش فرمائیں گی؟

ضعیفہ۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ (بقرہ) یعنی روزوں کو رات آنے تک پورا کرو۔ (مطلب یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں)۔

ابن المبارک۔ مگر یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے۔

ضعیفہ۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ۔ (بقرہ) مطلب یہ تھا کہ یہ نفل روزہ ہے۔ رضاکارانہ رکھا گیا ہے۔

ابن المبارک۔ سفر میں تو اللہ نے افطار کی اجازت دی ہے۔ پھر آپ روزے کی تکلیف کیوں اٹھاتی ہیں؟

ضعیفہ۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ) اگر تم سمجھے کام ہو تو معلوم ہو جائے کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے اچھا ہے۔

ابن المبارک۔ میں جس طرح بات کرتا ہوں اس طرح آپ کیوں نہیں کرتیں؟

ضعیفہ۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (قٓ) آدمی کی زبان جے

لفظ بھی نکلتا ہے اس کی نگرانی کے لئے ایک فرشتہ تیار بیٹھا ہے۔

ابن المبارک۔ آپ کس قبیلے سے ہیں؟

ضعیفہ۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل) جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کان، آنکھ، دل سب سے سوال کیا جائیگا۔

ابن المبارک۔ معاف فرمائیے۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوی کہ ایسا سوال کیا۔

ضعیفہ۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف) اب تم پر کچھ سرزنش نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔

ابن المبارک۔ آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھادوں تاکہ قافلہ سے جا ملیں۔

ضعیفہ۔ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ (بقرہ) تم جو نیکی بھی کروگے اللہ اس کو جانتا ہے

چنانچہ وہ ضعیفہ سوار ہوگئیں اور یہ آیت تلاوت کی:۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (زخرف)۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بلند آواز سے اشعار پڑھ کر اونٹ کو دوڑانے لگا تو اس ضعیفہ نے مجھ کو تنبیہ فرمائی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (مزمل) جہاں تک ہوسکے قرآن پڑھو۔

آخر ہم چلتے چلتے قافلے سے جا ملے میں نے پوچھا آپ کے رشتہ دار کون کون ہیں؟

ضعیفہ۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (کہف) اس سے معلوم ہوا کہ قافلے میں ان کا سامان اور ان کے بیٹے ہیں۔

ابن المبارک۔ آپ کے بیٹے کیا کام کرتے ہیں؟

ضعیفہ۔ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (نحل) مطلب یہ کہ قافلہ والوں کے رہبر ہیں۔

ابن المبارک۔ ان کے نام بتائیے۔

ضعیفہ۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔

حضرت ابن المبارکؒ سمجھ گئے کہ ان کے بیٹے ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ ہی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قافلہ میں ان لوگوں کے نام لے کر پکارا اور وہ اپنی ماں کے گرد جمع ہو گئے۔ ماں نے بیٹوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔ (کہف)۔ تم اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دیکر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ دیکھے کس کے ہاں اچھا کھانا ہے۔ اور اس سے کھانا لے آئے۔

اس حکم کے مطابق ایک لڑکا بستی میں گیا اور کھانا لے آیا۔ ابن المبارکؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ کھانا کھانے سے پہلے مجھ کو ان اعجوبہ روزگار ضعیفہ کے حالات بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری ماں ہیں۔ چالیس برس ہو چکے ہیں کہ انہوں نے بجز آیات کلام اللہ کے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا ہے۔ جو کچھ گفتگو کرتی ہیں۔ قرآن ہی سے کرتی ہیں۔ یہ سن کر میں ششدر رہ گیا۔ اور یہ کہتا ہوا انکے خیموں سے واپس ہوا کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

آج دنیا میں سینکڑوں ہزاروں علما اور حفاظ قرآن موجود ہیں۔ مگر کلام اللہ پر اتنے عبور کی مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔

نقد و نظر

مسلم ریویو | ایڈیٹر سید عابد حسین صاحب نقوی۔ بی اے بی ایل۔ قیمت سالانہ صہ (سے)۔ طلب سے ملنے کا پتہ۔ ۱۶ کینگ اسٹریٹ لکھنؤ۔

زمانہ حال میں نہ صرف غیر مسلموں بلکہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی اسلام کی تعلیمات اور اس کی تہذیب و تاریخ کے صحیح خدوخال سے روشناس کرانے کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان میں اعلیٰ درجہ کے رسالے شائع کئے جائیں، اور ان میں ایسے لوگ مضامین لکھیں جو علوم جدیدہ کے ساتھ اسلامی علوم پر صحیح نظر رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ فریقانہ تنگ نظری سے آزاد بھی ہوں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی جانب سے "مسلم ریویو" اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جاری ہوا ہے اور اس کے گذشتہ چند پرچوں کو دیکھ کر ہم مطمئن ہیں کہ اس نے اپنے فرض کے احساس اور اس کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ اگرچہ ابھی مضامین کا معیار اور زیادہ بلند کیا جاسکتا ہے۔ اور تحقیق و تبیین کے اعلیٰ مدارج تک ترقی کرنے کی ابھی بہت کچھ ضرورت ہے لیکن اس کمی کی ذمہ داری ایڈیٹر اور منتظمین پر نہیں بلکہ ملک کے ان اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں پر ہے جو ان کا ہاتھ بٹانے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ امید ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان اس مفید رسالے کو ترقی دینے کی کوشش کرینگے۔

اسرار تصوف | ایڈیٹر ملک چنن الدین صاحب۔ قیمت سالانہ لعے۔ مقام اشاعت نقشبندیہ منزل کشمیری بازار۔ لاہور۔

ملک صاحب اردو میں تصوف پر بہت سی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اس نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی شائع کرنا شروع کیا تھا۔ پھر بند ہوگیا۔ اب گذشتہ ماہ اکتوبر سے دوبارہ جاری ہوا ہے۔ اس میں تصوف کی بعض مستند کتابوں کے مسلسل ترجمے درج کئے جاتے ہیں۔ ہر پرچہ میں

مشائخ نقشبندیہ کے تذکرے بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض مسائل تصوف پر مستقل مضامین بھی لکھے جاتے ہیں۔ مگر رسالہ کی ترتیب مضامین کے انتخاب اور انداز تحریر میں قدامت بہت ہے۔ زمانہ کی ضروریات اور حالات کے تغیر کا لحاظ کئے بغیر جو کام کیا جائیگا کامیاب نہ ہوگا۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ انگریزی میں تھیاسوفی اور اسپریچولازم وغیرہ پر جو رسالے شائع ہوتے ہیں ان کی نقل کی جائے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اس پرانی شراب کو نئے گلاسوں میں پیش کیا جائے تاکہ ان گلاسوں کی لاگ سے طبائع اس شراب کو بطیب خاطر قبول کرلیں۔

ہمدرد صحت | ایڈیٹر حکیم حاجی عبدالحمید صاحب۔ حجم چالیس صفحات۔ قیمت عہ۔

ملنے کا پتہ۔ ہمدرد منزل۔ بازار لال کنواں دہلی۔

یہ ایک ماہوار طبی رسالہ ہے جو ہمدرد دواخانہ دہلی کے زیر اہتمام چند سال سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اب تک جتنے پرچے شائع ہوئے ہیں مفید مضامین پر مشتمل ہیں عوام کو حفظان صحت کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچانے کے لئے یہ ایک اچھا ذریعہ ہے۔

الاسلام | اڈیٹر جناب سید نذیر الحق صاحب قادری۔ حجم ۴۸ صفحات۔ قیمت سالانہ دو روپے دفتر الاسلام چک ۲۳۵ جھنگ برانچ ضلع لائل پور۔

مذہبی اور تبلیغی رسالہ ہے ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء سے جاری ہوا ہے مضامین دلچسپ اور مفید ہیں جن مقاصد کا اظہار کیا گیا ہے اگر ان میں کامیابی ہوگئی تو رسالہ بہت اچھا ہو جائے گا۔

الدین | اڈیٹر جناب علی مہدی صاحب ایم اے۔ حجم ۴۲ صفحات قیمت سالانہ عہ۔

پتہ مدرسہ ہمایونیہ ناصریہ جونپور۔ یہ حضرات شیعہ کا رسالہ ہے۔ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ مضامین کے سوا دو مستقل مذہبی کتابوں (الشافی فی شرح اصول الکافی اور ذخیرۃ العقبیٰ) کا ترجمہ بھی باقساط شریک اشاعت ہوتا ہے

صوبہ بہار کی بے شمار مسجدوں کی تباہات

مسلم ایوان تجارت صوبہ بہار و اڑیسہ کی اپیل

مسلم ایوان تجارت بہار و اڑیسہ کی رائے ہے کہ زلزلے سے جو تباہی باشندگان شمالی و جنوبی بہار و اڑیسہ پر خصوصیت کیساتھ آئی ہے اس کی امداد کیلئے حتی الامکان فرقہ وارانہ اصول پر کوئی کمیٹی قائم نہ کی جائے، بلکہ بغیر امتیاز مذہب و قومیت انسانیت کی بنا پر خدمت کی جائے۔ لیکن اس سلسلہ میں صوبہ کی مسجدوں پر جو تباہی آئی ہے وہ خاص مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے اور ہم پر بغیر کسی غیر مسلم امداد کے یہ اسلامی فرض عائد ہوتا ہے کہ ان مسجدوں کو از سر نو تعمیر کریں۔ اس زلزلہ کے باعث صوبہ کی بیشتر مسجدیں یا تو شہید ہو گئیں یا ان کا کچھ حصہ برباد ہو کر نہایت مخدوش حالت میں ہے صرف ایک شہر پٹنہ میں تقریباً ۱۵۰۰ مسجدیں تھیں، جن میں سے چودہ سو مسجدیں یا تو بالکل شہید ہو چکی ہیں، یا ان کا کچھ حصہ برباد ہوا ہے۔ اس سے آپ صوبہ کی بقیہ مسجدوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ انہیں شکستہ مساجد میں اللہ کے نیک بندے بغیر کسی خوف و ہراس کے نماز ادا کرتے ہیں، اور باوجود اس کے کہ مسجدوں کی عمارتیں نہایت مخدوش حالت میں ہیں مگر پھر بھی نماز پنجگانہ فرداً فرداً یا جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔ لیکن یہ صورت حال کب تک رہے گی برسات قریب ہے اور اس کے آنے سے پہلے ان مسجدوں کی تعمیر یا مرمت از بس ضروری ہے، ورنہ خوف ہے کہ جو صورت حال باقی ہے وہ بھی نہیں رہے گی اور اس وقت جتنے روپیہ کی ضرورت ہے کل اس سے دو چند اور سہ چند ضرورتوں میں اور اضافہ ہوگا۔

تعمیر کی ضرورت تو بعد کی ہے ابھی فی الفور اس کی اشد ترین ضرورت ہے کہ مسجدوں کا وہ حصہ جو نہایت مخدوش حالت میں ہے گرا دیا جائے اور اس خطرناک حالت کو دور کر کے اس لائق بنا دیا جائے کہ جن محلوں میں اس خدشہ کے باعث کچھ نمازی جانے سے مجبور ہیں، بلا خوف و اندیشہ جائیں اور اللہ کی بندگی بجا لائیں۔

اس لئے مسلم چیمبر آف کامرس کے اراکین تمام مسلمانوں سے پر زور درخواست کرتے ہیں کہ وہ صورت حال پر غور فرمائیں اور اللہ کی خوشنودی اور رضا کیلئے اللہ کا گھر بنانے کو تیار ہو جائیں۔

عام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ جلد از جلد جو رقم انفراداً یا جماعت کیساتھ ممکن ہو جمع کر کے روانہ فرمائیں تاکہ یہ خالص اسلامی کام بغیر کسی تاخیر اور توقف کے فوراً شروع کر دیا جائے۔ اس کا نیز تمام مسلمانوں کی شرکت کے لئے ایک مفصل پروگرام [illegible] سلسلہ وار عنقریب اعلان کیا جائے گا۔ جس میں ہندوستان کے سارے مسلمانوں سے درخواست ہوگی کہ وہ اس میں [illegible] اس کار خیر میں شرکت کی دعا [illegible] کریں اور اس طرح اس اسلامی فرض سے بھی سبکدوش ہوں اور عند اللہ مستحق اجر ہوں۔ اجرکم علی اللہ

تحریر سابق [illegible] پٹنہ کو بھیجنا چاہئے۔

عبدالمجید [illegible]
سکریٹری مسلم ایوان تجارت صوبہ بہار و اڑیسہ (باقی پور، پٹنہ)

Registered No. M. 999

رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ ترجمان القرآن بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۰ ر تاریخ کو شائع ہوا کریگا جو صاحب
۲۰ ر تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد
دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائے گا
رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب رعایت
کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا
چاہئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں
لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے

منیجر ترجمان القرآن

خیرت آباد۔ حیدرآباد دکن

طابع و ناشر

ابو الاعلیٰ مودودی

(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن)